عبدالاحد آزاد
تحقیق آئینے میں
محقق
ڈاکٹر اے۔ این۔ پرشانت

I know Dr. A.N. Prashant for the past twenty years now. A truly gifted individual, he lives life on the paradigms of simple living and high thinking. He is a well known literary figure who has a deep insight in the field of literature. I have always been an ardent admirer of his philosophical aptitude and intellect. The maturity of his thoughts and actions has inspired me often.

Dr. Prashant possesses a strong will for achieving his target in whatever project he undertakes. Blessed with numerous qualities of head and heart, he's always been a responsible and reliable friend, philosopher and guide.

I wish him luck in not just his present but future endeavors as well, as I believe he's one of the few individuals who give the world 'nothing but the best.'

Mukesh Thakur
Student

عبدالاحد آزاد

تحقیقی آئینے میں

اپنے لختِ جگر پروفیسر بھوشن کمل
کے لئے پیار بھرا نذرانہ
اے۔ این۔ پرشانت
03-11-2009

محقق

ڈاکٹر اے۔ این۔ پرشانت

عبدالاحد آزاد

تحقیقی آئینے میں

ڈاکٹر اے۔ این۔ پرشانت

عبدالاحد آزاد

(تحقیقی مقالہ)

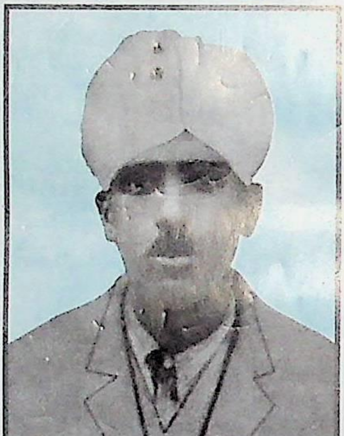

عبدالاحد آزاد کاشمیری

ڈاکٹر اے۔این۔پرشانت

﴾ جملہ حقوق میرے فرزند سنجے پرشانت رینہ کے نام محفوظ ہیں ﴿

کتاب کا نام : عبدالاحد آزاد : تحقیقی آئینے میں

محقق : ڈاکٹر اے۔این۔پرشانت

سنہ اشاعت : 2008 عیسوی

تعداد : 500

کمپیوٹر کمپوزنگ : **IILS D.T.P. Centre**
471/A, Sec-2, Vinayak Nagar,
Muthi, Jammu - 181205

رنکو کول# 94191-36369

قیمت : Rs.400/= (چارسو روپیہ)

پبلیشر : پرشانت پبلکیشنز، رہاڑی، جموں۔

سرورق : روی شنکر

مطبع : جے۔کے۔آفسیٹ پرنٹرز، جامع مسجد دہلی۔۱۱۰۰۰۶

کتاب ملنے کا پتہ:

1. "Devaashray"
315 - Gaur Enclave-II
C-348 - Shalimar Garden, Ext.-II
Sahibabad, Ghaziabad, U.P. (N.C.R)
2. "Shiv-Shobha Kuteer"
1618, Upper Subash Nagar,
Rehari Colony, Jammu - 180001
3. "Paran Kuteer"
Bernai Dharmal,
P.O. Muthi, Jammu - 181205
4. Kitab Ghar, Mualana Azad Road, Srinagar
5. Kitab Ghar, Kenal Road, Jammu

ترتیب

عرض داشت
ڈاکٹر اے۔این۔ پرشانت 1
پیش لفظ
پروفیسر (ڈاکٹر) بھوشن لال کول 14
حصہ اول
آزاد کی زندگی اور تعارف 26
1. پیدائش، تعلیم و مُلازمت 27
2. شاعری کا آغاز 34
3. ازدواجی زندگی 36
4. حکمرانی ظلم 40
5. مہجور سے مُلاقات اور اُسکا اثر 42
6. کشمیری زبان اور شاعری 44
7. شری پریم ناتھ بزاز سے مُلاقات
اور اُسکا اثر 48
8. دیگر اہم شخصیتوں کا اثر 50
9. تبادلے 52
10. وفات 53
11. شخصیت 59
12. آزاد کے معمولات 60
13. انجمن احباب 65
14. سنگیت کے ساتھ وابستگی 66
15. دیہاتی زندگی اور سیاحت 68
16. سادہ طبیعت اور خوش مزاجی 71
17. خود اعتمادی، دلیری اور ہمت افزائی 76
18. فلسفہ حیات 80
حصہ دویم
آزاد اور مختلف ادوار 89
1. سیاسی حالات 90
2. سماجی اور اقتصادی حالات 97
3. مذہبی اور ثقافتی حالات 101
حصہ سیوم
کشمیری شاعری کا ارتقا اور اسکے
خاص رُجحان 104
لوک گیت 107
1. ونہٕ وُن 108
2. رؤف 108
3. نینٛدٕ بأتھ 109
4. للہٕ ناؤن (لوری گیت) 109
5. بانٛڈ جشن 110
6. لڈی شاہ 111
7. لولہٕ گیت 111
حصہ چہارم
فلفی اور سیریتی شاعری 113
1. بکھتی اور لیلا کاویہ (شاعری) 119
2. چرت کاویہ (شاعری) 122
3. عشقیہ اور قوم پرست شاعری 125

حصہ پنجم

آزاد کی آمد و ترغیبی محرکات اور

مختصر ادبی تعارف

1. آمد اور ترغیبی سوت 126

2. آزاد کا ادبی تعارف 128

3. آزاد کی شاعری میں

جمالیاتی و عاشقانہ تذکرہ 133

4. آزاد سے قبل کشمیری نظم

میں جمالیات 133

5. آزاد کی شاعری میں

جمالیات و عاشقانہ پہلو 139

(i) وصل کی صورت 143

(ii) فراق کی صورت 147

حصہ ششم

کشمیری ادب میں قوم پرست

شاعری کا اِرتقا 155

آزاد کی قوم پرست شاعری 159

1. حب الوطنی اور ماضی کی عظمت 160

2. حال کی خستہ حالی اور تفکّر 163

(i) کِسان اور مزدور طبقے کی آہ وزاری 163

(ii) حکمران طبقے سے بے اطمینانی 168

(iii) سرمایہ داروں کی لوٹ کھسوٹ 174

(iv) مذہب کے نام پر ستم گری 176

3. دعوتِ اِنقلاب 178

(i) عوامی بیداری 178

(ii) شجاعت کی للکار 182

(iii) احساس وحدت 184

(iv) انقلاب کی خوش آمدید 187

4. مستقبل کا پیغام 191

(i) قومی سطح پر 191

(ii) بین الاقوامی سطح پر 195

حصہ ہفتم

آزاد کی شاعری میں مناظر قدرت کی عکاسی 197

آزاد کی شاعری میں کچھ مذید

موضوع اور احساسات پر تذکرہ 207

حصہ ہشتم

آزاد کا فن 219

آزاد کی تخلیقی فنکاری 219

شعریات (Poetics) کی فرض ادائیگی 228

1. علم صنعت، ضائع / بدائع (النکار) 229

2. اوصاف (گُن) 236

3. بحر (چھند) 238

4. فن تصویر کشی (چتر اتمکتا) 241

5. قوتِ الفاظ (شبد شکھتی) 243

6. محاوروں کا استعمال 247

7. زبان کا استعمال 248

(i) غیر منقلب الفاظ 249

(ii) منقلب الفاظ 251

(iii) غیر ملکی الفاظ 252

(iv) مادری زبان کے الفاظ کا استعمال 254

حصہ نوم

اِختتامیہ 256

اِنتساب

اپنے محترم والد

مرحوم پنڈت شیو جی رینہ

کے نام

جن کو مرحوم آزاد کا شاگرد ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے۔

عرض داشت

بچپن سے مجھے کشمیری گانے سُننے کا شوق رہا ہے اور اکثر گاؤں میں گانے بجانے کی محفلوں میں گانا سُننے جایا کرتا تھا۔ ریڈیو کشمیر سے کشمیری گانوں کے پروگرام بڑے چاؤ سے سنتا تھا۔ خاص طور پر مجھے رسول میرؔ، مہجورؔ، آزادؔ، پروفیسر رحمان راہیؔ، شری دینا ناتھ نادمؔ کے گانے زیادہ پسند تھے۔ یہاں تک کہ جب کبھی میں کسی میلے میں جاتا تھا تو ان شعرا کے کلام کے چھوٹے چھوٹے کتابچے خریدا کرتا تھا، جسکی قیمت اُس وقت ایک یا دو آنے ہوا کرتی تھی۔ 1964-65ء کی بات ہے کہ میں نے ریڈیو کشمیر سے آزادؔ کے کچھ گانے سُنے۔ اِس سے پہلے بھی میں نے کئی سنگیت کی محفلوں میں آزادؔ کے عاشقانہ گانے سُنے تھے، لیکن اب کے جو ریڈیو سے اُنکے گانے نشر ہوئے

وہ مجھ میں کچھ عجیب سی ہل چل پیدا کر گئے۔

میں نے ایم۔اے (ہندی) کے کورس میں ہندی کے ایک قوم پرست اور عظیم انقلابی شاعر شری رام دھاری سنگھ دِنکر کی کچھ تخلیقات کا مطالعہ کیا تھا۔ مجھے آزاد اور دِنکر کی شاعری میں کافی حد تک یکسانیت دِکھائی دی۔ دوسری بات یہ تھی کہ دونوں معاصر (Contemporary) تھے اور لگ بھگ یکساں حالات میں پلے بڑے تھے۔ دونوں کے دِلوں میں وطنیت کا سوز رواں دواں تھا اور دونوں کا نظریہ بھی ایک تھا۔ اس بنا پر میں نے طے کیا کہ ان دونوں عظیم شاعروں کی ادبی دین کا تحقیقی جائزہ لوں اور نتیجتاً میری یہ خواہش دن بدن زور پکڑتی گئی۔ آخر کار ایک دن میں نے اپنی اس خواہش کا اظہار اپنے محترم پروفیسر ڈاکٹر رمیش کُمار شرما، اُس وقت کے صدر شعبہ ہندی، جموں و کشمیر یونیورسٹی سے کیا۔ انکے ساتھ تفصیلی بات چیت کے بعد یہ مقرر ہوا کہ آزاد اور دِنکر کی تخلیقات کا تحقیقی مطالعہ کیا جائے اور پروجیکٹ کا عنوان ''آزاد اور دِنکر کی شاعری کا تقابلی مطالعہ'' مقرر ہوا۔ اس عنوان کو نومبر 1965ء میں جموں کشمیر یونیورسٹی کے بورڈ آف ریسرچ سٹڈیز نے اپنی منظوری دے دی اور پی ایچ۔ڈی کی ڈِگری کیلئے ریسرچ سکالر کی حیثیت سے میری رجسٹریشن ہوئی۔ اس پروجیکٹ کیلئے بھارت سرکار کی وزارت تعلیم کی طرف سے مجھے ایک سو روپے ماہانہ وضیفے کے طور پر بھی منظور ہوا۔

اس بات کی وضاحت کرنا واجب اور ناگزیر ہوگا کہ پی ایچ۔ڈی کی ڈِگری کیلئے یہ تحقیقی مقالہ میں نے ہندی زبان میں لکھا ہے لیکن یہاں پر میں

اس تحقیق کو جسے مکمل کرتے ہوئے مجھے کافی عرق ریزی اور بہت ساری دُشواریوں کا سامنا کرنا پڑا ہے، کو اُردو زبان میں کیوں لکھ رہا ہوں، کے دو اہم وجوہات ہیں۔

ایک یہ کہ میرا یہ تحقیقی مقالہ آزاد جیسے عظیم کشمیری شاعر پر اپنی نوعیت کی پہلی کوشش ہے جِسے پایہ تکمیل تک پہنچانے میں مجھے پانچ سال کا طویل عرصہ صرف کرنا پڑا۔ اسلئے اپنی اس ریاضت کو اپنے کشمیری بھائیوں، عالموں، اُدبا، ناقدین اور دوستوں تک پہنچانا چاہتا ہوں۔ اگرچہ اب ہم قریب 20 سال سے اپنے بھائیوں سے دور رہ رہے ہیں، لیکن میرا اس بات پر پورا اعتماد ہے کہ انسان کو صرف نظر سے دور کیا جا سکتا ہے، دِل سے نہیں۔

دوسری اہم وجہ یہ ہے کہ آزاد کشمیری زبان کے شاعر تھے اسلئے اُنکی قدر و قیمت جاننے والے اور انکے ساتھ دِلچسپی رکھنے والے بلا شک کشمیری ہی ہیں۔ اسلئے وہ چونکہ ہندی کے مقابلے اُردو زبان کی جانکاری زیادہ رکھتے ہیں، اسلئے اردو زبان کی بذاتِ خود زیادہ مہارت نہ رکھتے ہوئے بھی میں نے اسے اُردو زبان میں لکھنے کی جسارت کی ہے۔ اس کے علاوہ ریاست سے باہر بھی پورے ملک میں لاکھوں ایسے لوگ ہیں جو اس عظیم شاعر کی شخصیت اور ادبی اشتراک سے مستفید ہو سکتے ہیں۔ ایک اور بات بھی میں یہاں پر صاف کرنا چاہوں گا کہ میرا آبائی گاؤں تحصیل چاڈورہ کا موضع 'واگام' ہے جو کہ آزاد کے آبائی گاؤں 'رانگر' کی ہمسائیگی میں پڑتا ہے۔ دونوں گاؤں میں ایک ڈیڑھ کلو میٹر کا فاصلہ ہے۔ رانگر گاؤں میں کئی دوستوں کے یہاں میرا آنا جانا بھی رہتا

تھا، اسلئے اس گاؤں کے ساتھ میری اچھی وابستگی رہی ہے اور آزاد کا نام بھی میرے لئے بہ نسبت اوروں کے زیادہ جانا پہچانا تھا۔

اب جبکہ میں یہاں واحد طور پر آزاد کی ہی تخلیقات کا مطالعہ پیش کر رہا ہوں اسلئے انکے ہی بارے میں ذکر کرنا موزوں ہو گا۔ میں نے آزاد کی تخلیقات کی کھوج کرنا شروع کیا۔ انکے کلام کی سات آٹھ کتابچوں کو بڑی مشکل سے حاصل کیا۔ 1965ء کا واقعہ ہے کہ ایک دن میں کہیں گاؤں جا رہا تھا تو بس اڈے پر ایک چھوٹا سا لڑکا چیختا پکارتا دکھائی دِیا۔ نزدیک جا کر دیکھا کہ اُسکے ہاتھ میں بہت سے کشمیری شعرا کی مطبوعہ کتابچوں کا ایک پلندہ تھا۔ میں اسکے ہاتھ سے وہ پلندہ لیکر ایک ایک کر کے چھانٹنے لگا اور میری مسرت کی کوئی انتہا ہی نہ رہی جب میں نے اُس پورے پلندے میں سے 'دسنگر مال' عنوان سے آزاد کے دو کتابچے ڈھونڈ نکالے۔ ان میں سے ایک کتابچہ میرے پاس پہلے سے ہی تھا۔ میں نے دوسرے کی قیمت پوچھی تو لڑکے نے دو آنے دام بتا دِیا۔ میں نے ایک چونی دیتے ہوئے اُسے کہا کہ آزاد کی جتنی کتابیں تمہارے پاس ہونگی، میں اُن سب کو خرید لوں گا۔ لڑکے نے بھی ایمانداری کے ساتھ جواباً کہا کہ اگر اُسکے پاس کوئی اور کتاب ہوگی تو وہ ضرور لاکر دیگا۔ خیر اسکے بعد وہ لڑکا مجھے کبھی نہیں ملا، لیکن وہ میری ذہن میں یہ بات ڈال گیا کہ یہ کتابچے مجھے ایسی ہی جگہوں پر مل سکیں گے۔ تب سے میں لگاتار ایسے ہی میلوں اور تیوہاروں میں تلاشتا رہا اور کبھی کبھی کا جانا سودمند بھی ثابت ہوتا رہا۔ اسطرح میں نے پانچ چھ ماہ تک آزاد کے سات

آٹھ کتابچے 'سنگرمال' اور 'کلام آزادؔ' کے عنوان سے حاصل کئے۔ یہ ذِکر کرنا بھی ضروری ہے کہ آزادؔ کی کوئی بھی مطبوعہ تخلیق مجھے کسی کُتب فروش کے یہاں حاصل نہیں ہوسکی کیونکہ انکے پاس یہ آوٹ آف سٹاک ہوچکی تھیں۔ پبلیشر غلام محمد نور محمد تاجران کُتب مہاراج گنج، سرینگر سے رجوع کیا تو اُس نے اپنی پریس کاپی دِکھانے میں اپنی مجبوری دِکھائی اور مجھے مایوس کیا۔

ایک طرف جہاں میں میلوں اور تیوہاروں کی بھیڑ میں جاکر شاعر کا کلام کھوجتا رہا وہیں دوسری طرف میں آزادؔ کے دوست و احبابوں کی تلاش کرتا گیا۔ اس سلسلے میں مجھے آزادؔ کے ایک بہت ہی قریبی دوست ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو کا پتہ مِلا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ آزادؔ کا غیر مطبوعہ کلام سارا کا سارا اُن کے ہی پاس ہے۔ بس پھر کیا تھا، میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ جیسے اندھے کو آنکھیں مل گئی ہوں۔ میں اگلے ہی ایک دو روز کے اندر اُنکے پاس حاضر ہوا۔ میرے اس پروجیکٹ کے بارے میں جانکر اُنکو اتنی مسرت ہوئی کہ جیسے یہ انکا اپنا ہی ذاتی کام تھا۔ پہلی ہی مُلاقات میں گنجو صاحب مجھے ایک پُر خلوص، ہمدرد اور ایک مُدبر شخصیت کے مالک لگے۔ اُنکی فراخ دِلی کا یہ عالم تھا کہ انھوں نے آزادؔ کی ساری غیر مطبوعہ تخلیقات جن میں آزادؔ کے ہاتھ کے لکھے بہت سارے مسودے بھی شامل تھے، میرے لئے میسر رکھے۔ اس غیر مطبوعہ سرمایے کو دیکھ کر اور اس پر طائرانہ نظر ڈال کر مجھے فخر ہونے لگا۔ ابھی تک آزادؔ کو ایک اچھا شاعر ماننکر میں نے جن حدوں کو مقرر کیا تھا، اب اس سرمائے کا سرسری مطالعہ کرنے کے بعد ایک دم ان حدوں کو وسعت دینی

پڑی۔ آزاد کے اندر کا یہ عظیم اور ممتاز شاعر ابھی تک میرے تصور میں نہیں آیا تھا۔ خیر گنجو صاحب کے اس ہمدردانہ رویے نے میرا کافی حوصلہ بڑھایا۔ وُہ اُن دنوں آزاد کے اس پورے ادبی مواد کو کتابی صورت میں چھاپنے کی تیاری میں تھے اور اس کام کیلئے انھوں نے کئی کاتبوں کو بھی کام پر لگا رکھا تھا، جو چھاپ کیلئے اُسکی کاپی تیار کر رہے تھے۔ ان حالات میں گنجو صاحب کیلئے اس سرمائے سے الگ ہونا ممکن ہی نہیں تھا۔ اسلئے اُنکے سجھاؤ پر میں 1966ء کے نومبر اور دسمبر ماہ میں اُنکے دفتر ڈِسٹرکٹ میڈیکل آفس لال منڈی سرینگر میں لگ بھگ ہر روز اپنے لئے ان زیر اشاعت مسودوں کی نقل اُتارتا رہا۔ اسطرح ڈاکٹر صاحب کے اس بے لوث تعاوُن سے میرا کام اور بھی آسان بن سکا جس کیلئے میں عمر بھر کیلئے انکا شکر گذار ہوں۔ اس کے بعد میں اُن سے برابر مِلتا رہا اور آزاد کو سمجھنے اور پرکھنے میں اُن سے اہم معلومات حاصل کرتا رہا۔ اُن کے گھر پر میں نے کئی بار اُن سے انٹرویو لئے جن میں 2 مارچ 1967ء کا ڈاکٹر صاحب کے گھر پر لیا گیا انٹرویو خاص طور پر قابل ذِکر ہے۔ اس دِن گنجو صاحب نے مجھے قریب چار گھنٹے تک آزاد کی نجی زندگی سے آگاہ کرتے ہوئے انکی زندگی کے کچھ واقعہ بتائے جن سے کئی اہم پہلو روشن ہوئے۔

اس بات کا ذِکر کرنا بھی ضروری جان پڑتا ہے کہ ڈاکٹر گنجو کے ہاتھ آزاد کا یہ سرمایہ کیسے آیا۔ اسکی ایک اہم وجہ آزاد کی غریبی ہے جو زندگی بھر انکا پیچھا نہ چھوڑ سکی۔ مالی بدحالی کی وجہ سے آزاد اپنے ادبی سرمایہ کو اپنی زندگی کے ایام میں شائع نہ کر سکے جبکہ انھیں اس بات کی بے حد خواہش تھی۔ لیکن

اُنکے ساتھ ایک بات یہ بھی تھی کہ تنگدستی کے ہوتے ہوئے بھی وہ کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلانا چاہتے تھے اور نہ ہی اس سرمایہ کو بیچنے کیلئے تیار تھے۔ جو چند تخلیقیں شائعہ ہوئی تھیں انھیں کسی مجبوری میں بیچنا پڑا تھا، نہیں تو انکی اشاعت بھی ناممکن ہو پاتی۔ دوسری اہم وجہ یہ تھی کہ گنجو صاحب آزاد کے قریبی دوستوں میں سے تھے اور یہ بات طے ہے کہ آزاد نے اپنی رحلت کے وقت یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ اُنکی غیر مطبوعہ تخلیقات ڈاکٹر صاحب کے حوالے کی جائیں۔ ان ہی وجوہات پر یہ سارا سرمایہ ڈاکٹر صاحب کو حاصل ہوا اور انھوں نے میری نظروں کے سامنے بڑی عرق ریزی کے ساتھ اُن اوراق پریشان کو ترتیب دیکر ایک شاندار کتاب کی صورت میں شائع کروایا اور اسطرح اپنے مرحوم دوست کی آخری خواہش کو بڑی ایمانداری اور خوش اسلوبی کے ساتھ پورا کیا۔ اس کتاب کی اشاعت 'کلیاتِ آزاد' کے عنوان سے 1967ء میں جموں وکشمیر اکیڈمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز سرینگر کی طرف سے کی گئی۔

آزاد کی شخصیت کو جاننے کیلئے اور انکی مُصدقہ سوانح عُمری کی کھوج کرنے کیلئے میں فیلڈ ورک یعنی زمینی جانکاری کے کام میں جوش اور لگن سے نکل پڑا اور پوری طرح سے اس کام میں مشغول رہا۔ اسکے لئے آزاد کے گاؤں رانگر جانا اشد ضروری تھا۔ میں 11 ماہ مئی 1967ء کے دن وہاں چلا گیا۔ اُس دن آزاد کے گھر پر اُنکے بڑے بھائی خواجہ غلام علی ڈار صاحب موجود تھے جو کہ پیشے سے حکیم تھے۔ اُنکے ساتھ میری تین گھنٹے تک طویل بات چیت کا سلسلہ جاری رہا۔ انھیں بڑی مسرت ہوئی جب میں نے کہا کہ

میں آزاد صاحب پر کتاب لکھنا چاہتا ہوں۔ آزاد کی شخصیت کو جاننے میں انھوں نے بہت ساری باتوں پر روشنی ڈالی۔ خواجہ غلام علی ڈار نے آزاد کی زندگی کے اہم واقعات سے روشناس کیا جنکی واقفیت کہیں اور سے ہونی ناممکن تھی۔ اس ملاقات کو بھی میں اپنی خوش قسمتی ہی سمجھتا ہوں کیونکہ اس ملاقات کے جلدی ہی بعد اُنکی صحت خراب ہوئی اور سُنا کہ اُنکی آنکھوں کی بنیائی بھی چلی گئی اور فروری 1968ء میں رحلت بھی کر گئے۔ آزاد کے بڑے بھائی سے ملنے کے بعد میں نے آزاد کی بیوہ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تو معلوم ہوا کہ وہ کئی دن پہلے اپنے مایکے ''سُر سیار'' چلی گئی تھی۔ آزاد کے متبنٰی بیٹے سے بھی ملاقات نہ ہوسکی کیونکہ وہ بھی اُس دن گھر پر نہیں تھے۔ تب گاؤں کے کچھ اور بزرگوں سے ملکر واپس لوٹا۔ ایک ہفتہ بعد آزاد کی بیوہ سے ملنے اُسکے مایکے ایک دور دراز گاؤں 'سرسیار' چلا گیا۔ لیکن بد قسمتی یہ کہ وہ کسی رشتے دار کے یہاں شادی کی تقریب میں شمولیت کیلئے چلی گئی تھی۔ آخر کار بڑی کوششوں کے بعد 21 ماہ نومبر 1967ء کو ''رانگر'' گاؤں میں انکے گھر پر ہی اُن سے مُلاقات ہوئی۔ زوجہ آزاد نے بڑی ایمانداری کے ساتھ آزاد کی سوانح حیات اور اُنکی شخصیت کی مصدقہ تصویر میرے سامنے رکھی۔ اپنی گھریلو زندگی کی کچھ یادیں بھی مجھے بتا دیں۔ اُس سیدھی سادی نیک خاتون نے جس طرح سے میرا خیر مقدم کیا اُس کیلئے میں خاص طور پر انکا ممنوں ہوں۔ اُسی دن آزاد کے متبنٰی بیٹے غلام حسن ڈار المعروف جاوید آزاد سے بھی ملاقات ہوئی۔ اس نے بھی آزاد کے بارے میں انکی معمول کی زندگی کے اہم حقایق پر روشنی ڈالی۔

آزاد کے ہمنواوں میں پہلا نام غلام محمد ڈار 'زوہامہ' کا لیا جا سکتا ہے۔ اُنکے پاس شاعر کی زندگی کی بہت ہی وسیع تصویر ہے۔ بچپن سے لیکر آزاد کی ایام زندگی کے آخر تک وہ انکے ہمنوا رہے ہیں۔ انکے ساتھ میری ملاقات 14 ماہ مئی 1967ء کو انکے آبائی گاؤں 'زوہامہ' میں انکے گھر پر ہوئی۔ انھوں نے اپنے دوست کے بارے میں جو جانکاری مجھے دی اُسکی بنا پر وثوق کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ڈار صاحب حقیقی طور پر شاعر کے بہت قریب رہے ہیں۔ اُن سے ملکر آزاد کو سمجھنا میرے لئے بہت ہی آسان ہوا جسکے لئے میں انکا شُکر گُزار ہوں۔ اس بات کیلئے بھی ممنوں ہوں کہ انھوں نے بڑے فخر کے ساتھ میرے ساتھ فوٹو کھینچے کی اپنی رضامندی دِکھائی جب میں نے کہا کہ یہ فوٹو آزاد کی کتاب میں چھاپ دیا جائیگا۔

اسکے علاوہ آزاد کے جن احباب اور دیگر شخصیتوں سے میں ملا ہوں ان میں ذیل کے کچھ نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں اور میں خصوصیت کے ساتھ انکا شُکر گُزار ہوں۔

(۱) شری پریم ناتھ بزاز: آزاد کے محاصر ایک مشہور اخبار نویس، سیاسی لیڈر و دانشور اور ادیب۔ 9 ماہ جولائی 1966ء کو کرن نگر، سرینگر میں اُن کے ساتھ مُلاقات اور آزاد سے متعلق تبادلہ خیال۔

(۲) شری اومکار ناتھ کول (ٹھسُو): سرینگر کے رتن رانی ہسپتال کے سُپرانٹینڈ ینٹ۔ 19 ماہ فروری 1968ء کو انکا انٹرویو لیا اور آزاد کی زندگی پر تبادلہ خیال ہوا۔

(۳) شری مکھن لال محو: روزنامہ خدمت کے سب ایڈیٹر سے کئی بار انکے دفتر اور گھر (ڈلہسن یار، سرینگر) پر مُلاقات کی جس میں 18 ماہ فروری 1968ء کا انٹرویو خاص طور پر اہمیت رکھتا ہے۔ شری محو کے گھر آزاد اکثر آیا کرتے تھے۔ آزاد کی اُنکے ساتھ گہری دوستی تھی۔ شری محو کی ماں نے بھی آزاد کے بارے میں کافی باتیں بتائیں۔

(۴) پروفیسر پرتھوی ناتھ پُشپ: اُس وقت کے ڈائریکٹر جموں و کشمیر ریسرچ لائبریری سے کئی بار مُلاقات کا فیض حاصل ہوا جس میں 23 ماہ مئی 1968ء کی مُلاقات خاص اہمیت رکھتی ہے۔

(۵) پروفیسر رحمان راہی: ایک مشہور اور بُلند پایہ کشمیری شاعر اُن دنوں جموں کشمیر یونیورسٹی کے شعبہ فارسی میں پروفیسر تھے۔ 10 ماہ دسمبر 1968ء کو ان کے ساتھ یونیورسٹی کے احاطے میں لگ بھگ 2 گھنٹے تک آزاد پر طویل تبادلہ خیال ہوتا رہا۔ اس سے پہلے بھی میں اُنکے آبائی گھر 'واز پوٗر' سرینگر میں اس سِلسلے میں دوبار ملا ہوں اور مجھے اپنے تحقیقی پروجیکٹ میں انکا کافی تعاون حاصل ہوا ہے۔ خاصکر تعمیر کا آزاد نمبر اور مہجور نمبر مجھے فراہم کر کے میرے کام کو بہت حد تک آسان بنا دیا۔ اسکے لئے میں تہہ دل سے انکا شکر گزار ہوں۔

(۶) شری بشمبر ناتھ کول: اُنکی آبائی رہائش گاہ آزاد کے ہی گاؤں رانگر میں تھی۔ اُن دنوں آل انڈیا ریڈیو دہلی میں تعینات تھے۔ 23 ماہ اپریل 1968ء کو دہلی میں ان سے مُلاقات کی۔ آزاد پر لکھی ہوئی

انکی تب تک غیر مطبوعہ تخلیق 'زگ تہٕ پڑؤن' سے مجھے کافی مدد ملی۔

(۷) موتی لال ساقی: ایک مشہور شاعر، ادیب اور نقاد۔ اُن کے ساتھ کئی ملاقاتوں کے دوران آزاد کے بارے میں بہت ساری باتوں کا پتہ چلا۔ آزاد کے بارے میں انکے پاس بہت ساری معلومات خاصکر گھریلو جانکاری ہونے کی اہم وجہ یہ ہے کہ وہ آزاد کی ہمسائیگی میں رہتے تھے۔ ساقی صاحب کا گاؤں 'مہانور' رانگر کے قریب ہی ہے۔ اسکے علاوہ ساقی آزاد کی شاگردی میں بھی رہے ہیں۔

(۸) پروفیسر شمس الدین احمد: اُس وقت کے صدر شعبہ فارسی جموں کشمیر یونیورسٹی سرینگر کا بھی اس کام کو مکمل کرنے میں تعاون ملا ہے۔

(۹) شری کرشن لعل کول الماس: انھیں بھی آزاد کی شاگردی کا شرف حاصل ہے۔ بہت ساری اہم جانکاری ان سے دستیاب ہوئی جسکا کہیں اور سے جان پانا ممکن نہیں تھا۔ الماس بھی رانگر کے ہی رہنے والے ہیں۔

(۱۰) شری موتی لال جیلخانی: ان سے دہلی میں ملاقات کی۔ اُن دنوں وہ آل انڈیا ریڈیو دہلی میں کارفرما تھے۔

(۱۱) پنڈت رام جُو دھر: لائبریرین ریسرچ لائبریری سرینگر سے کافی مدد اور ہمدردانہ تعاون حاصل ہوا۔

(۱۲) ڈاکٹر رام داس نادار: ایک عالی درجے کے شاعر، ادیب، نقاد اور وکیل۔ اُن سے دہلی میں ملاقات ہوئی اور وہ بھی کافی مددگار ثابت ہوئے۔

اسکے علاوہ سرینگر کی بہت ساری لائبریریوں کے میگزینوں سے کافی

مدد ملی ہے جس سے کشمیری ادب کا مطالعہ کرنے اور سمجھنے میں کافی حد تک سہولیت دستیاب ہوسکی ہے۔

عرصہ دراز کے بعد میں اپنے اس تحقیقی ریاض کو آزاد کے قدردان، محقق، ادب شناس اور ناقدین دوستوں کے سامنے پیش کرتے ہوئے اپنے آپکو خوش نصیب سمجھتا ہوں۔ یہاں اس بات کی وضاحت کرنا اہم بنتا ہے کہ میرا یہ تحقیقی پروجیکٹ قریب 38 سال پہلے یعنی 1970ء میں مکمل ہوا تھا اور اکتوبر 1970ء میں اسکے لئے مجھے 'ڈاکٹر آف فلاسفی' کی ڈگری کشمیر یونیورسٹی نے عطا کی۔ ڈگری ملتے ہی میری بھارت سرکار کے وزارت داخلہ کے محکمہ سرکاری زبان میں لیکچرر کے عہدے پر تقرری ہوئی۔ ملازمت کے دوران میرا ادبی ذوق کسی حد تک دبا رہا۔ کیونکہ سرکاری کام کاج میں اس قسم کا ادبی ماحول فراہم نہ ہو سکا اور سرکاری انتظامیہ کے کاموں کی ادائیگی فرض میں ہی اپنی مصروفیت رکھنی پڑی۔ اب سرکاری ملازمت سے سبکدوشی کے بعد یہ تحقیقی مقالہ ادب شناسوں اور ادب نواز برادری کے سامنے رکھ رہا ہوں۔ اپنے اس فعل میں موضوع کے ساتھ کتنا کچھ انصاف کر سکا ہوں اس بات کا تجزیہ میں لایق تعظیم محققوں، ناقدین اور ادب نواز قارین کے سُپرد اس التماس کے ساتھ کر رہا ہوں کہ وہ اس ضمن میں مجھے میری کمیوں، کوتاہیوں اور اپنے دانشمندانہ تجاویز سے مستفید کریں، جسکے لئے میں ممنوں اور منتظر رہوں گا۔

اپنے قریبی دوست سُرگیہ جواہر لعل رینہ جو کہ جموں کشمیر سرکار کے محکمہ تعلیم میں بحیثیت پرنسپل کام کر چکے ہیں، کا بعداز مرگ شُکریہ ادا کرنا اپنا فرض

اولین سمجھتا ہوں۔ وہ خاص طور پر فیلڈورک میں شانہ بشانہ مجھے اپنا تعاون جوانمردی اور ہمدردی کے ساتھ فراہم کرتے رہے۔ اہم شخصیتوں کے ساتھ دوران انٹرویو فوٹوگرافی کا کام انھوں نے ہی انجام دیا ہے۔

شری جگن ناتھ ساگر صاحب کا خصوصی طور پر شُکریہ ادا کرنا چاہوں گا۔ انھوں نے اپنی مصروفیت کو درکنار رکھ کر اس مقالے کا مسودہ پڑھکر حسبِ ضرورت اِسکی دُرستی کی اور پروف ریڈنگ بھی کی۔ میں تہہ دِل سے اُنکے اس ہمدردانہ تعاوُن کیلئے ممنوں ہوں۔

اپنے اس عرض داشت کو اختتام تک لے جانے سے پہلے میں اپنے بچپن کے عزیز دوست پروفیسر بھوشن لعل کول (ڈی لِٹ)، جِسے میں اپنے بھائی سے بڑھکر مانتا ہوں کا شُکریہ ادا کئے بغیر نہیں رہ سکتا ہوں۔ اس کام کو مکمل کرنے میں جو دانشمندانہ تعاوُن اُن سے فراہم ہوا ہے اُسی کا یہ نتیجہ ہے جو کہ میں آج معزز قارین کے سامنے پیش کرنے کے اہل ہو سکا ہوں۔

اے۔این۔پرشانت

جیشٹھ اشٹمی۔ 11 ماہ جون، 2008ء ، جموں۔

☆☆☆

پیشِ لفظ

مرحوم عبدالاحد آزاد جدید کشمیری ادب کے ان عظیم شاعروں میں سے ایک ہیں جنھوں نے 20 ویں صدی کے نصف اول کے دور کے حاسہ کو شاعری کی زبان دیتے ہوئے عام لوگوں کے پسینے میں حُسن کو تلاشنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ سب سے پہلے وہ احدؔ اور پھر جانبازؔ تخلص سے عاشقانہ غزلیں لکھتے تھے لیکن بیٹے کی اچانک موت نے انھیں ہر بندش سے آزاد کر دیا اور وہ آزادؔ تخلص کرنے لگے اور آخر تک اسی نام سے لکھتے رہے۔

شدید حالات سے لڑنا ہی آزادؔ کی قسمت میں بدا تھا۔ 45 سال کی قلیل عمر میں ہی اس جہاں فانی سے رحلت کر گئے۔ جو اپنی زندگی کے ایام میں بڑے جوش اور ولولے کے ساتھ انقلاب اور بغاوت کے نغمے گا رہا تھا

اُسی کے اچانک خاموش ہو جانے پر مقبول عام شاعر مہجورؔ نے اظہار غم کرتے ہوئے لکھا:

آہ آزادؔ از جہاں روپوش شُد
یاکہ از جامِ بقا مدہوش شُد
بہر حال رحلتش مہجورؔ گفت
بُلبُل شیرین بیان خاموش شُد

آزادؔ نے ایک مرد بہادُر کے ناطے مصیبتوں کا ڈٹ کر سامنا کیا اور لگاتار اپنے فعل و قول میں مشغول رہ کر فعل کو ہی اپنا حقیقی مذہب اور مقصد مانا۔ آزادؔ کے تفکر پر کئی ہم عصر اندازِ فکر اور ذہین ماہرین کا اثر ضرور پڑا ہے۔ وہ جہاں کارل مارکس کے سماج وادی فلسفے سے متاثر ہوئے تھے وہیں عظیم شاعر اقبال کی انفرادیت اور تخلیقی جلال کی بھی ان پر چھاپ پڑی تھی۔ لیکن یہ اثر انھوں نے کسی حد تک ہی اپنایا۔ آزادؔ کی تخلیقوں کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے حالاتِ زمانہ سے ہی زیادہ متاثر ہوئے ہیں۔

صدیوں سے چلی آ رہی غلامی، سرمایہ دارانہ نظام کا استحصال، ہر طرف پھیلی قحط سالی، مذہبی تنگ نظری، لاعلمی اور زمینداری نظام کے ہائے توبہ نے آزادؔ کو حُسن و عشق کے رنگ محل سے باہر نکال کر حقیقی زمین پر پیر جما کر زندگی کی ہولناک سچائی کو دیکھنے اور سہنے کیلئے مجبور کر دیا۔ وہ اِنسان کو صحیح صورت حال میں دیکھنے کیلئے پریشان ہو اُٹھے اور آخرکار جب قوتِ برداشت

کے باندھ ٹوٹنے لگے تو انھوں نے پوری جرائت مُصمم ارادے اور خود اعتمادی کے ساتھ انقلاب کا نعرہ بُلند کیا۔ کشمیری زبان میں لکھی آزاد کی کچھ نظمیں 'سنگرمال' عنوان سے سات کتابچوں میں شائع ہوئی ہیں۔ 1959ء میں پروفیسر پرتھوی ناتھ پُشپ نے اُنکی کچھ ممتاز تخلیقوں کا اُردو ترجمے کے ساتھ ایک چھوٹا مجموعہ تیار کیا جو جموں کشمیر کلچرل اکادمی کی طرف سے اُسی سال شائع بھی ہوا۔ 1967ء میں اکادمی کی طرف سے 'کُلیات آزاد' کی اشاعت ہوئی جسکے مدیر آزاد کے خیرخواہ اور قریبی دوست ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو ہیں۔ ایک ماہر معالج ہونے کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر گنجو ایک تجربہ کار نقاد اور ادب شناس بھی تھے۔ درسی تنقید (Textual Criticism) کے اصولوں کی بنیاد پر ڈاکٹر گنجو نے آزاد کی 244 تخلیقوں کو کُلیات میں پیش کیا۔ ان میں خصوصاً غزلیں، نظمیں، رباعیات، قطات اور خصوصی فکر کی کچھ لمبی نظمیں بھی شامل ہیں۔ کُلیات کے آغاز میں انھوں نے آزاد کی زندگی، شخصیت اور عمل سے متعلق 141 صفحات پر مبنی مقدمہ لکھا ہے جو بیانیہ زیادہ ہے اور تنقیدی کم ہے۔ 637 صفوں کی یہ مجموعہ کتاب تحقیقی نظریہ سے بہت ہی اہم ہے۔ آزاد کی کئی ایسی تخلیقیں بھی اس کتاب میں شامل ہیں جو 1967ء تک کبھی شایع نہیں کی گئی تھیں۔

شاعری کے ابتدائی دور میں انھوں نے پوری طرح سے جمالیاتی یا عشق و عاشقی کی ہی غزلیں لکھیں۔ بعد میں نئے سوچ اور فکر کے زیر اثر حب الوطنی کی آگ انکے دِل میں دہک اُٹھی اور شاعر انسانیت کے طور پر عوامی

ذہن کو اپنی طرف متوجہ کرنے لگے۔ زندگی کی کامیابی کا رنگ انکی تخلیقوں میں گہرا ہونے لگا اور آنے والے دور میں انکی تصنیفات میں انقلابی صورت تیز ہو اُٹھی۔ پورے طور پر بدلاو لانے کے لئے وہ تباہی اور تعمیر کا برابر خیر آمد کرنے لگے۔ یہ صحیح ہے کہ آزاد پر ترقی پسندی فکر کا کافی اثر پڑا ہے لیکن اشتمالیت سے کہیں زیادہ اپنے وطن کی مٹی سے ہی جڑے تھے۔

آزاد نہ صرف ایک شاعر تھے بلکہ جدید دور کے کشمیری زبان اور ادب کے پہلے تاریخ لکھنے والے اور محقق بھی تھے۔ اپنی تحقیقی ناپ تول کی بنیاد پر انھوں نے اُردو زبان میں کشمیری ادب کی تاریخ لکھی جو انکی وفات کے بعد 'کشمیری زبان اور شاعری' عنوان سے ریاستی کلچرل اکادمی سے تین جلدوں میں بلترتیب 1959ء، 1962ء اور 1963ء میں شائع ہوئی۔ اس تاریخ کو لکھنے میں آزاد کو 13 سال کا لمبا عرصہ (1935ء سے 1948ء تک) صرف کرنا پڑا۔

آزاد بذاتِ خود ایک دیہاتی تھے اسلئے دیہاتی زندگی کی سچائی اور سادگی ہی اُنکے 'لول' یعنی عاشقانہ غزلوں کا حُسن اور کشش ہے۔ میں یہ بھی صاف الفاظ میں کہنا چاہتا ہوں کہ آزاد نے عشق الٰہی کی بات نہیں کی۔ مدت گذر گیا تھا یہ باتیں سُنتے اور سناتے۔ انھیں یقین تھا کہ محبت زندگی کیلئے اہم اور لازمی ہے۔ محبت ہی ذی روح ہونے کی علامت ہے اور اپنے وجود کو پہچاننے کا زور دار ذریعہ ہے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ آزاد کو زندگی جینے میں اٹوٹ وِشواس تھا۔ 'لول' (محبت) پر آزاد نے پورے 'لول' کے ساتھ عمل

کیا ہے۔ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو کے مطابق ''اسے تصوف کی زنجیروں سے آزاد کر کے ایک صحت مند مادی بنیاد فراہم کی ہے۔ سنگیت کے صوت سے سُریلا بنا دیا ہے...... اور لول کو شیرنی سے شرابور کر دیا ہے۔''

(کُلیاتِ آزاد دیپاچہ۔ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو، صفحہ نمبر 54)

اِنسان اور انسانیت کی خستہ حالی نے شاعر کو اُسکے مادی وجود پر اور گہرائی کے ساتھ سوچنے پر مجبور کر دیا اور نتیجتاً مٹھاس بھرے احساس پر مُدلل تفکر نے غلبہ پا لیا۔ اِنسانی تفکر انکی تخلیقوں میں پرزور طور پر عیاں ہونے لگا۔ انسان دوستی کی شراب پی کر آزاد مست ہے لیکن بدمست نہیں۔ انکا انسانی پیار عالمی بھائی چارے کی حدوں کو چھوتا ہوا بنیادی طور پر انکے صحتمند اور پختہ فکر کا ہی اشتباہ کراتا ہے۔

آزاد کی شاعرانہ شخصیت کا تیسرا اہم پہلو ہے حب الوطنی کی لپٹوں سے جھلستی ہوئی انقلابی شاعر کی انفرادیت۔ آزاد کی نظر میں انسان کی اہمیت ہے نہ کہ ہندو یا مسلمان کی۔ ہندو اور مسلمان بننے سے پہلے ایک سچا انسان بن جانا اشد ضروری ہے۔ اِنسان کے طرز فکر میں اِسی بدلاو کا نام انقلاب ہے۔ آزاد عام لوگوں کی سوچ میں صحتمند ذہنی انقلاب لانا چاہتے تھے۔ آزاد نے خصوصی فکر کی چند لمبی نظمیں بھی لکھی ہیں۔ 'دریا' (دریاو) آزاد کی ایک بہت ہی مشہور اور ممتاز نظم ہے جس میں بشری طور پر دریا اپنے بہاو میں زندگی کو ایک نئے معنی اور جوش بھرے پیغام کے ساتھ ظاہر کرتا ہے۔ زندگی کا مطلب ہے تیز روانی جسمیں ٹھہراو کیلئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ دریا کی طرح

پیچھے مڑ کر کبھی نہ دیکھنے میں ہی زندگی کی کامیابی اور سچائی ہے اور ٹھہراو موت کی نشانی ہے۔ کشمکش بھرے آج میں ہی خوشحال کل کے بیج چھپے ہیں۔ اسلئے دریا اپنے بہاو کی مستانی چال میں اِنسان سے پوچھتا ہے:

مےٚ عادت چھےٚ نہٕ پتھ پھیرُن
مےٚ نِش گو برٛونٛہہ کُنےٚ نیرُن

ترجمہ:

میری عادت نہیں ہے پیچھے مُڑنا
میں تو صرف آگے بڑھتا ہوں

عظیم شاعر اقبال کے 'جاوید نامہ' میں دی ہوئی نظم ''نالۂ ابلیس'' سے متاثر ہو کر آزاد نے ایک لمبی نظم ''شکوہ ابلیس'' عنوان سے لکھی ہے جسمیں بدنام ابلیس صاحب قوت و خالق کے سامنے اپنی آہ وزاری پیش کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اس کائنات پر اپنے سے بڑھکر شیطان دیکھکر اور انکے تشدُد بھرے روحجان سے خوفزدہ ہوکر میں بھی کانپ اُٹھا ہوں۔

آزاد کی نظموں میں مناظر قدرت کی بھی اپنی خاص اہمیت ہے۔ جھرنا (پاں ژادر) برف کا تودہ (شنہٕ مأنی) بہار اور بسنت آیا (بہار آو) اس لحاظ سے ان کی قابل ذکر تخلیقیں ہیں۔

آزاد عام آدمی کے طرزفکر میں بھی ایک صحتمند انقلاب لانا چاہتے ہیں۔ وہ ایک نئے یقین کے ساتھ نئی تعمیر کیلئے کمزور اور فرسودہ انتظامیہ پر گہری چوٹ کرتے ہیں۔ اس نظریے سے انکی قابل ذکر نظمیں ہیں: ''پیام

انقلاب''، ''انقلاب''، ''انقلاب و انقلاب، انقلاب''، ''انقلاب ان'' وغیرہ۔ صرف باہری زندگی یا سیاسی اور سماجی انتظامیہ میں ہی انقلاب کی ضرورت نہیں بلکہ انسانی سوچ میں قبولیت اور زندگی کی قدروں میں بھی انقلاب ضروری ہے۔ برائیوں سے بھری زندگی کی بے حسی کو توڑنے کیلئے اور عوام میں اپنے وقار کو اُجاگر کرنے کیلئے انقلاب ضروری ہے۔ قدیم درشت، لاغر رسم اور مقبول رواج، ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر جائیں۔ توہم پرستی کی بیڑیاں چوُر چوُر ہو جاہیں۔ چھان بین کرنے کی تمیز حرکت میں آئے ، آزاد اس طرح کے بدلاو کیلئے انقلاب اور بغاوت کا بِگُل بجا دیتے ہیں:

ناو ژیٚے انسان چھےٚ ہیٚنٛد تہٕ مسلمان کیاہ
ہیوٚنٛد تہٕ مُسلمان یوٚد ناو ژیٚے اِنسان کیاہ
رِنٛدٕ پیٚنٛز زندگی کیازِ تھاوُتھ در عذاب
یِی چھُ ونان انقلاب اُتھی چھِ ونان انقلاب

ترجمہ:

اگر نام تیرا انسان ہے پھر ہندو اور مسلمان کیا؟
اگر ہندو اور مسلمان ہے تو پھر انسان کیا؟
من موجی! تم نے اپنی زندگی کو مصیبت میں کیوں ڈالا
یہی انقلاب کہتا ہے اور اسے ہی انقلاب کہتے ہیں

'داگام' گاؤں (تحصیل چاڈورہ، ضلع بڈگام کشمیر) کے آبائی باشندے سورگیہ شیوجی رینہ کے فرزند ڈاکٹر امرناتھ رینہ پرشانت آجکل جلاوطنی کی

تکلیفیں جھیلتے ہوئے جموں میں اپنے وجود کے دفاع کیلئے جدوجہد کر رہے ہیں۔ 1989-90ء تک انکا خاندان واگام کشمیری (واگم) میں رہ رہا تھا اور آج بھی انکا رہایشی مکان لُٹا پِٹا ٹوٹی پھوٹی حالت میں اپنے گھر کے مالک کو تلاش رہا ہے۔ یہاں میں ایک بہت ہی اہم بات کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں کہ پرشانت جی کے محترم والد سورگیہ شیو جی رینہ آزاد کے شاگرد تھے۔ انھوں نے زوہامہ (تحصیل چاڈورہ) کے پرائمری سکول میں مرحوم عبدالاحد آزاد سے کئی سال تک درس لیا تھا۔ آزاد کا پشتینی گاؤں رانگر پرشانت جی کے آبائی گاؤں واگام سے قریب ڈیڑھ کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔ پنڈت شیو جی آزاد کے نہ صرف ایک قابل شاگرد ہی تھے بلکہ شاعر آزاد کی تخلیقی ذہانت سے متاثر انکے چاہنے والے ایک بیدار قاری بھی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ 1965ء میں ایم۔اے (ہندی) اول درجے میں پاس کرنے کے بعد پرشانت جی نے کشمیر یونیورسٹی کے پوسٹ گریجویٹ (ہندی) ڈِپارٹمینٹ میں عظیم شعرا ''عبدالاحد آزاد اور ڈاکٹر رام دھاری سنگھ دِنکر کی شاعری کا تقابلی مطالعہ'' عنوان کو لے کر تحقیق کا کام شروع کر دیا اور 1970ء میں یہ اہم کام پورا کرنے کے بعد آپکو پی ایچ۔ڈی کی ڈِگری سے نوازا گیا۔ ڈاکٹر پرشانت مرکزی سرکار کی وزارت داخلہ میں ایک عہدہ دار تائنات ہوئے اور انکے اندر کا تخلیقی کلاکار اور محقق اچانک ہی بے عمل ہو گیا۔ ڈاکٹر پرشانت کشمیری اور ہندی زبان میں شاعری کرتے ہیں اور انکی تصنیفات وافر مقدار میں شائع بھی ہوئی ہیں۔

اس دوران کشمیری زبان اور ادب کا لگاتار فروغ ہوتا رہا۔ یونیورسٹی سطح پر کشمیر یونیورسٹی میں پوسٹ گریجویٹ کشمیری ڈپارٹمینٹ بھی قائم ہوا۔ تیز رفتار سے کتابوں کی اشاعت بھی ہوتی رہی۔ آزاد کی شخصیت اور تخلیقات پر بھی تصنیفات کی اشاعت ہوئی ہے۔ بہت سے بے بنیاد تصورات بھی رونما ہوئے ہیں۔ ملازمت سے سکبدوشی کے بعد پرشانت کا کلاکار دبارہ عمل میں آگیا اور انھیں لگا کہ آزاد کے بارے میں حقیقتوں پر پھر سے غور کرنے کا یہی موزوں وقت ہے۔ پرشانت بنیادی طور پر ہندی اور کشمیری کے قلمکار ہیں۔ آزاد نے انکے والد محترم کو اُردو، فارسی کا درس دیا اور پنڈت شیو جی نے وہی جانکاری اپنے قابل اور ذہین فرزند تک پہنچائی۔ پرشانت نے اُردو زبان کا کہیں پر بھی باقائدہ مطالعہ نہیں کیا ہے۔ بلاواسطہ طور پر انکی اُردو زبان کی علمیت حقیقت میں آزاد کی ہی دین ہے۔ ہندی اور کشمیری زبانوں کا جانکار اُردو زبان میں اپنی کتاب لکھ رہا ہے، یہ ہم سب کیلئے ایک حیرت کن حصول یابی ہے۔ بلاشک ڈاکٹر پرشانت تعریف کے مستحق ہیں۔ ممکن ہے انکا اظہار کہیں نا مکمل ہو یا اسمیں کسی قسم کی کمی ہو۔ ایک ایسا شخص جس نے اُردو فارسی زبانوں کا کسی بھی تعلیمی ادارے میں مطالعہ نہ کیا ہو، صرف زبان کو شوقیہ پڑھا ہو اور اُسی زبان کو اظہار خیال کا ذریعہ بنا کر قاری برادری تک اپنا اظہار پہنچانے کی کوشش کر رہا ہو۔ یہ بلاشک ایک باعزم قلمکار کا ہی جتن ہو سکتا ہے۔

ڈاکٹر پرشانت سے جب میں نے اس بارے میں بات کی تو انکا کہنا تھا: ”میں آزاد کے تخلیقی کارناموں کو کشمیریوں تک ہی محدود نہیں رکھنا چاہتا

ہوں، بلکہ پورے ملک کے زیرک لوگوں و قلمکاروں اور انقلابیوں تک پہنچانا چاہتا ہوں اور اُردو زبان ہی اسکے لئے موزوں ذریعہ ہے۔ اگر میں ہندی میں لکھتا تو کشمیر کا قاری محروم رہتا اور اگر کشمیری میں لکھتا تو پورے ملک کے زیرک اور باہوش جانکار محروم رہتے۔"

1965ء سے 1970ء تک لگاتار تحقیقی کام میں مصروف ڈاکٹر پرشانت مرحوم آزاد کے برادر اکبر خواجہ غلام علی ڈار و آزاد کی بیوہ مسمات مختی اور غلام حسن ڈار المعروف جاوید آزاد سے انکے آبائی گاؤں رانگر میں ملے۔ ان کے ساتھ گھنٹوں تک طویل بات چیت کی۔ سوالوں کے جواب ڈھونڈے، شکوک کے حل تلاشے اور یہ تلاش برسوں تک جاری رہی۔ آزاد کے قریبی دوست غلام محمد ڈار زوہامہ سے بھی رابطہ قائم کر کے وافر جانکاری اکٹھی کی اور پھر اپنے نتیجوں کو مُسلم اور حقیقت سے ہمکنار کرنے کیلئے وہ مشہور ادیبوں، محققوں سے ملتے رہے۔ ان میں ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو، شری پریم ناتھ بزاز، ڈاکٹر اومکارناتھ کول ٹھسو، پروفیسر پرتھوی ناتھ پُشپ، پروفیسر رحمان راہی، پروفیسر شمس الدین احمد، شری مکھن لعل محو، آزاد کے گاؤں رانگر کے باشندے شری بشمبر ناتھ کول، ماہنور گاؤں کے پدم شری موتی لعل ساقی، آزاد کے شاگرد شری کرشن لعل کول المساس اور پنڈت راجو دھر کے نام بھی قابلِ ذکر ہیں۔

ڈاکٹر پرشانت نے بالکل احتیاط کے ساتھ آزاد کی شخصیت اور تصنیفات پر ثبوتوں کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ کتاب 9 حصوں میں بانٹی گئی

ہے اور ہر حصہ مخصوص عنوان اور ثانوی عنوانات (سب ہیڈنگس) میں کئی مُدوں کو پیش کرتے ہوئے بڑی قابلیت اور ذہانت کے ساتھ موضوع اور مسلئے کو اپنے آخری منزل تک پہنچایا گیا ہے۔

کتاب میں 8 تصویریں دی گئی ہیں جنکی اپنی تاریخی اہمیت ہے۔ آج سے لگ بھگ 40-45 سال پہلے آزاد کے آبائی گاؤں رانگر میں لی گئی تصویریں بلاشک بیش قیمتی ہیں۔

ڈاکٹر پرشانت نے جو کچھ لکھا ہے یا جو نتیجے پیش کئے ہیں ان سے اتفاق کرنا ضروری نہیں ہے۔ مخالف رائے ہی اصلیت میں آگے مطالعہ اور تحقیق کیلئے راغب کرتی ہے۔ ہر شخص کو قاری برادری کے سامنے اپنے خیالات ظاہر کرنے کا پورا حق ہے۔ کئی باتیں جو آزاد کے بارے میں آجکل تحریری طور پر موجود ہیں..... ڈاکٹر پرشانت ان میں سے کئی باتوں کے آگے سوالیہ نشان لگا دیتے ہیں؟ اسکے بعد ثبوتوں کے ساتھ اُنکے مطابق جو بات صحیح ہے اُسکو پیش کرتے ہیں۔ ممکن ہے کہ عالم یا عنصر پرکھ سماج میں کئی لوگ انکے بیان سے اتفاق نہ رکھتے ہوں، تو انھیں اپنی بات قاری برادری کے سامنے ثبوتوں کے ساتھ پیش کرنے کا موقعہ مل جاتا ہے اور انھیں یہ موقعہ کھونا نہیں چاہیے۔

مجھے یقین ہے کہ ڈاکٹر پرشانت کی اس کتاب کا تعلیم یافتہ سماج میں خیر مقدم ہوگا اور یہ کتاب آزاد اور اسکے دور اور ادبی رجحان کو جاننے سمجھنے میں مددگار ثابت ہوگی۔

میں سمجھتا ہوں کہ ہندی زبان اور ادب کا تجربہ کار محقق اُردو زبان میں کتاب لکھ کر نہ صرف قاری برادری کو حیران کر رہا ہے بلکہ لوگوں کے ذہن کے مختلف حسین عکسوں کو جاننے، سمجھنے کی ترغیب بھی دیتا ہے۔

ڈاکٹر پرشانت واقعی میں مبارک باد کے حقدار ہیں اور آزاد کا یہ شعر میرے کانوں میں گونج اُٹھتا ہے:

بہٕ نوکر چھُس نہٕ کانٛہہ افسر لیکھم نا قابلن اندر
یِوان چھُم زِندگی ہُند سوز سفرن منزلن اندر

ترجمہ:

نہیں میں کوئی تنخواہی نوکر ہوں کہ افسر نام لکھے میرا قابلوں میں
مجھے زندگی کا سوز ملتا ہے سفروں اور منزلوں میں

بھوشن لعل کول

21 / جون 2008ء

☆☆☆

حصہ اول

آزاد کی زندگی اور تعارُف :

بھارت کی شمال سرحدی ریاست جموں و کشمیر اپنے قدرتی حُسن و جمال کیلئے دُنیا بھر میں مشہور ہے اور اس کے بارے میں تمام مُحقق، تواریخ دان اور ذی ہوش اِنسان ایک رائے ہیں۔ کشمیر کی وادی جہاں اونچے برفانی پہاڑوں سے ڈھکی ہے وہیں قسم قسم کے سبزہ زاروں اور مہکتے پھولوں کی خوشبو دِلوں کو تروتازہ کر دیتی ہے۔ یہاں کے میٹھے پانی کے چشمے اور آبشار و پھلوں سے لدے درخت و لہلہاتے کھیت اور صحت افزا مُقامات غرضیکہ قدرت نے بہت ساری نعمتیں اس وادی کو عطا فرمائی ہیں جِنکا کہیں ایک جگہ مِلنا بہت ہی مُشکل ہے۔

قدرت کی اِس بے اِنتہا خوبصورتی کی وجہ سے ہی یہ کہا جاتا ہے کہ سنسکرت کے مشہور شاعر کالی داس شاید وادی کشمیر کے ہی رہنے والے تھے۔ بہر حال یہ سوال ابھی موضوعِ بحث ہی ہے۔ پھر بھی سنسکرت کے بہت بڑے عالموں اور شعرا کی لمبی فہرست ہے جنھوں نے کشمیر کی وادی میں جنم لیا ہے۔[1] لل دید، شیخ نورالدینؒ، روپ بھوانی، ارنہِ مال،، شمس فقیر، رسول میر وغیرہ شعرا بھی اسی سر زمین کی پیدائش ہیں، جنہوں نے اپنی بے پناہ شاعرانہ صلاحیتوں سے اپنے مادر، وطن کی خدمت کر کے اپنے آپکو لوگوں کے دِلوں میں صدیوں کیلئے امر بنا دیا ہے۔

ا۔ ''کاوِبھومی کشمیر'' مُصنِف شری رامدھاری سنگھ دِنکر ''دیش ودیش'' صفہ نمبر 32/31۔

(1) پیدائش، تعلیم و مُلازمت:

کشمیری ادب کے اِسی گُلستان میں ایک عظیم پُر جمال اور ہر دِل عزیز شاعر عبدالاحد آزاد کا جنم ہُوا۔ آزاد کا جنم سرینگر کے جنوب مغرب میں قریب 20 کلو میٹر دُور چاڈورہ تحصیل کے ایک گاؤں ''رانگر''[1] میں ہُوا ہے۔ آزاد کی پیدائش کے بارے میں ادیبوں اور دانشوروں میں کافی اختلاف رائے ہے۔ ڈاکٹر حامدی کشمیری کے مُطابق آزاد کا جنم 1908ء میں ہُوا ہے۔[2] جبکہ آزاد کے ایک دوست مرحوم پریم ناتھ بزاز کا ماننا ہے کہ آزاد کا جنم 1902ء میں ہوا ہے۔[3] شری پریم ناتھ کول بامزئی نے اپنی کِتاب 'کشمیر کی تاریخ' میں آزاد کا جنم 1903ء کہا ہے۔[4] اسکے علاوہ آزاد کے ایک خاص اور قریبی دوست شری پدم ناتھ گنجو نے بھی آزاد کے جنم کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ 1903ء میں پیدا ہوئے ہیں۔[5] ایک کتابچہ یومِ آزاد کے سِلسِلے میں آزاد

ا۔ کشمیر کی قدیم تاریخ راج ترنگنی کے مُطابق رانگر گاؤں کا قدیمی نام ''رانی گرڑھ'' تھا جسکی اپنے دور میں عظمت اور امتیازی شان تھی۔ یہی نام اب وقت کے ساتھ ساتھ بگڑتے بگڑتے رانگر ہو گیا ہے۔ ''آزاد کی مختصر سوانح حیات و شاعری''، مصنفین موتی لال ساقی اور عبدالغنی میر آزاد میموریل کمیٹی رانگر کشمیر اشاعت 1964ء، صفہ 6۔

۲۔ ''آزاد کی عظمت''، حامدی کشمیری تعمیر آزاد خصوصی نمبر، صفہ 53۔

3. "He was born at the village Ranger in the Badgam Tehsil in 1902." The history of struggle for freedom in Kashmiri by P.N. Bazaz, Ed.2003, P.295.

4. History of Kashmir, P.N. Koul Bamzai, Ed. 1973, P.839.

۵۔ کُلیات آزاد۔ پدم ناتھ گنجو۔ کلچرل اکادمی اشاعت اول، صفہ 35۔

میموریل کمیٹی رانگر کی طرف سے شائع ہوا ہے جسکے مصنفین مرحوم موتی لال ساقی اور عبدالغنی میر ہیں۔ اُنکے مطابق آزاد کی پیدائش 1904ء میں ہوئی ہے۔[1] ان سب اختلافات اور قیاس آرائیوں کا خاتمہ کرنے کی غرض سے میں 11 ماہ مئی 1967ء کو خود آزاد کے گاؤں رانگر چلا گیا اور وہاں اُنکے گھر کے باقی افراد خانہ کے علاو اُنکے بڑے بھائی خواجہ غلام علی ڈار صاحب[2] سے مُلاقات کی اور آزاد کی پیدائش اور اُنکی شخصیت کے بارے میں اُن سے طویل بات چیت کی۔ اُنکے مطابق آزاد کا جنم بکرمی سموت 1960ء بمتابق 1903ء کے چیت مہینے میں ہوا ہے۔ لیکن تاریخ پیدائش کے بارے میں وہ بھی کچھ نہ کہہ سکے۔ میرے اصرار کرنے پر کہ تاریخ پیدائش کے بارے میں وہ کچھ بتا دیں تو اس پر اُن کا بیان یوں تھا: ''یومِ ولادت کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا ہوں اور اگر کوئی تاریخ بتا دی تو وہ غلط بیانی ہوگی اور گناہ کے مترادف ہوگا۔ اسلئے میں ایسا کچھ نہیں کہہ سکتا ہوں، لیکن یہ سچائی ہے کہ وہ 1960ب کے چیت مہینے میں ہی پیدا ہوئے تھے''۔[3] اسطرح سے آزاد کی پیدائش کے بارے میں سبھی اختلافات اور قیاس آرائیاں ختم ہو جاتی ہیں اور آگے اس موضوع پر بحث کی کوئی بھی گنجائش نہیں ہے۔

۱۔ آزاد کی مختصر سوانح حیات و شاعری، موتی لال ساقی، عبدالغنی میر صفحہ 6۔

۲۔ غلام علی، ڈار صاحب کا انتقال میری انکے ساتھ ملاقات کے قریب 9 ماہ بعد ہوا ہے۔

۳۔ 11 ماہ مئی 1967ء کے دن غلام علی ڈار صاحب کے ساتھ دوران انٹرویو دریافت۔

آزاد کے والد خواجہ سُلطان ڈار ایک صوفی فقیر تھے۔ مذہبی معاملوں میں کامل ہونے کے ساتھ ساتھ انھیں عربی اور فارسی کا بھی اچھا علم تھا۔ انہیں سُلطان درویش کے نام سے بھی جانا جاتا تھا اور وہ خود بھی ادب نواز تھے[۱]۔ آزاد کی والدہ بھی ایک اوسط کسان گھرانے سے تھی لیکن گاؤں کی اپنی ساتھی اور ہم عُمر عورتوں کے مقابلے کافی عقلمند اور سمجھدار تھی۔ جس خاندان میں آزاد کی پیدائش ہوئی تھی وہ غربت اور لاچاری کے بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ آزاد کو کوئی شان و شوکت اور عیش و عشرت کی زندگی میسر نہیں ہوئی۔ گھر میں اگرچہ گھُپ اندھیرا بھی نہ تھا لیکن تاریکی ضرور تھی۔ آزاد بہت ہی ضعیف الصحت تھے اور آئے دن علیل رہتے تھے۔ جسکے لئے اُنکے ماں باپ بہت پریشان رہتے تھے۔ اُنکے بڑے بھائی صاحب غلام علی ڈار کے مطابق آزاد قریب 10 سال کی عمر تک اپنے ہاتھ سے کھانا نہیں کھاتے تھے بلکہ یہ کام اُنکی والدہ ہی کرتی تھیں[۲]۔

آزاد بچپن سے ہی تعلیم کے شایق تھے اور شروع میں اپنے ہی گھر میں اپنے والد اور بڑے بھائی سے تعلیم حاصل کی جوکہ عربی اور فارسی تک محدود رہی۔ لیکن اسکے بعد آزاد نے اپنے بڑے بھائی کے مکتب میں عربی و فارسی کے علاوہ

1. His father Sultan Darvesh was known for his love of literature. History of struggle for freedom in Kashmir by P.N.Bazaz, Ed.2003, P.295.

۲۔ 11 ماہ مئی 1967ء کی غلام علی ڈار صاحب کے گھر پر اُن سے براہِ راست ملاقات کے دوران معلوم ہوا۔

اُردو میں بھی درس لیا۔ اس بات کی تصدیق پروفیسر پرتھوی ناتھ پُشپ نے 'آزاد' نام کے کتابچے کے صفحہ 5 پر کی ہے جسے 1950ء میں کلچرل اکادمی جموں و کشمیر نے شائع کیا ہے۔ شری پریم ناتھ بزاز نے بھی اپنی کتاب History of struggle for freedom in Kashmir کے صفحہ نمبر 296 پر اس بات کا ذِکر کیا ہے کہ آزاد نے عربی اور فارسی کی تعلیم اپنے ہی گھر پر حاصل کی۔ اُردو انھوں نے بعد میں اپنی کوششوں سے ہی سیکھ لی۔ شری کرشن لال کول الماسؔ جنھیں آزاد کا شاگرد ہونے کا شرف حاصل ہے اور آزاد کے گاؤں رانگر کے ہی باشندے ہیں، کا کہنا ہے کہ: ''آزاد کے والد محترم سُلطان ڈار ایک پیر درویش تھے اور لوگ اُنکے پاس اپنی تکلیفیں اور پریشانیوں کا اظہار کرنے آتے تھے۔ تو وہ اُن پریشانیوں کے رفع کیلئے تعویز وغیرہ بنا کر دیتے تھے۔ سُلطان ڈار آزاد کو بھی اپنے اسی پیشے میں لگانا چاہتے تھے مگر آزاد کو ان چیزوں پر کوئی بھروسہ نہیں تھا۔ انہوں نے اپنے والد کے اُس کام میں کوئی دِلچسپی نہیں دِکھائی، بلکہ یہ کہا کہ وہ اُستاد بنکر بچوں کو پڑھانا اور انہیں علم کی صحیح روشنی سے روشناس کرنا چاہتے ہیں''[1]۔

آزاد نے خود اپنی تعلیم کے بارے میں لکھا ہے کہ اُنکے والد بزرگوار صوفی درویش تھے اور اپنی درویشانہ روش کی وجہ سے انہیں قران شریف اور دو تین فارسی کی کتابوں کے علاوہ اور کچھ نہ پڑھا سکے۔ وہ انہیں بھی صوفی بنانا چاہتے تھے مگر ایسا ہونا ممکن نہیں تھا۔ بڑے بھائی صاحب نے ایک پرائیویٹ

ا۔ شری کرشن کول الماسؔ سے اُنکے گھر پر سیدھی ملاقات کے دوران معلوم ہوا۔

مکتب کھولا اور اُسی میں اُردو فارسی کی تعلیم پائی۔ چونکہ تعلیم کے شوقین تھے اسلئے ادبی شغل کے ساتھ ساتھ لکھنے میں بھی مہارت حاصل کی[1]۔ 16 سال کی عُمر میں نزدیک کے گاؤں زوہامہ کے سرکاری پرائمری سکول میں ایک عربی مدرس کی نوکری ملی اور نوکری کے دوران ہی مُنشی کا امتحان پاس کیا۔ اُسکے بعد مُنشی فاضل کی تیاری بھی کی لیکن امتحان کے عین وقت علیل ہونے کی وجہ سے امتحان میں شامل نہ ہو سکے۔

جہاں تک آزاد کے دسویں جماعت کا امتحان پاس کرنے کی بات ہے۔ اس سِلسلے میں ڈاکٹر حامدی کشمیری کا کہنا ہے کہ آزاد نے امتیاز کے ساتھ دسویں کا امتحان پاس کیا تھا[2]۔ لیکن جب میں نے آزاد کے بڑے بھائی غلام علی ڈار صاحب سے اس بارے میں بات کی تو انھوں نے یوں کہا: "ابتدائی تعلیم انھوں نے حاصل کی لیکن دسویں کا امتحان کبھی پاس نہیں کیا۔ اپنے بُزرگوں سے فارسی کی تعلیم پائی اور اپنی کوششوں سے تھوڑی بہت انگریزی بھی سیکھ لی[3]۔ اس سِلسلے میں میں خود آزاد کے کئی قریبی دوستوں اور ادیبوں و دانشوروں سے مِلا جن میں شری پدم ناتھ گنجو، خواجہ غلام محمد ڈار زوہامہ، شری پریم ناتھ بزاز، ڈاکٹر اومکار ناتھ کول ٹھُسو، شری مکھن لال لعل محو، پروفیسر پرتھوی ناتھ پُشپ، پروفیسر رحمان راہی اور پروفیسر شمس الدین احمد کے نام

۱۔ 'عبدالاحد آزاد' ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو تعمیر آزاد خصوصی نمبر لالہ رُخ اشاعت 1958ء صفہ نمبر 8۔

۲۔ آزاد کی عظمت شری حامدی کشمیری تعمیر آزاد خصوصی نمبر، صفہ 53، اشاعہ 1958ء، لالہ زیع۔

۳۔ 11 ماہ مئی 1967ء کے دن مرحوم غلام علی ڈار کے ساتھ سیدھی مُلاقات کے دوران معلوم ہوا۔

قابل ذِکر ہیں۔ ان میں سے کسی نے بھی آزاد کے دسویں پاس کرنے کی بات کی تائید نہیں کی۔ اس طرح حامدی صاحب کی اس بات کی تصدیق نہیں کی جا سکتی ہے کہ آزاد نے امتیاز کے ساتھ دسویں کا امتحان پاس کیا تھا۔ ایسا کہنا ایک مبالغہ ہی نہیں بلکہ آنے والے محققوں اور ادب شناسوں کے لئے باعث گمراہی بھی ہو گا۔

آزاد زندگی بھر مدرس کا ہی کام کرتے رہے۔ شروع کے دنوں میں انھوں نے مدرس ہونے کے ساتھ ساتھ کچھ دنوں کے لئے دُکانداری بھی کی تھی[1]۔ لیکن اس کام میں دل نہ لگنے کی وجہ سے جلد ہی اس کام کو چھوڑ دیا اور پڑھانے کے کام کے ساتھ ساتھ خود بھی مطالعہ میں دلچسپی دکھانے لگے۔ بچوں کو بڑے شوق سے پڑھاتے تھے اور انھیں جسمانی سزا دینے سے ہمیشہ پرہیز کرتے رہے۔ جبکہ اُن دنوں بچوں کو سکولوں میں جسمانی سزا دینا ایک عام بات تھی۔ اس بات کی تصدیق میرے والد محترم پنڈت شیوجی رینہ نے بھی کی ہے جو کہ 1926ء اور 1930ء کے دوران آزاد کے ہی سکول میں زیرِ تعلیم رہے ہیں اور اسطرح سے آزاد کی شاگردی کا انھیں شرف حاصل تھا۔ انکے مطابق آزاد بچوں کو جسمانی سزا نہیں دیتے تھے۔ بلکہ بڑی شفقت اور ہمدردی سے درس دیتے تھے۔ گھر سے نبات اور شیرینی کے دانے لا کر بچوں کو سکول میں دیتے تھے تا کہ پڑھائی میں اِنکی دلچسپی بڑھے۔ آزاد کو اس بات کا بہت

ا۔ آزاد کی مختصر سوانح حیات و شاعری۔ موتی لال ساقی و عبدالغنی میر آزاد میمو، یل کمیٹی رانگر شاعت 1964ء۔ صفہ نمبر 8۔

ملال اور روحانی بے چینی تھی کہ سکولوں میں بچوں کو وہ تربیت نہیں دی جا رہی تھی جس سے کہ وہ صحیح معنوں میں اِنسان بن سکتے اور اِنسانیت کے علمبردار کہلاتے۔ اس بے چینی کا اِظہار آزاد نے یوں کیا ہے:

گاٹہٕ جارا آزموؤم ژاٹہٕ ہالن پھیری پھیری

وائے تتہِ اِنسان بنٕنگ امتحاناہ آسہِ ہے[1]

آزاد سکول میں بچوں کو اپنی مقدور کے مطابق معاشی امداد بھی کرتے تھے۔ اس بات کا ذکر خود آزاد کی شریک حیات نے ان الفاظ میں کیا: ''سُر سیار میں احد شیخ انکا ایک عزیز شاگرد تھا جو ہمارے گھر بھی آیا کرتا تھا۔ احد شیخ بہت ہی غریب لڑکا تھا اور آزاد صاحب کبھی کبھی اسکو کپڑا، پیسہ بھی دِیا کرتے تھے[2]۔ بچوں کو 'نے' کی قلمیں بنا کر مُفت دیتے تھے۔ اُن کی جیب میں ہمیشہ 'نے' کی قلمیں اور انھیں بنانے کے لئے چاقو رہتا تھا[3]۔ انکے ہاتھ سے بنی قلم آج بھی انکے علاقے میں مشہور ہے۔ انکی خوشنویسی کا ذکر مرحوم موتی لال ساقی اسطرح کرتے ہیں: ''انکی خوشنویسی کا یہ عالم تھا کہ آج اُنکے جیسا خوبصورت خط شاید ہی کہیں نظر آتا ہے۔ اُنکے ہاتھ کی بنی ہوئی قلم آج بھی علاقے میں

۱۔ کُلیات آزاد۔ شری پدم ناتھ گنجو۔ اشاعت دوم کلچرل اکادمی صفہ 242۔

۲۔ 21 ماہ نومبر 1967ء کے دن رانگر گاؤں میں آزاد کے گھر پر انکی بیوی مسمات موختی کے ساتھ سیدھی بات چیت کے دوران جانکاری سے۔

۳۔ آزاد ایک دوست کی نظر میں۔ شری دیناناتھ پارِمو۔ تعمیر آزاد نمبر لالہ رُخ پبلکیشن اشاعت 1958ء صفہ نمبر 67۔

ایک یادگاری حیثیت رکھتی ہے۱۔" شری کرشن لال کول الماسؔ کے مطابق :

"آزادؔ بچوں کے کہنے پر سکول کی دیواروں کو سجھانے کیلئے انھیں چارٹ بھی بنا کر دیتے تھے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اساتذہ بھی ان سے اصرار کرتے تھے اور اُن سے چارٹ بنوا کر اپنے اپنے سکولوں میں آویزان رکھتے تھے۔ اسکی وجہ آزادؔ کی خوشنویسی تھی۲۔"

(2) شاعری کا آغاز:

آزادؔ نے شاعری کا آغاز بچپن میں ہی کیا۔ کہا جا سکتا ہے کہ وہ پیدائشی شاعر تھے۔ ابتدائی تعلیم کے دوران ہی انھوں نے شعر کہنا شروع کیا تھا۔ اس ضمن میں وہ خود کہتے ہیں : "میرے والد بزرگوار (خدا انکو مغفرت کرے) شعر وسُخن کے شیدائی تھے۔ خاصکر کشمیری گیت اور مثنویاں پڑھنے اور سُننے کا انھیں بہت شوق تھا۔ بارہا مجھ سے پڑھواتے تھے جِسکا میری طبیعت پر یہ اثر ہوا کہ میں نے پندرہ سولہ سال کی عمر میں کشمیری میں شعر کہنا شروع کیا۔ اول اول غزل لکھی، بعد میں دیگر اصناف سخن کی طرف رجوع کیا۳۔"

آزادؔ کے قریبی دوست غلام محمد ڈار کے مطابق آزادؔ بچپن سے ہی شاعر تھے۔ شری جیا لال کول کے الفاظ میں : "آزادؔ نے اپنی شاعری کی شروعات مہجورؔ کی

۱۔ آزادؔ مختصر سوانح حیات۔ موتی لال ساقیؔ وعبدالغنی میر۔ آزاد میموریل کمیٹی رانگر صفہ 14۔

۲۔ شری کرشن لعل الماسؔ کے ساتھ بات چیت کے دوران جانکاری سے۔

۳۔ کلیات آزادؔ۔ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ کلچرل اکادمی اشاعت، جلد اول، صفہ 37۔

روایت سے کی اور ایک آرائشی شاعر کی طرح عشق و عاشقی کی غزلیں لکھتے رہے[۱]۔" شری پریم ناتھ بزاز کے مطابق آزاد کی شروعاتی نظمیں پیار و محبت سے بھر پور تھیں اور ان پر اُردو و فارسی کا اثر پوری طرح نمودار تھا[۲]۔ خواجہ محمد یوسف ٹینگ کے مطابق آزاد نے اپنی شاعری کا آغاز اسی پُرانی ڈگر پر چل کر کیا جہاں عاشق اور معشوق کا روٹھنا منانا اور گِلہ شکوہ ہی دکھائی دیتا ہے۔ اُنکی شروعاتی تخلیقوں کا فکروفن اِسی دائرے میں نمایاں ہے[۳]۔ اس ضمن میں ابتدائی شاعری کے کچھ نمونے ذیل میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

ساقی و صُراحی و مَے و جام
غو ضایہِ شراب خانہ کوّت گوم

☆

اے بادِ صبا شباہ گرشھکھنا
احدِ نَی وَنہس فسانہٕ کوّت گوم[۴]

☆

۱۔ آزاد چند تاثرات۔ شری جیا لال کول۔ تعمیر آزاد خصوصی نمبر 1958ء صفہ 29۔

2: In the begining he composed love lyrics and devotional songs. In these poems the influence of urdu and persian poets is clear." History of struggle for freedom in Kashmir. P.N. Bazaz. Edition 2003, Page No. 297.

۳۔ آزاد کا ذہنی ارتقا۔ شری محمد یوسف ٹینگ۔ تعمیر آزاد خصوصی نمبر لالہ رُخ پبلکیشن 1958ء صفہ 21۔

۴۔ کُلیات آزاد۔ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ کلچرل اکادمی اشاعت اول۔ صفہ 50۔

کس ونہٕ ژُلم بالہٕ یار ہےٚ ویٚسی یے
تھوٚنم للہٕ وُن نار ہے ویٚسی یے[1]

☆

اوپر کی مثالوں میں دیکھا جا سکتا ہے کہ آزاد شروعاتی دور میں اپنا تخلُص احد ہی لکھتے تھے۔ ابھی وہ آزاد نہیں ہوئے تھے۔ آزاد خود کہتے ہیں کہ شروع میں وہ شعروں میں اپنا تخلص احدؔ ہی لکھتے تھے اور پھر تھوڑے ہی عرصے کے بعد وہ احدؔ سے جانباز ہو گئے[2]۔ شری پریم ناتھ بزاز نے بھی اس بارے میں یوں لکھا ہے: His first takhalus was 'Ahad' which he soon changed into 'Janbaz'3 احد تخلص کو جانبازؔ میں بدلنے کی شاید یہ بھی وجہ ہوسکتی ہے کہ احد میں انھیں وہ دِلچسپی یا کشش نہ دِکھی ہو جو جانباز میں انھیں دکھائی دی ہو۔ ہمیشہ ہی نئ چیزوں کی کھوج میں رہنا اُنکی فطرت تھی۔ اسی لئے انھوں نے اپنے تخلص میں بھی نیا بدلاو لایا۔

(3) از دواجی زندگی :

سترہ سال کی عمر میں آزاد نے زوہامہ گاؤں کے ایک اوسط درجے کی ایک کسان لڑکی سے شادی کی جسکا نام عزیزی تھا۔ عزیزی آزاد کو اپنی طرف

۱۔ کُلیات آزاد۔ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ کلچرل اکادی اشاعت اول۔ صفہ 50۔
۲۔ کُلیات آزاد۔ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ کلچرل اکادمی اشاعت اول۔ صفہ 37۔
3. History of struggle for freedom in Kashmir. P.N. Bazaz. Edition 2003, Page No. 296.

ں میں مسماۃ موختی اپنے شوہر مرحوم آزاد کے مزار پر

تاریخ ۲۱ نومبر ۱۹۶۷ء

مایل نہ کرسکی کیونکہ وہ بہت زیادہ بھولی اور سادہ مزاج تھی۔ اسلئے وہ آزاد کی شریک حیات نہ بن سکی۔ آزاد کے برادر اکبر مرحوم غلام علی ڈار کے الفاظ میں:
''اُنکی پہلی بیوی عزیزی تھی جو بلکل سادہ فطرت کی تھی اور یہی بات اُسکے لئے باعث طلاق ہوئی۔ وہ نکاح کے بعد صرف سات دن سُسرال میں رہی اور اُسکے بعد پھر کبھی آزاد کے گھر نہیں آئی۱۔''

اسکے بعد آزاد کی دوسری شادی سُرسیار نام کے گاؤں میں ایک کسان لڑکی جو آزاد کے برادر اکبر غلام علی ڈار کی سالی اور ابراہم ڈار کی دختر تھی کے ساتھ کر دی گئی۲۔ آزاد کی دوسری بیوی مسمات موختی کے مطابق: ''میری عمر شادی کے وقت صرف آٹھ برس کی تھی۔ آزاد صاحب اُس وقت جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ چکے تھے۔ اُنکی پہلی شادی ہو چکی تھی اور اُسے طلاق بھی ہو چکا تھا۔ نکاح کی تاریخ کے بارے میں بلکل یاداشت نہیں ہے۔ اندازے سے یہ کوئی دسمبر کا مہینہ تھا جو کشمیری میں پوہ کے لگ بگ ہوتا ہے۔ آزاد صاحب کی عُمر نکاح کے وقت میری نند کے مطابق سترہ اٹھارہ برس کی تھی۳۔'' مُسمات موختی کے مطابق 1967ء میں وہ 55 برس کی تھی اور شادی کے وقت وہ صرف آٹھ سال کی تھی۔ اس حقیقت کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ آزاد کی

۱۔ 11 ماہ مئی 1967ء کے دن غلام علی ڈار کے ساتھ اُنکے گھر پر سیدھی ملاقات۔

۲۔ شری کرشن لال کول الماس کے ساتھ انٹرویو کے دوران جانکاری سے معلوم ہوا۔

۳۔ 21 ماہ نومبر 1967ء کے دن مسمات موختی کے ساتھ سیدھی بات چیت کے دوران جانکاری میں معلوم ہوا۔

دوسری شادی 1920ء میں ہوئی تھی۔ آزاد کی شریکِ حیات صحت کے لحاظ سے کمزور تھی اور آزاد صاحب کی مایوسی اور اُداسی کا ایک بڑا سبب بنی تھی۔ وہ ہمیشہ ہی اُسکے علاج معالجہ کیلئے ڈاکٹروں کی ہی تلاش میں بھٹکتے رہتے تھے۔[1] چونکہ آزاد خود بھی صحت کے معاملے میں ڈھیلے رہتے تھے اسلئے اپنی گھریلو ذمہ داریوں کو نبھانے میں قاصر تھے۔ خود آزاد کی بیوی کے الفاظ میں: ''گھریلو ذمہ داریوں سے دور رہتے تھے۔ یہ ذمہ واریاں اُنکے بڑے بھائی صاحب خواجہ غلام علی ڈار ہی نبھاتے تھے۔[2]

آزاد اپنی ازدواجی زندگی کے ساتھ ساتھ عشق کی کسی زنجیر میں جکڑے رہے ہیں۔ اُنکے ایک قریبی دوست خواجہ غلام محمد ڈار کے مطابق زوہامہ گاؤں میں جہاں آزاد مدرس کے طور پر کام کرتے تھے، کی ایک ہندو لڑکی سے انھیں عشق ہو گیا۔ لیکن یہ عشق ہر لحاظ سے بلکل پاک تھا۔ مگر آزاد کے مخالفوں نے اِسے پسند نہیں کیا اور سیاسی اور دیگر کوششوں کے بعد اُنکی زوہامہ سے ترال گاؤں میں تبدیلی کرائی گئی۔ قدرت کا کرشمہ عجیب ہوتا ہے۔ آزاد صاحب ترال پہنچتے ہی بیمار ہوئے اور اِدھر زوہامہ میں اُنکی معشوقہ بیمار ہو کر دھیرے دھیرے تپ دِق کا شکار ہو گئی اور حالات بگڑتے گئے۔ جب آزاد صحت یاب ہو کر اپنے گاؤں آئے تو اپنے دوست کے کہنے پر وہ اپنی علیل معشوقہ کو دیکھنے اُسکے گھر آئے۔ آزاد کو دیکھ کر اُسے بہت مسرت ہوئی

۱۔ 2 ماہ مارچ 1968ء کے دن شری پدم ناتھ گنجو سے براہ راست ملاقات کے دوران جانکاری سے۔

۲۔ مسمات موختی کے ساتھ 21 ماہ نومبر 1967ء کی ملاقات میں دریافت۔

اور اُسکے لئے چائے ناشتہ کا انتظام کروایا۔ جب آزاد چائے کی چُسکی لے رہے تھے تو معشوقہ نے اُسکی پیالی میں سے چائے پینے کی خواہش ظاہر کی۔ گھر والوں نے بھی بستر مرگ پر پڑی لڑکی کی اس خواہش کی منظوری دی اور آزاد کی پیالی میں سے دو چمچ چائے پی لی اور تیسری چمچ کے لئے مُنہہ کھولنے سے پہلے ہی اُسکی روح اُسکے بدن سے پرواز کر گئی۔[۱] آزاد کی یہ معشوقہ جس مکان میں رہتی تھی، ٹھیک اُسی کے سامنے بچوں کا سرکاری سکول تھا جہاں آزاد مدرس کا کام انجام دیتے تھے۔ اس بات کی جانکاری میں نے خود زوہامہ گاؤں میں جاکر وہاں کے کچھ بزرگوں سے مل کر حاصل کی۔ اپنی اس محبت کا اشارہ آزاد نے خود بھی اسطرح کیا ہے۔

گاہ روبرو گاہ ژھایہ ژھاین وُچھان آزاد
محرم دِلُک ہمسایہ چھس بزوٹھ کنے لو[۲]

آزاد کے اولادوں کے بارے میں انکی بیوی مسمات موختی نے یوں کہا: ''کُل چار بچے پیدا ہوئے۔ تین لڑکے اور ایک لڑکی۔ پہلا لڑکا جسکا نام گُلا تھا چار برس کی عمر میں لقمہ اَجل ہو گیا۔ دوسری لڑکی تین دن کے بعد مر گئی۔ تیسرا لڑکا جسکا نام عمہ تھا دو برس کی عمر میں چل بسا اور چوتھا لڑکا پیٹ میں ہی سات ماہ کا مرا ہوا پیدا ہوا۔[۳] آزاد کا پہلا بیٹا جو 1927ء میں پیدا ہوا

۱۔ 14 ماہ مئی 1967ء کے دن زوہامہ گاؤں میں خواجہ غلام محمد ڈار کے گھر پر اُن سے سیدھی ملاقات کے دوران دریافت ہوا۔

۲۔ کُلیات آزاد۔ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ کلچرل اکادمی اشاعت اول۔ صفہ 393۔

۳۔ 21 ماہ نومبر 1967ء کے دن رانگر گاؤں میں زوجہ آزاد سے ملاقات کے دوران جانکاری سے۔

تھا چار سال کی عمر پا کر 1931ء میں چل بسا۔ اس سانحہ سے آزاد کے دل و دماغ کو بہت بھاری صدمہ پہنچا اور اُنکی زندگی میں ایک نیا اور انقلابی بدلاو آگیا۔ اُنکے فلسفہ حیات کی ہیت ہی بدل گئی۔ اس بات کا تذکرہ شری پریم ناتھ بزاز نے بھی اپنی کتاب History of struggle for freedom in Kashmir میں کیا ہے۔ بیٹے کی بے وقت موت کے غم میں ڈوبے ہوئے آزاد نے اندر کے غُبار کو یوں زبان دی ہے:

لولہٕ باغُک بولہٕ وُن بُلبُل ژوُلم وُڈالیئے
باشہِ کُری کُری گوم نیرِتھ آم نہٕ پھیرِتھ کأیلیئے

آزاد عمر بھر لاولد ہونے کے ذہنی عذاب میں مُبتلا رہے لیکن زندگی کے آخری ایام میں انھوں نے اپنے بھائی کے لڑکے غلام حسن ڈار کو جو اپنے کو جاوید آزاد بھی کہتا ہے کو گود لیکر اس خلا کو پورا کرنے کی کوشش کی۔

(4) حکمرانی ظلم:

بیٹے کی وفات کے بعد آزاد کو جو کہ ابھی آزاد نہیں بلکہ جانباز ہی تھے، ایک اور مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔ 1931ء کی تحریک آزادی نے سیاسی زندگی میں ایک انقلابی تبدیلی پیدا کی جسکا جانباز کے ذہن پر بھی اثر نمودار ہُوا اور نتیجہ 9 اگست 1931ء کو اُنھیں زوہامہ کے سرکاری سکول سے اُٹھا کر علاقہ ترال کے مِڈل سکول میں تبادلہ کر دیا گیا۔ حاکموں کو یہ شعبہ ہُوا کہ اس سیاسی بغاوت کے پیچھے جانباز اور اُنکے دوست غلام محمد ڈار کا بھی ہاتھ ہے۔

اسلئے پاداش کے طور پر انکا تبادلہ اپنے گاؤں سے دور ایک پہاڑی علاقے میں کر دِیا گیا جبکہ انکے دوست غلام محمد ڈار سے گاؤں کی نمبرداری بھی چھین لی گئی۱۔ خود آزاؔد نے بھی اس ظُلم کا ذِکر اسطرح کیا: ''1931ء میں یہ الزام لگایا گیا کہ میں سیاسی جھگڑوں میں عملی طور پر حصہ لے رہا ہوں۔ مجھے ترال کے مِڈل سکول میں تعینات کیا گیا۔ میرے گھر کی تلاشی لی گئی۔ وہاں کیا تھا۔ کچھ شاعری کے مسودے اور کئی ادبی کتابیں اور رِسالے۔ ان ہی ایام میں میرا چار برس کا اکلوتا بیٹا فوت ہوا۔ مصیبت میں خدا یاد آتا ہے۔ ترال میں روزانہ صبح کے چار بجے شاہ ہمدان صاحب کی خانقاہ فیض کی پناہ میں حاضر ہونا میرا معمول بن گیا۔ایک دن وہیں بیٹھے بیٹھے آزاؔد تخلص کرنے کا خیال آیا اور پھر مستقل طور پر یہی تخلص اختیار کیا۲۔''

اس بات کو آزاؔد نے ایک شعر میں یوں بیان کیا ہے :

ترالہٕ منزٕ جانباز بازٕ نوٲنے   ہالہٕ ہِندِی پاٹھی نیٚو واٲنیے
آزاؔد وۄن نَس شاہِ ہمدانی   ییہٕ ناچھم مہربٲنیے۳

۱۔ آزاؔد کی مختصر سوانح حیات۔ موتی لال ساقؔی و عبدالغنی میر۔ آزاؔد میموریل کمیٹی رانگر کی اشاعت 1964ء۔ صفحہ 12۔

۲۔ کُلیات آزاؔد۔ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ کلچرل اکادمی اشاعت اول۔ صفحہ 38۔

۳۔ آزاؔد کی مختصر سوانح حیات۔ موتی لال ساقؔی و عبدالغنی میر۔ آزاؔد میموریل کمیٹی رانگر کی اشاعت 1964ء۔ صفحہ 13۔

حکمران طبقے کی چنگل میں پھنس کر آزاد کو اور بھی کئی مشکلات سے دوچار ہونا پڑا۔ گھر سے دور جا کر اب انھیں گھر کی دیکھ بھال سے بھی محروم ہونا پڑا۔ گھر جانے کیلئے ایک دو یوم کی رُخصت لینا بھی نصیب نہیں ہوتا تھا۔ آزاد کو چاروں طرف گھپ اندھیرا دکھائی دیا۔ اپنے آپکو پنجرے میں قید ایک پرندے سے کم نہیں سمجھنے لگے اور نتیجتاً خدا پر سے اُنکا رہا سہا بھروسہ بھی اُٹھنے لگا۔ اب وہ پوری طرح سے سبھی بندشوں سے آزاد ہو گئے اور بیباق ہو کر اپنی زندگی بسر کرنے لگے۔ اُنکا ذہن کئی الجھنوں سے فارغ ہُوا۔ شری بزاز نے اس بارے میں یوں لکھا ہے:

He became a skeptic and a rationalist and though he did not confess it even to himself he was on way to agnosticism.۱

(5) مہجور سے مُلاقات اور اُسکا اثر:

آزاد کی زندگی کا ایک اہم واقعہ اُنکی مہجور سے مُلاقات تھی۔ اس سے پہلے وُہ اُنکی نئے آہنگ کی شاعری کا مطالعہ کر چکے تھے اور متاثر بھی تھے۔ 1935ء میں کشمیر میں کالرا پھیل گیا تھا اور اس سِلسِلے میں آزاد کے گاؤں رانگر میں بھی محکمہ مال کی طرف سے اس بیماری کا قلع قُمع کرنے کیلئے ایک کیمپ منعقد کیا گیا اور محکمہ کے افسروں کے ساتھ پٹواری کی حیثیت سے مہجور بھی

1. History of struggle for freedom in Kashmir. P.N. Bazaz. Edition 2003,. Page No. 296.

اُس کیمپ میں شریک تھے۔ اسطرح آزاد کو مہجور سے ملنے کا یہ پہلا موقعہ فراہم ہوا اور پہلی ہی مُلاقات میں دونوں ایک دوسرے کے قریبی دوست بن گئے۔ آزاد شاعری میں ابھی عروج کی سیڑھیوں سے بہت دور تھے، اسلئے اپنی تخلیقوں کو مہجور کے پاس اصلاح کیلئے بھیجتے تھے[۱]۔ پروفیسر پرتھوی ناتھ پُشپ کے مطابق جب آزاد کی مُلاقات 1935ء میں مہجور سے ہوئی تو اُنکا اثر اُن پر گہرا ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ اُنکی شاگردی میں رہنا بھی اُنھیں قبول ہوا[۲]۔ لیکن شاگردی کا یہ سِلسِلہ زیادہ دیر تک نہیں رہ سکا کیونکہ آزاد شاعری کے میدان میں ایک لمبی چھلانگ لگا کر مہجور کو بہت پیچھے چھوڑ گئے۔ حالات نے کروٹ اِس قدر لی کہ اب مہجور ہی آزاد کو اپنا اُستاد ماننے میں فخر کرنے لگے۔ مرحوم غلام علی ڈار کے الفاظ میں: ''انھیں مہجور کے ساتھ خاص محبت تھی اور اُنھیں اپنا قریبی دوست سمجھتے تھے۔ مہجور کو آزاد کی شاعرانہ صلاحیت پر اتنا اعتقاد تھا کہ مہجور خود اُنکو اپنا اُستاد مانتے تھے۔ وہ اکثر ان کے پاس آتے تھے جبکہ آزاد صرف دعوت پر ہی زندگی میں ایک دوبار مہجور کے گھر گئے ہیں۔ زیادہ تر میل ملاپ خط وکتابت کے ذریعے ہی ہوتا تھا[۳]۔'' آزاد نے جہاں شروع میں مہجور کی شاعری کی ہی پیروی کی اور اُس پُرانی روایت کے مطابق روحانی اور عشق ومحبت سے لبریز غزلیں لکھیں وہیں آگے چل کر اُنکے ذہن میں رد و بدل کا

۱۔ عبدالاحد آزاد۔ ڈاکٹر پدم ناتھ۔ گنجو۔ تعمیر آزاد (خصوصی نمبر 1958ء لالہ رُخ اشاعت۔ صفہ 9۔

۲۔ منتخب کشمیری منظومات آزاد۔ پروفیسر پرتھوی ناتھ پُشپ جموں وکشمیر کلچرل اکادمی اشاعت صفہ 6۔

۳۔ رانگر گاؤں میں مرحوم غلام علی ڈار کے ساتھ 11 ماہ مئی 1967ء کی مُلاقات سے جانکاری ملی۔

ایک طوفان کھڑا ہوا اور آزاد ایک انقلابی شاعر کی صورت میں نمودار ہوئے۔ شری بامزئی صاحب کے الفاظ میں :

"His early compositions are tipical of those produced by Mahjoor. But as he gained maturity, he found the ways and means of attaining freedom from want and misery."1

مہجور سے ملاقات کے بعد آزاد کے دِل میں یہ خیال آیا کہ وہ اُنکی سوانح حیات لکھیں اور جتنا وہ اس بات پر سوچنے لگے اُتنا ہی یہ خیال زور پکڑنے لگا کہ مہجور کی سوانح حیات لکھتے ہوئے اُنکی تخلیقات کی تنقیدی پرکھ بہت ضروری تھی۔ اسلئے آزاد کو اس ضمن میں سبھی کشمیری شعرا کا مطالعہ کرنا بھی ایک اہم موضوع لگا اور اسی مطالعہ کے دوران انھیں احساس ہوا کہ کشمیری شاعری کا اپنا ایک وسیع تر میدان ہے اور اِسی تلاش و جُستجو نے اُنکی قلم کو تقویت بخشی کہ مہجور کی سوانح حیات کی جگہ انھوں نے ''کشمیری زبان اور شاعری'' کی تاریخ لکھ ڈالی جو کہ کشمیری ادب کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔

(6) کشمیری زبان اور شاعری:

''کشمیری زبان اور شاعری'' کی تصنیف کر کے آزاد نے کشمیری زبان میں تنقیدی ادب کی راہ ہموار کرتے ہوئے آنے والے ادیبوں اور نقادوں

1. History of Kashmir, by P.N. Koul Bamzai. Page 839.

کیلئے ایک قندیل روشن کی۔ آزاد نے کشمیری زبان اور شاعری لکھ کر کشمیری ادب کے تاریخ کی سنگ بنیاد رکھی ہے اور اتنا ہی نہیں بلکہ تنقید کے ساتھ ساتھ ادب کو پرکھنے کی کسوٹی بھی عطا کی۔ جناب محمد یوسف ٹینگ کے الفاظ میں: ''آزاد کے ہاتھوں ہماری تنقید کے معیار وجود میں ہی نہیں آئے بلکہ انھوں نے اس معیار پر ہمارے ادب کو پرکھنے کی روایت کا آغاز بھی کیا۔''[1]

آزاد کشمیری زبان کی تاریخ لکھنے والا پہلا شخص ہے جس نے اپنی ساری عمر اس مشکل کام میں صرف کی۔ اس تاریخ کو لکھنے کیلئے انھیں کشمیری زبان کے سبھی شاعروں کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تخلیقوں کا مطالعہ کرنا پڑا۔ اسکے لئے انھیں وادی بھر کا دورہ کرتے ہوئے بے پناہ دشواریوں کا سامنا ہوا۔ کبھی کبھی آزاد کو طوائفوں سے بھی اس ضمن میں مدد لینی پڑی۔ جب کہیں کسی پرانے شاعر کے بارے میں پتہ چلتا تھا تو اُسکے وارثوں، نواسوں اور پوتوں سے ملنے جاتے تھے۔ اسکے لئے آزاد کو اپنی محدود آمدن کا ایک بڑا حصہ خرچ بھی کرنا پڑتا تھا، لیکن اس سے انھوں نے کبھی گُریز نہیں کیا۔ مگر افسوس اس بات کا ہوتا تھا کہ اکثر لوگ انھیں نا اُمید ہی لوٹاتے تھے۔ جب آزاد شاعر کے قریبی دوستوں، وارثوں اور رشتہ داروں سے اُنکے بارے میں کچھ پوچھتے تھے تو وہ جواب میں کہہ دیتے کہ یہ 'کھوڑہ پھچہ' (جھنجھٹ) ہمارے نانا دادا میں ہی تھیں ہم میں نہیں ہیں۔ یہاں تک کہ کچھ لوگ انھیں جاسوس سمجھ کر اُن پر

ا۔ کشمیری زبان اور شاعری۔ عبدلاحد آزاد۔ پیش لفظ محمد یوسف ٹینگ۔ جلد دوم صفہ نمبر 32۔

شک بھی کرتے تھے[۱]۔ ڈاکٹر شکیل الرحمان کے مطابق آزاد نے کشمیری زبان اور شاعری لِکھ کر کشمیر میں تنقیدی ادب کی سنگ بنیاد رکھ دی[۲]۔ اتنی دُشواریوں اور مشکل حالات کا سامنا کرتے ہوئے آزاد نے اپنے اس عہد سے منہ نہیں موڑا۔ زندگی کے آخری ایام تک اس کام میں مشغول رہے اور کسی طرح اس منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیا۔ اس تنقیدی تصنیف کے کچھ حصے آزاد نے اس وقت کے اپنے افسر اور انسپکٹر سکولز شری دینا ناتھ پارمو کو بھی دِکھائے تھے جس پر شری پارِمو نے اس بارے میں اپنے تاثرات اسطرح بیان کئے ہیں: "میں حیران ہوگیا اور شرمندہ بھی۔ میں نے آزاد صاحب کو ایک اچھا مُدرس تو ضرور سمجھا تھا لیکن اِنکا اِتنے اونچے درجے کا نقاد ہونا میرے تصور سے باہر تھا[۳]۔"

آزاد زیادہ تر گاؤں میں ہی رہے اسطرح انھیں کتب خانوں کی سہولیات بھی دستیاب نہ ہوسکیں جو کہ تنقیدی موضوع پر کام کرنے کیلئے اولین ضرورت کی ہوتی ہیں۔ نہ اَنکے سامنے کوئی پیش رد تھا اور نہ ہی کوئی ذریعہ تھا جس سے انھیں کوئی مدد مل سکتی۔ یقیناً یہ ایک شخص کی بساط کا کام نہیں تھا جوکہ آزاد نے دن رات ایک کرکے انجام دیا۔ لیکن افسوس کی بات ہے کہ اپنی اس تصنیف کو جسے وہ اپنی پیاری اولاد سے کم نہیں سمجھتے تھے، اقتصادی مشکلات کی

۱۔ کُلیات آزاد۔ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ کلچرل اکادمی اشاعت اول، صفہ 42۔

۲۔ کشمیری زبان اور شاعری۔ عبدلاحد آزاد تنقیدی جائزہ۔ ڈاکٹر شکیل الرحمان۔ جلد 1، صفہ نمبر 19۔

۳۔ آزاد ایک دوست کی نظر میں۔ شری دینا ناتھ پارمو۔ تعمیر آزاد (خصوصی شمارہ۔ لالہ رُخ) اشاعت۔ اشاعت 1958ء۔ صفہ نمبر 65۔

وجہ سے اپنی زندگی میں چھاپنے سے رہ گئے اور اپنی دِلی تمنا اور مسرت کا جام نوش نہ کر سکے۔ شری مکھن لال محو کے مطابق: ''وہ ایک معمولی اُستاد تھے۔ ہمیشہ اسی فکر میں رہتے تھے کہ اپنی تحقیقی تصنیف کو چھاپنے کیلئے پیسہ کہاں سے آئے گا؟''[۱] آزاد کے کئی یار دوستوں نے اس تصنیف کی اشاعت کیلئے اس وقت کے ارباب اختیارات سے بھی بات کی لیکن سبھی کوششیں بے سودہ ثابت ہوگئیں۔[۲] اب جموں و کشمیر کلچرل اکادمی نے اسے تین جلدوں میں چھاپ کر آزاد کی آخری خواہش کو پورا کر کے اپنا فرض پورا کیا ہے۔ یہاں اس بات کی وضاحت کرنا ضروری ہے کہ مُصنِف اپنی اس تصنیف کو 'کشمیری ادب کی تاریخ' کے عنوان سے چھاپنا چاہتے تھے، لیکن اشاعتی بورڈ نے اسے تاریخی لحاظ سے نامکمل سمجھ کر اسے 'کشمیری زبان اور شاعری' کے نام سے چھاپا۔ مُصنِف کی اس خواہش کا ذِکر ڈاکٹر غلام محی الدین صوفی نے 'کشمیر' نام کی کتاب میں بھی کیا ہے[۳]۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آزاد اس کتاب کو کشمیری زبان میں ہی لکھنا چاہتے تھے لیکن درویش عبدلقادر 'قادری' کے مشورے پر انھوں نے اسے اُردو زبان میں قلمبند کیا۔[۴] اس کتاب کے بارے میں جناب ٹینگ صاحب کہتے ہیں کہ اس

۱۔ سرینگر میں 18 ماہ فروری 1968ء کے دِن مکھن لال محو صاحب سے سیدھی بات چیت د بہانکاری سے۔

۲۔ کُلیات آزاد۔ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ اشاعت اول کلچرل اکادمی اشاعت، صفہ 42۔

۳۔ کشمیری زبان اور شاعری۔ کلچرل اکادمی اشاعت اول، جلد دوم، عبدلاحد آزاد۔ پیش لفظ محمد یوسف ٹینگ۔ جلد دوم صفہ نمبر 40۔

۴۔ کشمیری زبان اور شاعری۔ کلچرل اکادمی اشاعت اول، جلد دوم، عبدلاحد آزاد۔ پیش لفظ محمد یوسف ٹینگ۔ جلد دوم صفہ نمبر 39۔

کتاب کی کشمیری زبان میں کیا اہمیت ہے اس سلسلے میں اتنا کہہ دینا کافی ہو گا کہ آج تک کشمیری زبان و ادب کی تنقید و تاریخ پر اتنی ہمگیر کتاب نہیں نکلی ہے۔[۱] شری پریم ناتھ بزاز نے اس تصنیف کی تشخیص کرتے ہوئے اسے تاریخی اعتبار سے بہت ہی اہم مانا ہے۔ اُنکے ہی الفاظ میں:

"It is monumental work of immense importance to the cultural development of Kashmir. It is the history of Kashmiri literature2"

ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو کا اظہار یوں ہے: ''اپنی نوعیت میں یہ کشمیری ادب کیلئے پہلی کتاب ہے اور اہمیت میں براؤن کی ہسٹری آف پرشن ٹریچر اور شبلی کی شعرالجم کے ہم پلہ کہی جاسکتی ہے۔[۳]'' آزاد کی اس تصنیف کو اُنکی حرکت قلب بند ہونے کے وقت انکے سرہانے کے نیچے سے نکالا گیا تھا۔[۴]

(7) شری پریم ناتھ بزاز سے مُلاقات اور اس کا اثر:

آزاد فطرتاً شرمیلے تھے اسلئے جو کچھ لکھتے تھے اُسے اپنے تک ہی محدود رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے قلم کی مہک بہت دیر تک لوگوں کے سامنے نہ پہنچ سکی۔[۵] اسے خوش قسمتی ہی کہا جاسکتا ہے کہ جب 1942ء

۱۔ کشمیری زبان اور شاعری۔ عبدالاحد آزاد۔ پیش لفظ محمد یوسف ٹینگ۔ جلد دوم۔ کلچرل اکادمی اشاعت۔ صفہ نمبر 15۔

2. History of struggle for freedom in Kashmir by P.N. Bamzai, Edition-2003, Page No. 301.

۳۔ کُلیات آزاد۔ ڈاکٹر گنجو۔ کلچرل اکادمی اشاعت اول جلد ۱، صفہ نمبر 42۔

۴۔ عبدالاحد آزاد۔ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ تعمیر آزاد نمبر، لالہ رُخ اشاعت 1958ء، صفہ نمبر 42۔

۵۔ عبدالاحد آزاد۔ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ تعمیر آزاد نمبر، لالہ رُخ اشاعت 1958ء، صفہ نمبر 10۔

میں آزاد کی مُلاقات اُس وقت کے مشہور صحافی اور ہفتہ وار رسالہ 'ہمدرد' کے مُدیر شری پریم ناتھ بزاز سے ہوئی۔ خود بزاز صاحب کا اس بارے میں کہنا ہے کہ: ''عبدالاحد آزاد سے میری پہلی مُلاقات 1942ء کے موسمِ خزان میں ہوئی جب ہم دونوں شری پرتاپ کالج کے ہال سے کشمیری زبان کے ایک مُشاعرے میں حصہ لینے کے بعد نکل رہے تھے۔ میں نے اُس وقت تک صرف آزاد کی چند نظمیں اور غزلیں ہی پڑھی تھیں جو انھوں نے 'ہمدرد' میں چھاپنے کیلئے اپنے ایک دوست کی وساطت سے بھیجی تھیں۔ وُہ دوست بھی اس مُشاعرے میں شرکت کے لئے آئے تھے اور انھوں نے ہی ہمارا ایک دوسرے سے تعارف کروایا تھا[1]۔ اس مُلاقات کے بعد ہی دونوں ایک دوسرے کے قریبی دوست بن گئے۔ اب آزاد اپنی نئی نظم و نثر کو بِنا کِسی جھجھک کے سیدھے اپنے دوست کے پاس اشاعت کیلئے بھیجنے لگے اور اسطرح ان کی شاعری لوگوں تک پہنچنے لگی۔ آزاد کی شاعری سے عام لوگوں کو جو کہ حُکمرانوں کے ظُلم و تشدُد کا شِکار ہو رہے تھے، اب اُمید کی ایک نئی کِرن دِکھائی دینے لگی۔ ان کی جوشیلی اور ولولے سے بھرپور نظموں نے لوگوں کے ذہن میں بیداری کی رو پیدا کی۔ شری پریم ناتھ بزاز کے مطابق: ''کشمیر میں جنگِ آزادی میں ہم دونوں ایک دوسرے کے ساتھی تھے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ وہ اپنے انقلابی خیالات کو نظموں اور گیتوں کی صورت میں سماج کے سامنے پیش

ا۔ شاعر انسانیت۔ پریم ناتھ بزاز۔ صفہ نمبر 7۔

کرتے تھے اور میں ان اصولوں اور خیالات کو نثر میں اظہار کرتا تھا۔"[1] آزاد کی زندگی میں شری بزاز کے ساتھ اُنکی وابستگی ایک اہم واقعہ ہے۔ میدان ادب میں ان دونوں قلمکاروں کی دوستی خاص اہمیت رکھتی ہے۔ شری بزاز بھی آزاد کی شخصیت اور قوت قلم سے کافی متاثر تھے۔

(8) دیگر اہم شخصیتوں کا اثر:

ہندی کے ایک بڑے ادیب اور آریہ سماج کے ایک مفکر راہُل سانکرتیاین جب اپنے مت کا پرچار کرنے کشمیر سے ہوتے ہوئے لداخ گئے تھے، اُس وقت اُنکی مُلاقات شری پریم ناتھ بزاز سے ہوئی تھی۔ راہُل صاحب سے متاثر ہوکر بزاز نے اُنکی کِتاب "سوشلزم کیا ہے" اور دیگر کتابوں کا اُردو میں ترجمہ کیا۔ خوش قسمتی سے آزاد نے بھی بزاز صاحب سے یہ ترجمے لیکر پڑھ لئے جو خصوصی طور پر اُنکے ذہن پر عکس چھوڑ گئے۔ شری مکھن لال محو اس بات کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ: "آزاد نے راہُل سانکرتیاین کی اُن کتابچوں کا اُردو ترجمہ بھی پڑھ لیا جنکا تعلق سوشلزم سے تھا اور جنھیں شری بزاز نے انھیں مطالعہ کیلئے دیا تھا[2]۔" شری بزاز اپنے ہفتہ وار رسالے ہمدرد میں ملک کے ایک بلند پایہ فلسفی شری ایم۔ این۔ رائے کے فلسفے پر حسبِ خواہش کافی مقدار میں لکھتے تھے اور چونکہ آزاد بھی اب اس رسالے کو باقائدگی کے ساتھ

ا۔ شاعر انسانیت۔ شری پریم ناتھ بزاز۔ صفہ نمبر 8۔

۲۔ شری مکھن لال محو کے ساتھ ڈلھن یار سرینگر میں اُنکے گھر پر 18 فروری 1968ء کی بات چیت سے دریافت۔

پڑھتے تھے، اسلئے شری رائے کے مُرید ہو گئے[1]۔ اس سِلسلے میں شری مکھن لال محوؔ اپنے الفاظ میں یوں بیان کرتے ہیں: ''آزادؔ کے اس سماجی اور سیاسی فلسفے پر انجانے طور پر ہندوستان کے ایک عظیم فلسفی شری ایم۔این۔رائے کے فلسفے کی گہری چھاپ تھی۔ اِنسانی محبت اور بھائی چارے کا یہ فلسفہ آزادؔ کے دِل و ماغ میں ہمدرد رسالے کی وساطت سے گھر کر گیا تھا[2]۔''

اسکے علاوہ آزادؔ اقبالؔ سے بھی کافی مُتاثر تھے۔ پروفیسر پرتھوی ناتھ پُشپؔ اس ضمن میں فرماتے ہیں: ''یوں تو 1939ء سے قبل ہی اُسے اقبالؔ کی طرف کشش ہونے لگی تھی۔ لیکن 1939ء میں جب 'جاوید نامہ' اسکی نظر سے گذرا تو 'نالہ ابلیس' پڑھکر 'شکوہِ اِبلیس' لکھنے کی دِلچسپی دماغ میں پیدا ہوئی[3]۔''
آزادؔ کی 'شکوہ اِبلیس' پر اقبالؔ کے اثر کو شمیم احمد شمیمؔ نے بھی یوں قبول کیا ہے:
''شکوہِ اِبلیس' اُنکی ایک لمبی اور مشہور نظم ہے۔ اگرچہ یہ نظم اقبالؔ کے زیرِ اثر لکھی گئی ہے پھر بھی کشمیری ادب میں اِسکا ایک اہم مقام ہے[4]۔'' اسکے علاوہ کئی عالم آزادؔ پر مرزا غالبؔ کا بھی اثر مانتے ہیں۔ لیکن ایسی بات نہیں ہے۔ خالص ایک آدھ بندش میں خیال یا احساس کا مِلنا ایک کا دوسرے پر اثر انداز

۱۔ لال منڈی سرینگر میں 23 مئی 1968ء کے دن شری پُشپؔ کے ساتھ بات چیت میں دریافت۔
۲۔ شری مکھن لال محوؔ کے ساتھ اُنکے گھر پر 18 فروری کی سیدھی بات چیت سے معلوم۔
۳۔ 'ادب اور سماج' پروفیسر پُشپؔ۔ تعمیر آزاد نمبر۔ صفہ 43۔
۴۔ آزادؔ کا شعور۔ شری شمیم احمد شمیمؔ۔ تعمیر آزادؔ خصوصی نمبر، لالہ رُخ اشاعت 1958ء۔ صفہ 50۔

ہونا کیسے صحیح مانا جا سکتا ہے۔ مختلف شعرا کے خیالات اور موضوع لگ بھگ یکسان ہوتے ہیں لیکن انھیں ظاہر کرنے کا اپنا الگ الگ انداز ہوتا ہے۔ جہاں تک آزاد کی شاعری کا سوال ہے اس میں کہیں بھی غالب کا اثر دِکھائی نہیں دیتا ہے۔ شاعر کے پورے کلام میں صرف دو چار جگہوں پر غالبؔ کے ساتھ یکسان خیالی پاکر اگر ہم آزادؔ کو غالبؔ کا متاثر کہیں تو یہ اُنکے ساتھ سراسر نا انصافی کے مترادف ہو گا۔

(9) تبادُلے:

اپنی نڈر اور باہمت شخصیت کی وجہ سے آزاد کبھی بھی کسی سے ڈر کر نہیں رہے۔ اسلیئے سرکاری نوکر رہتے ہوئے انھیں اسی وجہ سے سزا کے طور پر دشوار گذار مقاموں پر تبدیلیوں کی مار سہنی پڑی۔ 1948ء تک وہ محکمہ تعلیم میں نوکر رہے اور ان تیس برسوں میں اُنکے تبادے اسطرح کیئے گئے۔ سب سے پہلے آزاد نے نوکری کے 13 سال 1918ء سے 1931ء تک زوہامہ کے پرائمری سکول میں گذارے۔ اُسکے بعد 1931ء میں چارماہ کیلیئے انکا تبادلہ ترال کے مِڈل سکول میں کیا گیا۔ یہاں سے آزاد کو گیورو (نورہ پورہ) کے سکول میں بھیجا گیا اور اُسکے بعد 1933ء میں ایک سال کیلیئے اساتذہ کی نارمل ٹریننگ کیلیئے سرینگر لایا گیا۔ ٹریننگ پوری ہونے پر آزاد کو دوسری بار زوہامہ کے سکول میں تعینات کیا گیا جہاں وہ دس سال تک مدرسی کے فرائض انجام دیتے رہے۔ 1944ء میں برنوار گاؤں کے سکول میں تبادلہ ہُوا جہاں وہ ایک

سال کیلئے رہے۔ یہاں سے اُنکی آخری تبدیلی سُرسیار میں کی گئی جہاں پر وہ زندگی کے آخری ایام تک مدرس کے فرائض انجام دیتے رہے۔

(10) وفات :

آزاد عمر بھر ڈاکٹروں اور حکیموں کے در کھٹکھٹاتے رہے۔ ہمیشہ کوئی نہ کوئی دوائی لینا اُنکا معمول بن گیا تھا[۱]۔ 1948ء میں آزاد اپنے سسرال جو کہ سُرس یار میں تھا، وہاں پر بیمار ہوئے۔ تیراں دن تک پیٹ درد رہا۔ دیسی علاج ہوتا رہا لیکن بیماری بڑھتی ہی گئی۔ بیماری کے ایام میں انھوں نے اپنے دونوں بیٹوں 'عمہ' اور 'گُلا' جو کہ اس جہانِ فانی سے رحلت کر چکے تھے، کو یاد کیا تھا کہ کاش وہ اُسکے پاس ہوتے۔ تیراں دن کے بعد رانگر سے بڑے بھائی غلام علی ڈار اور متبنّٰی بیٹا سُرسیار آ گئے اور آزاد کو سرینگر لاکر رتن رانی ہسپتال میں بھرتی کرا دیا[۲]۔ آزاد کے قریبی دوست خواجہ غلام محمد ڈار بھی اس بات سے مُتفق ہیں کہ آزاد آخری بار سُرسیار میں ہی علیل ہوئے تھے اور کئی دن تک دیسی علاج ہوتا رہا۔ اسکے بعد جب اُنھیں خبر مِلی تو انھوں نے سرینگر میں رتن رانی ہسپتال کے پاس ہی ایک ہاوس بوٹ کرائے پر لیا اور بیمار کو ہسپتال میں داخل کرا کر ڈاکٹر اومکار ناتھ ٹھسو کی زیرِ نِگرانی علاج کروایا[۳]۔

۱۔ کُلیات آزاد۔ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ کلچرل اکادمی اشاعت اول۔ صفہ 39۔

۲۔ زوجہ آزاد سے 21 نومبر 1967ء کے دن انکے ساتھ مُلاقات کے دوران جانکاری سے مِلی۔

۳۔ 14 ماہ مئی 1967ء کو غلام محمد ڈار صاحب کے ساتھ بات چیت سے معلوم۔

مریض کی ابتر حالت دیکھکر ڈاکٹر صاحب کو بہت پریشانی ہوئی۔ گاؤں میں علاج کے دوران بیمار کی حالت دو وجہوں سے ابتر ہوئی تھی، ایک تو نیم حکیموں کے ہاتھ میں پڑنے سے اور دوسرا کئی دنوں تک خالی پیٹ رہنے کی وجہ سے۔ اسکے علاوہ بیمار کو ٹھیک وقت پر سرینگر منتقل نہیں کیا گیا۔ اسکی وجہ آمدورفت کے وسائل کا فقدان تھا۔ گاڑی وغیرہ کا کوئی نام ہی نہیں تھا۔ شدت کا جاڑا پڑنے کی وجہ سے بھی پیدل سفر کرنا بہت مشکل تھا۔ یہ سبھی وجوہات بیماری کی آگ کو بھڑکانے میں مددگار ثابت ہوئے۔

اپنڈِسائٹس کی اس بیماری کا اب ایک اور واحد علاج آپریشن ہی تھا۔ کیونکہ باقی ساری دوائیاں بے سود ثابت ہو چکی تھیں۔ اسلئے مریض کو سرینگر کے بڑے ہسپتال میں منتقل کرنا پڑا۔ اُس وقت کے جانے مانے اور ماہر خصوصی ڈاکٹر فضل اُلرحمان بھی ایسی حالت میں بیمار کا آپریشن کرنے کیلئے تیار نہیں ہوئے۔ بیمار کو اپنے حال پر چھوڑنا بھی کہاں تک واجب تھا؟ اسلئے ڈاکٹر اومکار ناتھ کی ضد پر ڈاکٹر فضل الرحمان نے آپریشن کرنا مان لیا لیکن دو شرط رکھے۔ ایک یہ کہ ڈاکٹر اومکار ناتھ کو وافر مقدار میں 'سیلائن ڈِرپ' میسر رکھنے تھے جو کہ اُس وقت بازار میں نہیں ملتے تھے، کیونکہ پاکستان کے قبائلی حملے کی وجہ سے ان ادویات کی برامدگی بھی کچھ وقت کیلئے بند ہوئی تھی۔ دوسری شرط یہ تھی کہ انھیں بیمار کا کمرہ گرم رکھنا تھا۔ ان دونوں مشکل شرائط کی ذِمے داری ڈاکٹر صاحب نے اپنے اوپر لی اور جیسے تیسے انھیں پورا بھی کیا۔ اس کے دوسرے ہی دن بیمار کا کامیابی کے ساتھ آپریشن ہوا اور بیمار کی حالت کچھ کچھ

سُدھرنے لگی ا۔ 23 ماہ چیت سموت 2004ب بمطابق 4 ماہ اپریل 1948ء کو بروز اتوار پانچ بجے شام سے اچانک آزاد کی حالت بگڑی۔ سبھی افراد خانہ ڈاکٹر اور رُفقا پریشان ہو اُٹھے۔ وقت کی رفتار کے ساتھ بیمار کی حالت بگڑتی گئی۔ ڈاکٹر اومکار ناتھ اس حالت سے خاص طور پر افسردہ ہوئے۔ شام کو ساڑھے چھ بجے آزاد کی رگ میں ایک انجکشن دینا تھا لیکن کافی کوششوں کے بعد بھی رگ نہ ملی اور انھیں انجکشن نہ دیا جا سکا۔ اس کوشش میں آزاد کو کافی تکلیف ہوئی اور اُسنے انجکشن نہ لینے کی التجا کی جسے ڈاکٹروں نے اُن کی حالت دیکھکر قبول کیا۔ اُسی وقت آزاد نے اپنے دوست غلام محمد ڈار کو اپنے پاس بُلا کر کان میں دو باتیں کہیں۔ ایک تو اُنکی گھریلو زندگی سے تعلق رکھتی تھی اور دوسری یہ کہ اُنکے ادب کو ضائع نہ ہونے دیں، بلکہ اشاعت کیلئے ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو کے حوالے کیا جائے۔ یہ کہنے کے فوراً بعد ہی ٹھیک شام کے ساڑھے سات بجے اُنکی حرکت قلب بند ہوئی اور کشمیر کا ایک جگمگاتا ستارہ، جس سے آنے والے وقت میں کافی اُمیدیں تھیں، ہمیشہ کیلئے ہم سے بچھڑ گیا۲۔ آزاد کی اچانک موت کی وجہ ڈاکٹر اومکار ناتھ نے 'ہارٹ فیلیر' بتایا۔ ان ہی کی بیانی:

"On the day of his death I had just met him and talked to him for half an hour. He was in a good mood and I was happy on his progress. Within half an hour after this, I received a telephone that Azad had taken a bad turn and I rushed back. In next ten minutes I reached his room. Azad had just passed away. Reason sudden heart failure."3

ا،۳۔ 19 فروری 1968ء کے دن ڈاکٹر اومکار ناتھ ٹھسو کے ساتھ انٹرویوں کے دوران معلوم ہوا۔

۲۔ 14 مئی 1967ء غلام محمد ڈار کے ساتھ تبادلہ خیال کے دوران جانکاری سے۔

موت سے چند گھنٹے قبل آزاد کے ذہنی اُپھان کے بارے میں شری مکھن لال محو نے یوں کہا: ''میں اُس دن 2 بجے اُنکے ساتھ ہسپتال میں تھا۔ میرے ساتھ بہت باتیں کیں اور کہا کہ اب وہ اپنے آپکو صحت مند محسوس کر رہے تھے۔ سوچ رہے تھے کہ اب ٹیچری چھوڑ کر گھر میں ہی بیٹھیں گے۔ طویل گفتگو کے بعد مجھے یہ محسوس ہوا کہ اُنکے اندر زندگی اور موت کا تصادُم چل رہا ہے۔ کبھی موت فاتح ہوتی تھی تو سوچتے تھے کہ وُہ دل کے ارمانوں کو پورا کئے بِنا ہی چل بسیں گے، اور کبھی زندگی فاتح ہوتی تھی تو حوصلہ بڑھنے لگتا تھا۔ اس کشمکش میں انھیں ایک نظم کی ترغیب ملی تھی لیکن بدقسمتی تھی کہ نہ تو اُسے کہہ سکے اور نہ ہی قلمبند کر سکے۔''[۱]

یوم وِلادت کی طرح ہی آزاد کی وفات کے بارے میں عالموں میں اختلاف رائے نظر آتا ہے۔ پروفیسر پرتھوی ناتھ پُشپ کے مطابق آزاد کی موت 14 اپریل 1948ء کو ہوئی ہے[۲]۔ شری پریم ناتھ بزاز کے مطابق اُنکی موت 5 اپریل 1948ء کو ہوئی ہے[۳]۔ داکٹر پدم ناتھ گنجو کا کہنا ہے اُنکی وفات 45 سال کی عُمر میں 4 اپریل 1948ء کو شام ساڑھے سات بجے ہوئی[۴]۔ آزاد کی بیوہ بھی ڈاکٹر گنجو سے اتفاق رکھتی ہیں[۵]۔ آزاد کے برادر

۱۔ ڈلہبن یار سرینگر میں محو صاحب کے ساتھ 18 فروری 1968ء کے دن انٹرویو میں جانکاری ملی۔

۲۔ آزاد۔ پروفیسر پُشپ۔ کلچرل اکادی اشاعت۔ صفہ نمبر 9۔

3. Azad the singer of renaissance, a great thinker of the modern Kashmir and the poet of humanism died on the morning of 5th April 1948 in the general ward of Hari Singh Hospital in Srinagar like an orphan, unwept, unhonoured and unsung." History of strugge for freedom in Kashmir, Edition 2003, Pa e 301.

۴۔ کُلیات آزاد۔ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ کلچرل اکادمی اشاعت اول۔ صفہ 40۔

۵۔ زوجہ آزاد سے 21 نومبر 1967ء کی مُلاقات کے دوران معلوم ہوا۔

اکبرخواجہ غلام علی ڈار کے بیان کے مطابق آزاد کی یوم وفات 4 اپریل 1948ء ہی ہے۔[۱] جو 23 ماہ چیت 2004ء بکرمی ہی ہے اور یہی سموت اس وقت رائج تھی۔

مندرجہ بالا کھوج کی بنیاد پر ہم بلا تردید کہہ سکتے ہیں کہ آزاد 45سال کی عمر میں بروز اتوار 4 ماہ اپریل 1948ء کے دن شام کے ساڑھے سات بجے اس جہاں فانی سے رحلت کر گئے۔ افسوس ہے کہ اس عظیم اور بلند پایہ شاعر کی بے وقت موت پر اُن کے جسد خاکی کو اُنکے آبائی گاؤں تک لے جانے والوں کو بہت ہی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ شاعر جس نے مستقبل میں اُبھرنے والے شعرا اور ادیبوں کیلئے ایک قندیل روشن کر کے رکھ دی، اُسی کی وفات پر حاکمانِ وقت نے کوئی توجہ نہیں دی اور نہ ہی اُنکی وہ عزت افزائی کی گئی جسکے وہ حقدار تھے۔ ڈاکٹر اومکار ناتھ کے الفاظ میں: ”وہ مشکلات کچھ ہمارا دِل ہی جانتا ہے جو ہمیں اُسکی میت کو واپس انکے گاؤں پہنچاتے وقت اُٹھانے پڑے۔[۲]“ آخر کار ان کی میت کو انکے گاؤں رانگر لایا گیا جہاں انھیں اپنے خاندانی مزار میں اپنے والد مرحوم سلطان ڈار کے پہلو میں دفنایا گیا۔[۳] آزاد کی موت پر آزاد کے احباب اور ادب کے شائقین آٹھ

۱۔ 11 ماہ مئی 1967ء کی خواجہ غلام علی ڈار کے ساتھ اُنکی رہائش گاہ پر انٹرویو کے دوران جانکاری سے معلوم ہوا۔

۲۔ آزاد۔ آخری دوز کے چند نقوش۔ ڈاکٹر اومکار ناتھ کول تعمیر آزاد نمبر۔ لالہ رُخ پبلکیشن 1958ء صفہ نمبر 71۔

۳۔ کُلیات آزاد۔ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ کلچرل اکادمی اشاعت اول۔ صفہ نمبر 40۔

آٹھ آنسوں رو پڑے اور اُنکی جدائی کے غم میں بیقرار ہو اُٹھے۔ ان کے سفر آخرت پر شاعر کے مندرجہ ذیل شعر ہر جانب سے گونج اُٹھے۔

عالم ہا کرِ یاد آزاد آزاد

کُنہِ ساتہٕ وُچھتہٕ یاد پاوے مدنو ا

قسمت کی ستم ظریفی یہ کہ مہجور نے آزاد کو اپنا جانشین مان لیا تھا اور انھیں یقین تھا کہ اُنکے پیغام کو پرکھوں کی جائیداد سمجھ کر آزاد نئی پیڑی کو مُتاثر کریگا۔ اس ضمن میں مہجور کی یہ پیشن گوئی کہ:

مہجور کرِ ہی ناز برداری وچھ تس چھِ لاچاری یئے

ووُنی چھِ آزادس چانٛی ذِمہٕ واری

کاڑ زوٗنی بوٗز میانٛی زاری یئے ۲

غلط ثابت ہوئی اور انھیں آزاد کی وفات کی تاریخ یوں نکالنی پڑی:

آہ آزاد از جہاں روپوش شد

یا کہ از جام بقا مدہوش شد

بجر. سالے رحلتش مہجور گفت

بُلبُلِ شیرین بیان خاموش شد ۳

ا۔ کُلیات آزاد۔ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ کلچرل اکادمی اشاعت اول۔ صفہٕ نمبر 406۔

۲۔ آزاد مختصر سوانح حیات۔ موتی لال ساقی و عبدالغنی میر۔ آزاد میموریل کمیٹی رانگر اشاعت 1964ء۔ صفہٕ نمبر 26۔

۳۔ آزاد مختصر سوانح حیات۔ موتی لال ساقی و عبدالغنی میر۔ آزاد میموریل کمیٹی رانگر اشاعت 1964ء۔ صفہٕ نمبر 26۔

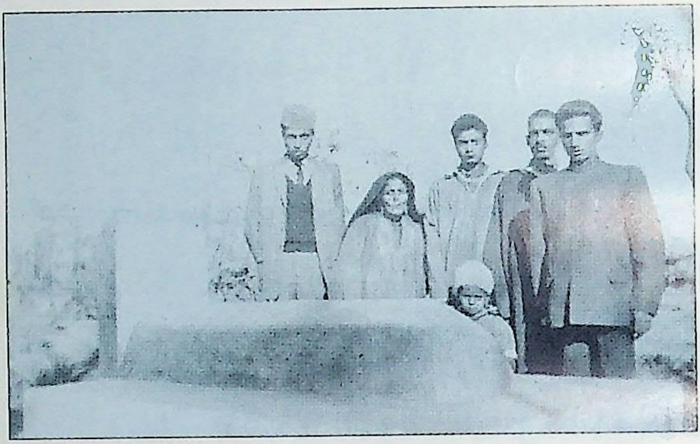

مرحوم آزاد کے مقبرے پر مسماۃ موختی اور محمد صدیق ڈار

(تصویر میں بالترتیب بائیں سے نمبر دو اور نمبر چار و دیگر ارباب خانہ) محقق کے ساتھ

تاریخ ۲۱ ماہ نومبر ۱۹۶۷ء

(11) شخصیت:

اس عظیم شاعر کی شخصیت بھی باوقار تھی۔ ''آپکا قد درمیانہ و چہرا سنجیدہ اور رنگ سیاہی مائل تھا۔ آنکھیں بہت کچھ گہرائیوں کا پتہ دیتی تھیں۔ داڑھی مُنڈاتے تھے، صرف چھوٹی چھوٹی مونچھیں رکھتے تھے[۱]۔ شری جیا لال کول جب 1938ء میں آزاد سے پہلی بار ناگام گاؤں میں انکے دوست ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو کے ڈھیرے پر مِلے تھے۔ لکھتے ہیں: ''رخساروں کی ہڈایاں اُبھری و رنگ، سیاہی مائل و دُبلا پتلا اور سنجیدہ سا آدمی، لیکن یہی آدمی جب بولتا تو اُسکے اندر زندگی اور خیالوں کا ساگر ٹھاٹھیں مارتا نظر آتا[۲]'' خواجہ غلام محمد ڈار کے مطابق : ''اُنکے منھہ میں برف کے جیسے سفید دانت موتیوں کی طرح چمکتے تھے۔''[۳]

ایک غریب کسان کے گھر میں پیدا ہوکر آزاد کو بچپن کا لاڈ پیار و عیش وعشرت کا سامان دیکھنے تک کو نصیب نہ تھا۔ ایسے ماحول اور حالات میں آزاد کا ضیعف الصحت ہونا اور علیل رہنا ایک قدرتی سی بات تھی۔ مگر قدرت کا کرشمہ یہ کہ آزاد نے اپنی غربت اور تنگدستی کے رہتے ہوئے یہ ثابت کردیا کہ بڑے گھروں میں ہی پیدا ہوکر لوگ بڑے نہیں بنتے ہیں۔ پہناوے کے طور پر آزاد سادہ لباس ہی پسند کرتے تھے۔ کبھی مہنگے اور غیر ملکی کپڑوں کا ہوس نہیں کیا۔ اپنے دُبلے پتلے بدن کو کبھی قیمتی پوشاکوں سے آراستہ نہیں کیا۔

۱۔ عبدالاحد آزاد۔ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ تعمیر آزاد نمبر لالہ رُخ اشاعت 1958ء۔ صفہ 8۔

۲۔ آزاد چند تاثرات۔ شری جیالال کول۔ تعمیر آزاد نمبر، لالہ رُخ اشاعت 1958ء صفہ 30۔

۳۔ 14 ماہ مئی 1967ء کے دن خواجہ غلام محمد دار کے ساتھ انکی رہائش گاہ پر ملاقات کے دوران معلوم پڑا۔

ہو سکتا ہے کہ اس کے لئے اقتصادی حالات بھی کہیں نہ کہیں ذمہ دار ہوں۔
ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو کے الفاظ میں: ''وہ زندگی بھر سادہ اور صاف و شفاف کپڑے پہنتے تھے اور سر پر سفید پگڑی باندھتے تھے''۱۔ شری دینا ناتھ پارمو جب انسپکٹر سکولز کی حیثیت سے آزاد کے سکول میں معائنہ کیلئے گئے تھے، لکھتے ہیں: ''استاد کو تختِ سیاہ کے پاس بچوں کو حروف کی جانکاری کرانے میں مشغول پایا۔ یہ صاحب درمیانی قد اور رنگ سے سیاہ مائل تھے۔ کشمیری پٹو کا ایک ڈھیلا سا کوٹ لگائے ہوئے تھے۔ سر پر صاف و شفاف پگڑی اُنکے سیاہ فام چہرے پر خوب سجتی تھی۔ پاؤں میں کشمیری ڈھنگ کا بنا ہوا جوتا پہنا ہوا تھا۔''۲

(12) آزاد کے معمولات:

روز مرہ کے طور پر ہمیں دو ہی باتیں قابلِ ذکر اور خاص اہمیت کی دِکھائی دیتی ہیں۔ ایک تو انکا شعر لکھنا اور دوسرا مدرسی کا کام سرانجام دینا۔ صبح سویرے جاگنے پر ضروری کاموں سے فراغت کے بعد وہ چائے اور تمباکو نوش فرماتے تھے۔ ان دونوں کے ساتھ آزاد کو خاص دِلچسپی تھی۔اس بارے میں شری جیا لعل کول صاحب کا یوں کہنا ہے: ''کشمیری سماوار سے چائے کی لگاتار

۱۔ عبدالاحد آزاد۔ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ تعمیر آزاد نمبر، لالہ رُخ اشاعت 1958ء صفہ 8۔
۲۔ آزاد ایک دوست کی نظر میں۔ شری دینا ناتھ پارمو۔ تعمیر آزاد خصوصی نمبر 1958ء۔ لالہ رُخ پبلکیشن۔ صفہ نمبر 65۔

کتنی ہی پیالیاں گھٹاگھٹ پی جاتے اور اُس سے کہیں زیادہ تمباکو پیتے تھے۔[۱] قہوے کے شوق کے بارے میں شری کرشن لعل کول الماسؔ نے مجھے ایک مُلاقات کے دوران یوں کہا: ''میں آزادؔ صاحب کی شاگردی میں زوہامہ کے پرائمری سکول میں پڑھتا تھا۔ آزادؔ صاحب تین بجے دن کشمیری قہوہ بنوا کر پیتے تھے اور اسکے لئے ایک پیر زادہ لڑکے کو ذمہ واری سونپی تھی۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ اُس پیرزادہ نے آزادؔ صاحب کیلئے قہوہ کی پیالی ان کے سامنے رکھی اور روٹی (ژوچہِ وور) نیچے چٹائی (وگئو) پر رکھ دی۔ آزادؔ صاحب نے چائے کی پیالی اٹھا کر پی لی لیکن روٹی نہیں کھائی۔ تب اس شاگرد نے پوچھا کہ روٹی کیوں نہیں کھائی تو جواب میں آزادؔ صاحب نے کہا کہ تُم نے روٹی نیچے 'وگئو' پر رکھ دی۔ اس 'وگئو' پر میں جوتا لیکر چلتا ہوں۔ ایسے میں گندی جگہ پر روٹی رکھ دی تو یہ ناپاک ہوگئی اسلئے میں نے روٹی نہیں کھائی۔ پھر اُس دن کے بعد آزادؔ صاحب نے کبھی اس شاگرد سے قہوہ نہیں بنوایا''۔[۲] یہاں پر یہ بالکل عیاں ہو جاتا ہے کہ آزادؔ صفائی اور پاکیزگی کے کتنے محتاط تھے۔

آزادؔ کی بیوی کے ساتھ سیدھی مُلاقات کے دوران مُجھے اس بات کا ثبوت ملا کہ تمباکو کے بہت عادی تھے اور اسکے علاوہ انکا اور کوئی شوق نہیں تھا۔[۳] شری مکھن لال تحوؔ کی ماں شریمتی پدماوتی کے کہنے کے مطابق: ''جب

۱۔ آزادؔ۔ چند تاثرات۔ شری جیا لعل کول۔ تعمیر آزادؔ نمبر۔ لالہ رُخ اشاعت 1958ء۔ صفہ نمبر 30۔

۲۔ شری کرشن لعل کول الماسؔ کے ساتھ انٹرویو کے دوران جانکاری ملی۔

۳۔ 21 نومبر 1967ء کو زوجہ آزادؔ کے ساتھ مُلاقات کے دوران جانکاری سے۔

آزاد ہمارے گھر آتے تھے تو مجھ سے کہتے تھے کہ تلخ قہوہ بناؤ۔ اس پر میں پوچھتی تھی کہ میرے ہاتھ کا بنا ہوا پیو گے؟ تو جواباً کہتے تھے کہ یہ بات نہیں کہنی چاہئے۔ اس سے اچھا ہے کہ میری پگڑی اُچھالو۔ میرے گھر جب بھی آتے تھے تو قہوہ تلخ ضرور پیتے تھے اور اُسے پسند کرتے تھے۔''[1] صبح کا ناشتہ وغیرہ ہونے کے بعد وہ لکھنے کے کام میں مشغول ہو جاتے تھے اور سکول جانے کے وقت تک لکھتے ہی رہتے تھے۔ سکول میں وہ طلبا کو غیر معمولی ڈھنگ سے پڑھاتے تھے۔ سکول میں پڑھانے کے وقت وہ گپ شب کرنے میں بچوں کا وقت خراب نہیں کرتے تھے۔ بچوں کی فلاح و بہبود میں پوری توجہ دیتے اور انکے ساتھ دِلی ہمدردی اور پیار کا برتاؤ کرتے تھے۔ زوجہ آزاد کے الفاظ میں: ''گھر پر بچوں کے ساتھ زیادہ گھل مل نہیں جاتے تھے۔ اُسکی وجہ یہی تھی کہ وہ ہر وقت اپنے تحقیقی کام میں لگے رہتے تھے۔ لیکن سکول کے بچوں کا جنکو پڑھاتے تھے، زیادہ خیال کرتے اور ان سے بے حد پیار کرتے تھے۔''[2] لکھنے کے لئے انکے پاس کوئی مقررہ وقت نہیں رہتا تھا۔ مزاج سے تنہائی پسند تو وہ تھے ہی لیکن شاعری کی ریاضت کے وقت بالکل تنہائی میں رہتے تھے۔ زوجہ آزاد نے مجھے اپنی مُلاقات میں یوں کہا: ''سکول سے واپس آنے کے بعد شاعری کیا کرتے تھے۔ رات کو بھی دیر تک وہ شعر لکھا کرتے

۱۔ 18 ماہ فروری 1968ء کے دن شری مکھن لال محو کی والدہ شریمتی پدماوتی کے ساتھ انکے دولت خانہ درواقعہ ڈلہسن یار سرینگر میں انٹرویو سے معلوم پڑا۔

۲۔ 21 ماہ نومبر 1967ء کے دن زوجہ آزاد سے مُلاقات کے دوران حاصل کی جانکاری سے۔

تھے۔ دن کو اکیلے کمرے میں بیٹھتے تھے اور مجھے کہا گیا تھا کہ دروازہ جب بند ہو تو کھولنا نہیں چاہئے کیونکہ اُسمیں کچھ خطرہ مول لینا پڑے گا۔''[۱]

کھیتی باڑی وغیرہ گھر کے کاموں میں آزادؔ کا کوئی ہاتھ نہیں تھا۔ معمول اگر انکا کچھ تھا وہ شاعری اور ادب کے ساتھ وابستگی تھی۔ مطالعہ کے ساتھ انکی غیر معمولی دلچسپی تو تھی ہی اسلیئے اپنی قلیل آمدن میں سے کچھ پیسہ خرچ کرکے کتابیں خریدتے تھے اور اپنے چھوٹے سے کُتب خانے کو سجاتے تھے۔ اس کُتب خانے کے بارے میں شری پارمؔو لکھتے ہیں: ''اسکے علاوہ قدیم اور جدید ادیبوں کی کتابیں بھی اس کُتب خانے میں تھیں۔ یہ سب دیکھکر خیال آیا کہ وہ چھوٹا سا کُتب خانہ بیش قیمتی جواہرات کا خزانہ ہے[۲]۔'' معمول کے مطابق پیدائشی کسان ہونے کے ناطے اُنھیں کوئی پالتو جانور پالنے کا بھی کوئی شوق نہیں تھا۔ زوجہ آزادؔ کے بیان کے مطابق: ''خود کسی جانور کو نہیں پالتے تھے۔ اپنے گھر کے جانور تک کو بھی وُہ نہیں پہچانتے تھے۔ اگر اپنے آنگن میں اپنا ہی پالتو جانور ہوتا تھا تو پوچھتے تھے کہ یہ کِن کا ہے۔ صرف گھوڑے کی سواری کا شوق تھا۔''[۳] آرام کیلیئے بھی کوئی مقررہ وقت نہیں تھا۔ اکثر رات کو بھی آرام کم ہی کرتے تھے اور اس وقت بھی شاعری کی ریاضت میں لگے رہتے تھے۔[۴] کھانا بہت کم مقدار میں کھاتے تھے اور اکثر دن میں ایک ہی بار کھاتے تھے۔[۵] زوجہ آزادؔ کے الفاظ میں: ''صبح پھُلکا اور گوشت یا

۱،۳،۴۔ 21 ماہ نومبر 1967ء کے دن زوجہ آزادؔ سے مُلاقات کے دوران حاصل کی جانکاری ہے۔
۲۔ آزادؔ ایک دوست کی نظر میں۔ شری دینا ناتھ پارمو۔ تعمیر آزادؔ۔ لالہ رُخ اشاعت 1958ء، صفہ 65۔
۵۔ 14 مئی 1967ء کے دن زوہامہ میں خواجہ غلام محمد ڈار سے مُلاقات کے دوران۔

انڈا اور سبزی کھاتے تھے۔ شام کے وقت چاول کھایا کرتے تھے اور پھلوں کا بھی استعمال کرتے تھے۔ سکول میں رِیسس Recess میں قہوہ پیا کرتے تھے۔ پنڈتوں کے گھر میں بنا ہُوا 'دم آلو' اور مچھلی کھانے کے شوقین تھے۔ گوشت کھانے کے زیادہ عادی تھے۔ گوشت نہ ملنے کی صورت میں لال راجماش کا شوربا پیا کرتے تھے۔''[۱] شری کرشن لعل کول کا یہ بھی کہنا ہے کہ:

''آزاد صاحب کے اُنکے والد مرحوم مکندرام کول کے ساتھ بھی دوستانہ تعلقات تھے اور شام کو سکول سے لوٹ کر اکثر اُنکی دوکان پر کچھ وقت باہمی گفتگو میں انکے والد صاحب کے ساتھ گذار کر اپنی جسمانی اور ذہنی تھکان مِٹاتے تھے۔ اپنے گاؤں کے بسکینوں کو اپنے بچوں کو سکول میں تعلیم حاصل کرنے کیلئے انکا داخلہ کرانے کی ترغیب بھی دیتے تھے[۲]۔ شری الماس نے یہ بات بھی واضع کی کہ آزاد صاحب خود بھی اپنی تعلیمی قابلیت بڑھانے میں دِلچسپی رکھتے تھے۔ ان کے مطابق: ''زوہامہ سکول میں حبہ کدل سرینگر کے ایک مدرس جنکا نام پنڈت سروانند رکسو تھا کچھ لڑکوں کو ہندی بھی پڑھاتے تھے اور اُس وقت آزاد صاحب بھی اپنی کُرسی آگے بڑا کر بچوں کے ساتھ پنڈت سروانند کے پاس ہندی سیکھتے تھے''[۳]۔ اس بات سے یہ عیاں ہو جاتا ہے کہ آزاد اپنی تعلیمی وُسعت کیلئے کتنے کوشاں تھے۔

۱۔ 21 نومبر 1967ء کی سیدھی بات چیت کے دوران دریافت ہوا۔

۲۔ شری کرشن لعل کول کے ساتھ انٹرویو کے دوران دریافت۔

۳۔ کرشن لال کول کے ساتھ مُلاقات کے دوران معلوم پڑا۔

شری کرشن لال کول الماسؔ جنہیں مرحوم آزادؔ کی شاگردی کا شرف حاصل ہے۔

(13) انجمن احباب:

آزاد جیسے سادہ طبیعت اور ملنسار شخص کے ساتھ کون دوستی نہیں چاہتا؟ ایک بار اُنکے ساتھ جسکی مُلاقات ہو جاتی وہ ہمیشہ کیلئے اُنکی قربت میں رہنا چاہتا تھا۔ آزاد کے دِل میں بھی اپنے احباب کیلئے شفقت اور پیار بھرا رہتا تھا۔ تھوڑے وقت کیلئے بھی اپنے دوستوں کی دوری انھیں بہت بے چین اور شکستہ دِل بنا دیتی تھی۔ یہاں تک کہ جب آزاد رتن رانی ہسپتال میں بستر مرگ پر تھے، تو وہاں سے ایک دن کسی سے پوچھے بغیر بستر چھوڑ کر پروفیسر جیا لال کول کے گھر اُن سے ملنے کیلئے گئے۔ آزاد کا حلقہ احباب بہت ہی مختصر تھا۔ اسکی وجہ یہی تھی کہ وہ کسی شخص کو اپنا دوست بنانے سے قبل اُسکی صِفتوں کی چھان بین کرتے تھے۔ پرکھ کی کسوٹی پر پوری طرح سے کھرا اور قابل اعتماد ثابت ہونے پر ہی آزاد اُس شخص کو اپنے احباب کی فہرست میں شامل کرتے تھے۔ وہ کبھی کِسی اپرے غیرے اور بے بھروسہ آدمی کو اپنا دوست نہیں بناتے تھے۔

اس بات کا اظہار ہمیں اُنکے اس مندرجہ ذیل شعر میں صاف مِلتا ہے۔

نادان دوستن ہنز مِنتھ مہ کھار پانس
تمہِ کھوتہٕ دُشمنن گن دارُن ہلم غنیمت[ا]

مرحوم غلام احمد مہجور آزاد کے قریبی دوست تھے۔ شاعری کے میدان میں دونوں ایک دوسرے سے متاثر تھے۔ بہت ہی قریبی اور خاص احباب میں خواجہ غلام

ا۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفہ نمبر 425۔

محمد ڈار زوہامہ کا نام سرِفہرست ہے۔ مسماۃ مختی کی زبانی: ''خواجہ غلام محمد ڈار اُنکے بہت ہی قریبی اور خاص دوست تھے اور زیادہ تر وقت اُنکے ساتھ ہی گذارتے تھے۔''[۱] اسکے علاوہ شری پریم ناتھ بزاز، شری جیا لعل کول، ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو، ڈاکٹر اومکار ناتھ ٹھسو، خواجہ کبیر بابا (زوہامہ کا ایک باشندہ) شری دینا ناتھ پارمو، شری مکھن لال محو وغیرہ آزاد کے احباب میں خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذِکر ہیں۔

(14) سنگیت کے ساتھ وابستگی:

آزاد کی دلی تمنا تھی کہ اُنکی نظموں اور غزلوں کو سنگیت کے جھولے میں ڈالکر راگوں کی دِلکش اور سُریلی پھہاروں سے جھولا جائے۔ سنگیت کے ساتھ اُنکی بڑی دلچسپی تھی، لیکن خود پوری طرح سے اِس میں ماہر کار نہیں تھے۔ آزاد کے احباب کا ذِکر تو ہم کر چُکے ہیں لیکن سنگیت کے میدان کے اُنکے جوڑی دار الگ ہیں۔ مُسماۃ مُختی کے الفاظ میں: ''اُنکے علاوہ چار سنگیت کار دوست بھی تھے۔ زوہامہ کے رمضان ڈار شودہ، شعبان پرے، رانگر کے خالق ڈار اور غلام حسن ڈار (متبنیٰ بیٹا)۔''[۲] جب کبھی آزاد اپنے معمول کے کام کاج سے بیزار ہو اُٹھتے تھے تو سنگیت کی محفل میں بیٹھ کر کچھ دیر کیلئے اپنی اُکتاہٹ دور کرکے روحانی سکون پالیتے تھے۔ وہ خود بھی سنگیت کے کچھ ساز بجانا جانتے تھے۔ اس ضمن میں زوجہ آزاد کا کہنا ہے: '' گانا سُننے کے شوقین

۱،۲۔ زوجہ آزاد کے ساتھ 21 نومبر 1967ء کی مُلاقات سے جانکاری ملی۔

خواجہ غلام محمد ڈار زوہامہ آزاد کے قریب ترین دوست گھر پر اپنے عزیز و احباب کے ساتھ محقق کو اپنا انٹرویو دیتے ہوئے۔ (تصویر میں ڈار صاحب محقق کے دائیں طرف بیٹھے ہوئے)

تاریخ ۱۴ ماہ مئی ۱۹۶۷ء در واقعہ زوہامہ، کشمیر۔

تھے۔ خود ستار بھی بجایا کرتے تھے اور گھر میں اپنے رفیق سنگیت کاروں کی محفل سے لُطف اندوز ہو اُٹھتے تھے۔''[۱] ایسی ہی ایک سنگیت کی محفل کا تذکرہ شری دینا ناتھ پارمو نے بھی کیا ہے اور انھیں بھی پہلی بار آزاد کے گھر پر رات بھر رہنے کا موقع نصیب ہوا ہے۔ لکھتے ہیں: ''شام کے وقت آزاد صاحب کے چند اور دوست بھی جمع ہوئے۔ یہ لوگ دِن بھر کی کھیتی باڑی کے کام سے فارغ ہو کر شام کو آزاد صاحب کی سنگت میں وقت گذارنے کے عادی تھے۔ چنانچہ گانے بجانے کی محفل خوب جم گئی، جتنی بھی غزلیں گائی گئیں، سب آزاد کے غور و فکر کے خزانے کی دولت تھی۔ اس دولت کو وہ ان سنگیت کاروں کے ہاتھوں خرچ کرنے میں دلچسپی رکھتے تھے۔''[۲] شری الماس کا کہنا ہے کہ وہ بھی کبھی کبھی آزاد کے گھر ان سنگیت کی محفلوں میں گلوکاروں کے ساتھ شرکت کرتے تھے کیونکہ اُنکی آواز بھی سُریلی تھی۔''[۳] اسکے علاوہ کشمیری روایت کے مطابق شادی بیاہ کے موقعوں پر ہم گانے والے کلاکاروں کو دعوت دیکر ان سے رات بھر گانا گواتے ہیں اور اس کے عوض انھیں اُجرت دیتے ہیں۔ لیکن اب دھیرے دھیرے یہ روایت ختم ہوتی جا رہی ہے۔ لیکن آزاد کے پڑوس میں جہاں کہیں بھی گانے کی ایسی محفل ہوتی تھی تو وہ ضرور وہاں جاکر گانا سُنتے تھے۔[۴] اس پورے تذکرے سے ہمیں یہ واقفیت ہو جاتی ہے کہ آزاد سنگیت کے کتنے مداح تھے۔

۱،۴۔ زوجہ آزاد کے ساتھ 21 نومبر 1967ء کی مُلاقات سے جانکاری ملی۔

۲۔ آزاد ایک دوست کی نظر میں۔ شری دیناناتھ پارمو۔ تعمیر آزاد نمبر۔ لالہ رُخ اشاعت 1958ء صفہ نمبر 65۔

۳۔ شری کرشن لعل کے ساتھ ملاقات کے دوران دریافت ہوا۔

(15) دیہاتی زندگی اور سیاحت:

آزاد دیہاتی زندگی سے پوری طرح متاثر تھے۔ گاؤں میں پیدائش پا کر انھوں نے اپنی پوری زندگی گاؤں کے ہی ماحول میں گذاری۔ محنتی کسانوں کی سادہ زندگی اور طور طریقوں کا آزاد کی زندگی پر ایک خاص اثر تھا۔ شہروں کی دکھاوٹ سے انھیں کافی نفرت تھی، اسلئے گاؤں کے پُر فضا ماحول میں ہی انھیں زندگی کی خوبصورتی کا احساس ہوا۔ دیہاتی کامگاروں کے مسایل ہی اُنکے مسایل تھے جنکی عکاسی ہمیں انکی کئی تخلیقوں میں ملتی ہے۔ لاچار کسانوں کے بیچ رہ کر ان کے دل میں اُنکی کافی ہمدردی تھی، انکے غم کو اپنا غم اور خوشی کو اپنی خوشی سمجھتے تھے۔ لاچاروں کی مدد کرنا اور انکی ہمت بڑھانا اپنا فرض مانتے تھے۔ زوجہ آزاد کے بیان کے مطابق: ''کوئی پریشان ہوتا تو اُسکی باتیں سنکر اُسکی پریشانی کم کرتے تھے۔''[1]

آزاد کو اچھی طرح معلوم تھا کہ ملک کی خوشحالی اور ترقی ملک کے کسانوں پر منحصر ہے۔ اسلئے ان پر ہو رہے حُکمرانوں کے ظُلم و تشدد کے خلاف انھوں نے آواز اٹھائی اور تاحیات اپنی قوت قلم سے اِسکے خلاف لڑتے رہے۔ ایک چھوٹے سے گاؤں میں رہ کر آزاد کو قدرت کی سبھی نعمتیں میسر ہوئیں پھر بھی گاؤں کے محدود ماحول میں بہت سی ایسی سہولیات میسر نہیں ہوسکیں جو انسانی زندگی کے ارتقا کیلئے اہم ہوتی ہیں۔ اُنکی زندگی ایک ایسے گاؤں میں بیتی جہاں جدید تہذیب کی کرنیں بہت کم پہنچی تھیں۔ لیکن اتنا ہونے پر بھی

ا۔ زوجہ آزاد کے ساتھ 21 نومبر کی مُلاقات کے دوران جانکاری سے۔

ہمیں آزاد کی شخصیت میں اس لحاظ سے کوئی کمی دکھائی نہیں دیتی ہے۔ شری شمیم احمد شمیم لکھتے ہیں: ''ایک گاؤں میں پیدا ہو کر اپنی زندگی کا زیادہ تر وقت انھوں نے سکول مدرس کے طور پر گاؤں میں ہی گذارا۔ انھیں شہر کے عقلمند سماج میں رہنے کا موقعہ نہیں ملا۔ گاؤں کی زندگی اپنی سادگی، اپنی خوبصورتی، اپنی پوری رنگینیوں کے ہوتے ہوئے بھی محدود ہوتی ہے۔ یہاں زندگی کے وسیع میدان سمٹ کر رہ جاتے ہیں۔ یہاں زندگی کی رفتار بڑی سُست اور دھیمی ہوتی ہے۔ لیکن آزاد نے گاؤں کے اس محدود دایرے کو اپنے خیالات کے ذریعے وسیع بنا دیا۔''[۱]

آزاد کو گھومنے پھرنے میں بھی خاص دلچسپی تھی۔ انھوں نے 'کشمیری زبان کی تاریخ' جو کہ اب 'کشمیری زبان اور شاعری' کے نام سے شایع ہوئی ہے، لکھنے کیلئے پوری کشمیر گھاٹی کا سفر کیا۔ پہاڑی اور جنگلی علاقوں میں بہت ساری مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے اور خرچہ اٹھانے کے بعد قدیم شعرا کی نایاب تصانیف اور مُصدقہ سوانح عمریاں اکٹھا کرنے کیلئے پہنچ جاتے تھے۔ اس تحقیق کے پیچھے انکی گھومنے کی دلچسپی بھی بہت حد تک کارفرما تھی۔ یہ کہنا بھی نامناسب نہ ہوگا کہ سیاحت کی خواہش کو پورا کرنے کیلئے یہ تحقیقی منصوبہ ایک بہانہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ زوجہ آزاد کے مطابق : ''وہ گھومنے کے عادی تھے...... سُرسیار میں وہ دودھ گنگا نالے کے کنارے گھوما کرتے تھے۔''[۲] اسکے

۱۔ آزاد کا شعور۔ شری شمیم احمد شمیم۔ تعمیر آزاد نمبر۔ لالہ رُخ اشاعت 1958ء صفہ نمبر 49۔

۲۔ 21 نومبر 1967ء کی زوجہ آزاد کے ساتھ ملاقات میں دریافت۔

علاوہ ایک مدرس کے ناطے بھی وہ طلبا کو دور دور جگہوں پر ایکسکرشن کیلیئے لے جاتے تھے۔ گھومنے پھرنے کی دلچسپی طلبا میں بھی جگانا چاہتے تھے۔ خواجہ غلام محمد ڈار کے الفاظ میں: ''آزاد سیر سپاٹے کے بڑے شوقین تھے۔ کبھی کبھی طلبا کو لیکر ایکسکرشن کو جاتے۔ چونکہ ایک بار سُرسیار گاؤں سے وہ رنگ داری ایکسکرشن کو گئے۔ یہاں ایک کائرو (چیڑ) درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے اور طلبا اس پیڑ کے چاروں طرف قطار میں بیٹھے تھے۔ وہیں پر 'ونچ یأر' نام کی نظم لکھنے کی ترغیب ملی۔''[۱] اُنکی یہ نظم بہت ہی مشہور ہوئی اور اُنکی شاعری میں ایک سنگ میل کا کام کرگئی۔ ایک مثال یوں پیش ہے:

رنگہٕ وأرِ ڈیٹھمکھ پٹھ سُرسیاری
سازس سۆز گوٗم جأری یے
أندی أندی أسہم ژاٹہٕ بأژ سبأری
سگ دِتٕے کٔمۍ ونچ یأری یے[۲]

یہ بات ذہن نشین ہونی چاہیئے کہ آزاد زندگی بھر کبھی کشمیر کی وادی سے باہر نہیں گئے تھے۔ یہاں تک اپنی ہی ریاست کے دوسرے صوبے جموں بھی کبھی نہیں گئے تھے۔[۳]

۱۔ آزاد ایک ذاتی تاثر۔ غلام محمد ڈار۔ تعمیر آزاد نمبر۔ لالہ رُخ اشاعت۔ 1956ء صفہ نمبر 62۔
۲۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ لالہ رُخ اشاعت دوم صفہ نمبر 70۔
۳۔ 11 ماہ مئی 1967ء کے دن خواجہ غلام علی ڈار کے ساتھ مُلاقات سے معلوم۔

(16) سادہ طبیعت اور خوش مزاجی:

آزاد بہت ہی سادہ طبیعت کے انسان تھے۔ دھوکہ دہی اور بناوٹ کبھی انکی زندگی کا حصہ نہ بن سکی۔ اُنکے سامنے سبھی یکسان تھے اور اونچ نیچ ہونے کا سوال ہی نہیں تھا۔ نہ کسی کے دل کو ٹھیس پہنچاتے اور نہ ہی کسی کے احساس پر چوٹ کرتے تھے۔ وہ کبھی بیکار کی مجلسوں میں بیٹھ کر گپیں مار کر اپنا قیمتی وقت ضائع نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی شریکِ حیات کے ساتھ بھی ضرورت سے زیادہ نہیں بولتے تھے۔ زوجہ آزاد کا اس بارے میں یہ کہنا ہے کہ: ''میں ان سے شرماتی تھی۔ اُنکے سامنے کھُل کر باتیں کرنا میں بے شرمی سمجھتی تھی۔ یہاں تک کہ گاؤں کے سبھی لوگ انھیں احترام کی نظر سے دیکھتے تھے۔ تنہائی پسند ہونے کی وجہ سے عام لوگوں کے ساتھ بھی گھُل مل نہیں ہوتے تھے۔ عام طور پر دوسروں کے جھگڑوں میں نہیں پڑتے تھے۔''[1] آزاد سادہ فطرت کے ایک جذباتی شخص تھے اور خیالات بھی بہت ہی اونچے اور پاک تھے۔ دوسروں کو مصیبت میں مُبتلا دیکھ کر خود پریشان ہو اُٹھتے تھے۔ زوجہ آزاد اس ضمن میں کہتی ہیں: ''آزاد نازک دِل ہونے کے ساتھ ساتھ بہت ہی سنجیدہ شخصیت کے مالک تھے اور غریبوں کے ہمدرد تھے۔ اگر کسی مُفلس کو دیکھتے تو اُسکی مدد کرتے تھے۔ اکثر غریب غُربا گھر میں آتے تو انھیں کپڑا وغیرہ دے جاتے۔ ایک فنکار جِسکا نام راحت بھگت تھا، وہ بہت غریب تھا۔

ا۔ 21 نومبر 1967ء کے دن زوجہ آزاد کے ساتھ مُلاقات سے دریافت۔

وہ اُنکے پاس آتا تھا اور آزاد صاحب اُسکی کافی مدد کرتے تھے۔ یہ راحت بھگت ہانجی گُنڈ واہتھورا کا رہنے والا تھا۔"[۱] اسطرح سے آزاد کی غریبوں و لاچاروں اور مُصیبت زدہ لوگوں کے ساتھ، ہمدردی کی عکاسی عیاں ہو جاتی ہے۔

آزاد کی سب سے بڑی خاصیت انکا مُصمم ارادہ تھی۔ جس کام کو کرنے کا ارادہ کرتے اُسے پورا کرکے ہی دم لیتے تھے۔ 1943ء میں شری دینا ناتھ پارمو پہلی بار بحیثیت اسٹنٹ ڈِسٹرکٹ انسپکٹر سکولز آزاد کے سکول میں بغرض معائنہ چلے گئے، تو وہاں آزاد کی شخصیت سے کافی متاثر ہو اُٹھے تھے۔ پھر آزاد نے اُنکو اپنے یہاں ٹھہرنے کی دعوت دی، لیکن پارمو صاحب بہت دیر تک اس دعوت نامے کو ٹالتے رہے۔ مگر مُصمم ارادے کا شخص پیچھا کیسے چھوڑ سکتا تھا، اسلئے آزاد کے گھر پر رات بھر کی مہمانی قبول کرنی پڑی۔[۲]

ایک بار آزاد اپنے دوست خواجہ غلام محمد ڈار کے ساتھ اننت ناگ ضلع کے ژکپتھ گاؤں جا رہے تھے۔ یہاں غلام محمد کا کوئی دوست قیام پزیر تھا اور آزاد اپنے تحقیقی منصوبے کے سِلسلے میں اُسے ملنے جا رہے تھے۔ غلام محمد کے دوست نے اپنے فرزند غلام حسن کو آزاد صاحب کے لئے گھوڑا لیکر اننت ناگ بھیج دیا تاکہ آزاد پیدل چلنے کی بجائے گھوڑے پر سوار ہو کر انکے گھر تک آ جائیں۔ آزاد گھوڑے پر چڑے اور غلام حسن گھوڑے کے پیچھے پیچھے چلنے

۱۔ 21 نومبر 1967ء کے دن مسمات مختی کے ساتھ انٹریوں کے دوران دریافت۔

۲۔ آزاد یک دوست کی نظر میں۔ شری دینا ناتھ پارمو۔ تعمیر آزاد نمبر۔ لالہ رُخ اشاعت 1958ء صفہ نمبر 65۔

لگے۔ کچھ دیر چلنے کے بعد آزادؔ گھوڑے سے اُتر کر غلام حسن کو گھوڑے پر چڑنے کیلیئے کہنے لگے۔ اُس نے نہیں مانا اور آزادؔ صاحب کی ضد پر وہ رو پڑا اور گھوڑے پر چڑنا نہیں چاہا لیکن اُس دُھن کے پکے آدمی کے سامنے ایک نہ چلی اور اُسے گھوڑے پر چڑنا ہی پڑا اور آزادؔ پیچھے پیچھے چلتے رہے۔[1] اس بات سے صاف ہو جاتا ہے کہ آزادؔ خود اعتمادی اور مُصمم ارادے کے دھنی تھے۔

مذہب کے بارے میں آزادؔ کا نظریہ بہت وسیع تھا۔ اُن مذہبی رسموں کی طرف وہ راغب نہیں ہو سکے جنھیں وہ ذہنی طور پر ماننے کو تیار نہیں تھے۔ آزادؔ کی بیوی کے الفاظ میں: ''وہ مذہبی بندشوں سے پوری طرح آزاد تھے۔ نماز، روزہ جیسے مذہبی رسوم کے ساتھ دلچسپی نہیں تھی۔''[2] لیکن یہاں پر اس بات کو واضح کرنا ضروری ہے کہ آزادؔ مذہب کی حقیقت سے کبھی دور نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ مذہب کے وسیع اور اُونچے فلک پر اڑان بھرنے کا اُن میں حوصلہ بیدار ہُوا تھا۔ جہاں تک مذہب کا تعلق ہے، سبھی مذاہب آدمی کو ایک ہی درس دیتے ہیں اور وہ درس ہے اِنسانیت کا۔ چاہے ہندو دھرم ہو چاہے اسلام یا سکھ و عیسائی یا اور کوئی عالمی دھرم ہو۔ سبھی آپسی بھائی چارے اور یکجہتی کی تعلیم دیتے ہیں۔ کوئی مذہب دوسرے کسی مذہب کے ساتھ نفرت یا حقارت کرنے کی اجازت نہیں دیتا ہے۔ ایک ہندو کو دوسرے مذاہب کا اُتنا ہی

۱۔ آزادؔ ایک ذاتی تاثر۔ خواجہ غلام محمد ڈار۔ تعمیر آزادؔ نمبر۔ لالہ رُخ اشاعت 1958ء صفہ نمبر 62۔

۲۔ 21 نومبر 1967ء کی زوجہ آزادؔ کے ساتھ مُلاقات سے معلوم ہوا۔

احترام ہونا چاہیے جتنا کہ وہ اپنے مذہب کے ساتھ کرتا ہے تبھی اسے سچا ہندو کہا جا سکتا ہے۔ اسی طرح ایک مُسلمان کو دوسرے مذاہب کا اُتنا ہی احترام ہونا چاہیے جتنا کہ وہ اپنے مذہب کے ساتھ کرتا ہے تبھی وہ سچے مُسلمان کے زُمرے میں آ سکتا ہے۔ اسطرح جب ہم اس بات سے اتفاق رکھتے ہیں کہ بھگوان یا خُدا ایک ہی ہے، وہی رام بھی ہے اور رحیم بھی، تو اسطرح اس مذہبی لاعلمی، تعصب اور تنگ نظری کو کسی بھی مذہب میں کوئی مقام حاصل نہیں ہے۔ ہر انسان اُسی قادر مُطلق یا پرماتما کی پیدائش ہے۔ اسی حقیقت سے آزاد باخبر تھے اور وہ آدمی کے بیچ کوئی فرق نہیں کرتے تھے بلکہ وہ اُن لوگوں سے کوسوں دور رہنا پسند کرتے تھے جو مذہب کی بنا پر ایک دوسرے سے نفرت کرتے تھے۔ اُنکے سامنے ہندو اور مُسلمان یا اور کسی مذہب کے لوگ، سب برابر تھے۔ مذہب کی بنا پر وہ لوگوں میں کوئی الگاؤ نہیں مانتے تھے۔ مذہبی تنگ نظری سے وہ بیزار ہو اُٹھتے تھے اور اسی لئے مذہب کے اس تنگ دائرے کو پھاڑ کر وہ آزاد ہو گئے۔ انکی نظر میں ایک سچا مُسلمان وہ ہے جو حقیقت میں انسان ہے اور انسانیت کا پیروکار ہے۔ کھُلے طور پر کہیں تو آزاد کا مذہب انسانیت کے ستونوں پر مبنی اسلام تھا۔ اسطرح جو لوگ آزاد سے اس سِلسلے میں ناخوش رہے ہیں حقیقت میں وہ اُنکی اپنی لاعلمی ہے۔ اگر آزاد اپنے آپکو ایک سچا مسلمان نہیں مانتے تو ایسا خوددار اور مردِ باضمیر شاعر ذیل کی سطور لکھنے کی کبھی ہمت نہیں کرتا:

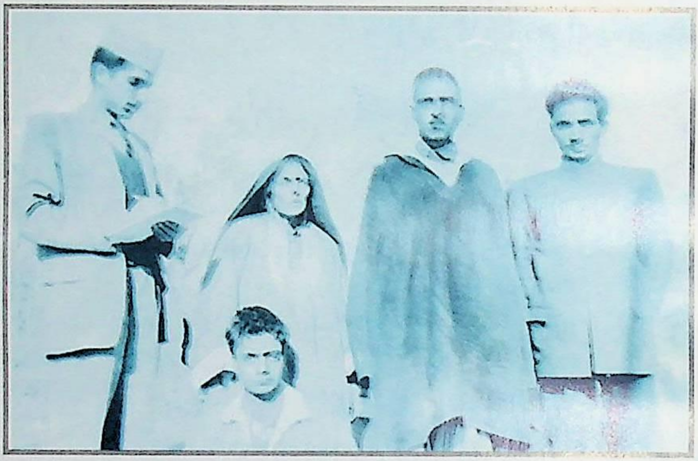

رانگر گاؤں میں عشق زوجہ آزاد اور آزاد کے بھتیجے خواجہ محمد صدیق ڈار (جاوید آزاد کے بڑے بھائی)
کے ساتھ دوران انٹرویو، تصویر میں بالترتیب بائیں سے نمبر دو اور نمبر تین
تاریخ ۲۱ ماہ نومبر ۱۹۶۷ء

نہ مَنز کعبس نہ بُتخانس چھُ آزاد

تتھِس مردِ مُسلمانس مبارک اُ

آزاد کبھی بیکار اور معمولی باتوں پر توجہ نہیں دیتے تھے۔ ایک بار اُنکے دوست غلام محمد ڈار نے اُسے کہا تھا کہ انکی شاعری کا لوگ اپنی تغلیقوں میں استعمال کرتے ہیں۔ اس پر آزاد کا جواب انکے ہی الفاظ میں پیش ہے : ''شاعر ایک خاص اصرار سے خاص حالات یا ماحول سے متاثر ہو کر کہتا ہے۔ اُسکی قید نہیں کہ جو جہاں چاہے، جس طرح چاہے اُنسے کام لے۔'' اپنے نفا نقصان کی فکر کئے بغیر ہر وقت رشتہ داروں اور دوستوں کی مدد کیلئے حاضر رہتے تھے، چاہے اس کے لئے اُنھیں ذاتی نقصان ہی کیوں نہ اُٹھانا پڑے۔ ۲

خوش مزاجی کی صِفت بھی آزاد کے وِرثے میں آئی تھی مرحوم غلام علی ڈار کے الفاظ میں : ''آزاد ہنسی مذاق کے بہت ہی عادی تھے۔ گھر پر جس وقت محفل لگا کرتی تھی، اپنے دوستوں کے ساتھ خوب ہنسی مذاق اُڑایا کرتے تھے۔ لیکن اپنے اہل خاندان کے ساتھ زیادہ ہنسی مذاق نہیں کرتے تھے۔''۳ تنہا پسند ہونے کی وجہ سے کم بولتے تھے لیکن جب اپنے احباب کی سنگت میں ہوتے تو اُنکے طنز و مزاح کی کوئی حد نہیں رہتی تھی۔ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو کے مطابق : ''وہ شرین سُخن تھے لیکن کچھ شرمیلے تھے۔ اس وجہ سے کم بولتے تھے۔ لیکن اپنے قریبی دوستوں میں بیٹھ کر بہت زیادہ بولتے تھے۔ یاداشت بھی بہت تیز تھی۔ ۴

ا۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو اشاعت دوم کلچرل اکادمی صفہ نمبر 386۔

۲۔ آزاد ایک ذاتی تاثر۔ غلام محمد ڈار۔ تعمیر آزاد نمبر۔ لالہ رُخ اشاعت 1958ء صفہ نمبر 62۔

۳۔ 11 ماہ مئی 1967ء کے دِن خواجہ غلام علی ڈار کے ساتھ بات چیت سے معلوم ہوا۔

۴۔ آزاد۔ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ تعمیر آزاد نمبر۔ لالہ رُخ اشاعت 1958ء صفہ نمبر 8۔

(17) خود اعتمادی، دلیری اور ہمت افزائی :

آزاد تاحیات خود اعتمادی کے بھروسے ہی جیتے رہے۔ وہ ہمیشہ بھروسے کے ساتھ زندگی کی مشکل ڈگر پر ایک بہادر سپاہی کی طرح گامزن رہے۔ پروفیسر پرتھوی ناتھ پُشپ کے مطابق: ''آزاد کی شخصیت میں خود اعتمادی واوروں کی پریشانی کا مرکب پایا جاتا ہے...... خود اعتمادی ان میں اتنی تھی کہ بڑے سے بڑا افسر بھی سکول کے معائنہ پر آتا تو انھیں ذرا بھی گھبراہٹ نہیں ہوتی تھی بلکہ بڑے اعتماد کے ساتھ کام میں لگے رہتے جیسے کوئی غیر معمولی کی بات ہی نہ ہو۔''[1] اس ضمن میں محکمہ تعلیم کے ایک افسر جو آزاد کے سکول میں معائنہ کیلئے گئے تھے، لکھتے ہیں: ''بلیک بورڈ پر بہت ہی خوشخط الفاظ لکھے گئے تھے، جنکا مطلب بچوں کو سمجھا رہے تھے۔ مجھے دیکھکر انھیں نہ کوئی تعجب ہُوا اور نہ ہی کوئی جھجھک پیدا ہوئی۔ ہیڈ ماسٹر صاحب مُجھے دیکھکر ایک دم حیران ہو اُٹھے اور اچانک کھڑے ہو کر چولا (پھرن) اتار پھینکا۔ اسکے برعکس آزاد اپنا فرض انجام دیتے رہے۔''[2]

آزاد کو اس بات کی ذرا بھی فکر یا خواہش نہیں تھی کہ کوئی اُنکی تحسین میں گیت گائے اور نہ ہی اس بات کے لئے انھوں نے کبھی کوئی خواہش یا کوشش دِکھائی۔ انھیں اس بات کی کوئی پرواہ نہیں تھی کہ لوگ انکے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں۔ ہمیشہ اپنے کام سے کام رہتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اُنکی

۱۔ آزاد۔ پروفیسر پی۔این۔ پُشپ۔ تعمیر آزاد نمبر۔ لالہ رُخ اشاعت 1958، صفہ نمبر 8۔

۲۔ آزاد ایک دوست کی نظر میں۔ شری دینا ناتھ پارمو۔ تعمیر آزاد نمبر۔ لالہ رُخ اشاعت 1958، صفہ نمبر 65۔

حیاتی میں عام لوگوں کا اُنسے تعارف نہ ہو سکا اور وہ اس عظیم شخصیت سے غافل ہی رہے۔[1] اُنکی یہی خود اعتمادی مندرجہ ذیل شعر میں صاف طور پر جھلکتی ہے :

عالم ہا کرِ یاد آزاد آزاد

کُنہِ ساتہِ وُچھِتہِ یاد پاوِ ئے مدنو[2]

آزاد کی ہمت افزا شخصیت کا تعارف ہمیں اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ ایک سرکاری نوکر ہوتے ہوئے بھی وہ حکمرانوں کے ذریعے کئے گئے ظلم وتشدد کے خلاف آواز بلند کرتے تھے۔ اپنے وقت کے سیاسی نظام میں انھیں جب کوئی نقص یا تنگی نظر آتی تھی تو اس سے دور رہتے تھے۔ شری مکھن لال محو اس بارے میں یوں کہتے ہیں: ''کچھ وقت کیلئے شری پریم ناتھ بزاز نیشنل کانفرس کے ذریعے چلائی گئی تحریک کے خلاف تھے۔ نیتجتاً آزاد بھی اس تحریک کے حامی نہیں تھے۔ اس تحریک کے ایک صاحب مقدور جانباز شیخ محمد عبداللہ جو اُس وقت مذہبی زدگی کو چلینج دے رہے تھے اپنے بارے میں کوئی تنقید برداشت نہیں کرتے تھے۔ اسلئے آزاد نے نہ شیخ محمد عبداللہ پر اور نہ ہی اُنکی اس تحریک پر کبھی ایمان لایا۔''[3] وقتاً فوقتاً آزاد حکمران طبقے کی خواہشوں کو ٹھکراتے رہے۔ حُکام نے کئی بار آزاد کی قلم کو خریدنے کیلئے اور انکا مُنہ بند رکھنے کیلئے بے سود کوششیں کیں۔ شری بزاز کے مطابق :

۱۔ آزاد۔ آخری دور کے چند نقوش۔ ڈاکٹر اوم کا ناتھ کول۔ تعمیر آزاد نمبر۔ لالہ رُخ اشاعت 1958ء صفہ نمبر 70۔

۲۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ کلچرل اکادمی اشاعت دوم صفہ نمبر 406۔

۳۔ 18 فروری 1968ء کے دن شری مکھن لال محو کے گھر پر اُنکے ساتھ انٹرویو کے دوران دریافت ہوا۔

"Soon after the nationalists came to power in October, 1947, an organization known as "Cultural Front' was founded in Srinagar under official patronage of the supporters of the regime. Azad was invited to be its member. He declined. Attempts were made to coerce him through the authorities of the education department."1

اسطرح سے حاکمان وقت کا یہ خواب کہ آزاد کو کسی نہ کسی طریقے سے اپنی مُٹھی میں کر کے اُن کے قلم کو مفاد خصوصی کیلئے استعمال کیا جائے، خواب ہی رہ گیا۔ انھوں نے زندگی بھر غربت کے سہارے جینا پسند کیا مگر اپنے قلم کو بیچ کر دولت کمانا کبھی گوارا نہ کیا۔ جس قلم کو حکمران طبقہ خریدنا چاہتا تھا اُسی قلم سے آزاد نے اُن پر طنز کے نوکیلے تیر برسائے۔۲ ایک بار خواجہ غلام احمد عشائی، اُس وقت کے محکمہ تعلیم کے انسپکٹر نے محکمہ کے ایک افسر کے ہاتھ کسی تقریب کے سِلسِلے میں شمولیت کیلئے خط بھیجا۔ مگر آزاد نے اس تقریب میں نہ جانے کی خواہش ظاہر کی۔ اس پر اُس افسر نے آنے کیلئے ضد کی تو آزاد نے کہہ دیا کہ وہ اِسلئے تقریب میں نہیں آنا چاہتے ہیں کیونکہ وہاں پر جھوٹی قصیدہ خوانی کرنی پڑے گی جو ان سے نہیں ہو سکتا ہے۔۳

1. History of struggle for freedom in Kashmir by Sh. P.N. Bazaz. Edition 2003, P.N. 301.

۲۔ ڈاکٹر اومکار ناتھ ٹھسو کے ساتھ 11 اگست 1968ء کی مُلاقات میں معلوم۔

۳۔ آزاد ایک دوست کی نظر میں۔ شری دینا ناتھ پارمو۔ تعمیر آزاد نمبر، لالہ رُخ اشاعت 1958ء، صفہ نمبر 68۔

آزاد نے کبھی ہمت کا سہارا نہیں چھوڑا۔ آج کے زمانے میں جبکہ لوگ دولت کو سب کے اوپر ترجیح دیتے ہیں، آزاد نے اپنی ہمت کو ہی سب سے بڑا خزانہ مانا تھا۔ یہ اُنکی ہمت ہی تھی کہ سیاسی، سماجی اور مذہبی حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے انھوں نے اپنی شخصیت پر کوئی داغ نہ لگنے دیا۔ انکے طرز فکر کو کبھی ٹھیس نہیں پہنچی، بلکہ وہ ہمیشہ آگے ہی گامزن رہے۔[۱] آزاد کی ہمت کا ایک اور ثبوت ہمیں اس بات سے ملتا ہے کہ کم پڑھا لکھا ہونے کے بعد بھی بڑی بڑی مجلسوں میں بولنے سے کبھی شرماتے نہیں تھے۔ بحث مباحثوں میں بھی بے روک بولتے تھے اور سُننے والے دنگ رہ جاتے تھے۔[۲] پروفیسر پرتھوی ناتھ پُشپ کے مطابق: ''انسان دوستی کی کٹھن ڈگر پر آزاد کے قدم کبھی ڈگمگائے تک نہیں۔ اُنکا سر کسی بھی شدید حالت میں جھکا نہیں۔ وہ کسی طرح کا تنگ نظریہ اور جھوٹی تعریف برداشت نہیں کر سکتے تھے۔''[۳] مختصر طور پر یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ آزاد تادم حیات جدوجہد کی ہی زندگی گذارتے رہے اور کبھی بھی زندگی کی مشکلات سے خوف زدہ نہیں ہوئے۔ حقیقت میں اُنکی شخصیت ہر لحاظ سے عظیم ہے۔

۱۔ انسانیت کا شاعر۔ شری پریم ناتھ بزاز۔ صفہ نمبر 19۔

۲۔ آزاد چند تاثرات۔ شری جیالال کول۔ تعمیر آزاد نمبر، لالہ رُخ اشاعت 1958ء صفہ نمبر 30۔

۳۔ ادب اور سماج آزاد کی نظر میں (مظمون) پروفیسر پشپ تعمیر آزاد نمبر۔ لالہ رُخ اشاعت 1958ء صفہ نمبر 47۔

(18) فلسفہ حیات:

آزاد کے فلسفہ حیات پر غور کرنے سے پہلے اگر ہم اُنھیں کوئی چولا پہنانا چاہیں تو بلاخوف تردید ہم انھیں انسانیت کے چولے سے ملبوس کر سکتے ہیں۔ اُنکی ذاتی زندگی کی عمارت اسی نظام کی بُنیاد پر کھڑی ہے۔ زندگی کے بارے میں انکا نظریہ بہت ہی وسیع اور بیداغ ہے۔ شاعر کی پیدائش سیاسی غلامی اور سماجی ظلم و جبر کے گھُپ اندھیرے میں ہوئی اور ساری زندگی اسی تاریکی اور زوال کے ماحول میں گذر گئی۔ ایسی غیر معمولی دشواریوں سے گذرتے ہوئے انھوں نے کبھی بھی ہمت کی لاٹھی چھوڑ کر مایوسی کا دامن نہیں پکڑا۔ وہ ہمیشہ ہی ان غیر انسانی اور خوفناک حالات سے بھڑتے رہے اور کبھی نا انصافی سے سمجھوتا نہیں کیا، بلکہ لگاتار اسکے خلاف آواز اُٹھاتے رہے۔ زندگی کے شروعاتی برسوں میں آزاد نے مذہبی کتابوں کا مطالعہ ضرور کیا اور کسی حد تک اس دائرے میں سما بھی گئے لیکن جب انکا مطالعہ اور تفکر سنجیدہ ہوتا گیا تو وہ مذہب کے حقیقی پہلو سے روشناس ہوئے اور اسکے حقیقی مقصد کو سمجھ سکے۔ مذہب کی صورت حال کو دیکھ کر وُہ بہت ہی پریشان تھے اور یہی وجہ ہے کہ انھوں نے مذہب کے مروجہ طور طریقوں کے خلاف اپنی آواز اُٹھائی اور نتیجے کے طور پر وہ ان بندشوں اور تنگ ذہنی سے باہر نکل گئے۔ انھوں نے دیکھا کہ مذہب کے اس تنگ نظریے سے ہی لوگ آپس میں ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگے۔ مذہب کے درپردہ ظلم وستم اور ڈھونگ پنپنے لگا ہے۔ اسی وجہ سے دو بھائی ایک دوسرے سے الگ ہو گئے ہیں۔ آزاد اس صورت حال کو

اپنانے کیلئے کبھی تیار نہیں ہوئے اور صاف الفاظ میں باواز بُلند کہہ دیا۔

دوگِنیار چھُ یِیلہِ مطلب پۆزایہِ نمازن ہُنٛد
سوزس بہ بخشائش بیٚیہِ توٚری لدِتھ ڈالے[۱]

مذہب کی آڑ میں لوگ گناہ اور بدکاری کے ذریعے روز بروز اپنا اقتدار بڑا رہے ہیں۔ ان پڑھ اور مُفلس عوام کو مذہب کے نام پر کثیر دُکھ جھیلنے پڑتے ہیں اور ان کو مذہب کے ٹھیکیداروں کی غلامی قبول کرنی پڑتی ہے۔ یہ سب دیکھتے ہوئے بھی خداوند تعلیٰ انھیں کوئی تدارُک نہیں کرتے بلکہ خاموش لب ہو کر ان ظالموں کو لوگوں پر بے پناہ ظُلم ڈھانے اور زیادہ زوراور بننے کیلئے تائید غیبی عطا کر رہے ہیں۔ اس طرح ثواب کا زوال اور گناہ کی فوقیت دیکھتے ہوئے آزاد کا بھروسہ ڈگمگانے لگا اور کہہ ڈالا:

کتیٚ یوٚچھِ ہیٚتِ آرِ کتیٚ گئیہِ آسمانس کُن وُچھان
لامکانس پیٚٹھ تہِ دیارن ہُنٛد خزاناہ آسہِ ہے[۲]

انسانیت کے علمبردار اُس عظیم کلاکار نے مذہب کی مروجہ صورت حال کو لوگوں کی ترقی اور سماجی خوشحالی کے راستے کی روکاوٹ ہی مان لیا۔ انکے مطابق آدمی مذہب کے قریب آنے کیلئے جتنے قدم آگے بڑھاتا ہے اُتنے ہی قدم وہ انسانیت سے دور بھی چلا جاتا ہے۔ اسی بنا پر وہ مذہبی میدان سے ہٹ کر چلنے لگے جسکی صحیح عکاسی ہمیں ذیل کے شعر میں ملتی ہے۔

۱،۲۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ کلچرل اکادمی اشاعت دوم صفہ 237، 242۔

نہ مَنز کعبس نہ بُت خانس چھُ آزاد
یتھِس مردِ مُسلمانس مُبارک!۱

مظلوم عوام پر استحصال ہوتے دیکھ کر آزاد درد سے کراہ اُٹھتے۔ سامراج وادی ان پر ظُلم ڈھاتے شرم سار بھی نہیں ہوتے تھے، بلکہ رشوت دینے کیلئے لوگ مجبور تھے۔ مذہبی بساط کا بھی یہی حال تھا۔ کسان کی اس غلامی کی تصویر نیچے دی گئی سطور میں عیاں ہے:

تیم ییلہِ راکھِ فأرِشٹر دِمکھ نےَ کینْہہ اَنن رینجر
گرِھسم ورِ زِیُن ہتہِ سرکأرِ بہٕ نو ذرٕ عُشقہ بیمأری!۲

آزاد کو ایسی سیاست پر کوئی اعتماد نہیں تھا اور وہ زندگی بھر سامراج شاہی کی مخالفت کرتے رہے۔ظالم اور مظلوم کے بیچ کی کھائی کو پاٹنے کی کوشش وہ اپنے زورِ قلم سے برابر کرتے رہے۔ سامراج واد کو وہ انسانیت اور انسانی پیش رفت کے منافی مانتے اور طبقاتی فرق کو جڑ سے اکھاڑنا چاہتے تھے۔ انکا ماننا تھا کہ سماج کی یہ کھوکھلی عمارت مزدور کے کندھوں پر کھڑی ہے اور وہ کبھی بھی اس نقلی اور مذموم سماجی اقتدار کو مِٹا کر انسانی اور جائز طور پر سماج کی بنیاد رکھ سکتا ہے۔ انکے مطابق اسکے لئے ہمت اور حوصلے کی ضرورت تھی اور مزدور جیسا مظلوم طبقہ ہی اس انقلاب کیلئے تیز اور طوفانی آندھی کی صورت اختیار کر سکتا ہے اور یوں کہا:

۱،۲۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ شری پدم ناتھ گنجو۔ کلچرل اکادمی اشاعت دوم صفہ نمبر 386، 277۔

چھُکھ شانہ بڈیو انقلابک تیز طُفاناہ
دیوار ڈھاسان نیر یتھ گنڈی وارِ موٗ زورو
غارتھ ژِ کڑکھ باج سوزی لامکانک راج
دامن ژےٚ کُن مُحتاجہ ہندی پاٗٹھی دارِ موٗ زوروا

آزاد کی دِلی خواہش تھی کہ پورے ملک میں سیاسی غلامی، سماجی ظُلم و اقتصادی نابرابری و بے رکرداری اور آپسی حسد کا خاتمہ ہو۔ اس کام کیلئے شاعر مظلوم اور پسماندہ طبقے کو ہی مناسب سمجھتے تھے۔ کیونکہ جس میں ظُلم برداشت کرنے کی قوت ہو وہی اس ظُلم کے خلاف آواز اُٹھا کر اُسکا مقابلہ بھی کر سکتا ہے۔ کیونکہ تنگ آمد ہی بجنگ آمد ہو سکتا ہے۔ اسی احساس کو جگانے کیلئے آزاد برابر اپنے قلم کا استعمال کرتے رہے۔ فرماتے ہیں:

چوٗن عیال کیاہ کران فاقہٕ وٕتن پیٹھ مران
چوٗن جکھُن راوٕ ران چاٗنی ژھوپہٕ تہٕ چاٗنی ماے۲

☆

وُچھتہٕ ژےٚ کُس حال گوٗے کیاز ِ ٕہس شال گوٗے
واے یہٕ کُس ؤہمہٕ پیوٗے واے دؤپُے کُمٕ یہٕ واے۳

صحت مند سماج کو تیار کرنے کیلئے شاعر نے ہر وقت انقلاب کو دعوت دی۔ وہ عدم تشدُد کے ہتھیار سے انقلاب لانا چاہتے تھے اور انقلاب سے اُنکا مطلب صرف سماجی بدلاو تھا۔ لیکن جہاں عدم تشدُد سے کام نہ بنے تو وہاں تشدُد سے

۱،۲،۳۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ کلچرل اکادمی اشاعت دوم صفہ نمبر 184،92،91۔

بھی پرہیز نہ تھا۔ نا انصافی اور بھید بھاو کے بدلے انصاف اور محبت چاہتے تھے۔ انکا ماننا تھا کہ انسان پیدائش قدرت ہے۔ اُسے قانون قدرت کے اندر ہی آپسی بھائی چارے اور پیار محبت سے رہنا چاہئے۔ یکسانیت، ہمدردی اور آزادی کے اصولوں کی حد میں رہ کر ہی زندگی کا لُطف اٹھانا چاہئے۔ انکے مطابق انسان تب تک انسانیت کی اونچی چوٹی تک پہنچ ہی نہیں سکتا ہے جب تک کہ وہ مذہبی اُلجھنوں سے اپنے آپکو آزاد نہ کرے۔ اِتنا ہی نہیں بلکہ شاعر چاہتے تھے کہ انسان اپنے ملک اور بیرون ملک میں بھی فرق کرنا چھوڑ دے۔ پوری دنیا کو اپنا وطن مان کر چلے جبھی وہ سچے معنوں میں اِنسان کہلائے گا۔ اُنکی نظر میں سارا عالم انکا اپنا ملک تھا۔ اس بنا پر آزادؔ کو 'citizen of the world' کہنا زیادہ موزوں ہو گا۔ آزادؔ کہہ اٹھتے ہیں:

ہند عرب رُوم چین فتنہ گرن ہُنٛد نِفاق
دٖین تہٕ ایمان کیٛاہ؟ لول گُنٛبر اتفاق
ذان دُوئی بۄڈ گوناہ مان گُنٛبر بۄڈ ثواب
یِی چھُ ونان انقلاب اُتھی چھِ وَنان انقلاب[1]

آزادؔ پُر یقین طور پر مانتے تھے کہ لوگوں میں کسی قسم کا فرق نہیں ہونا چاہے۔ وہ کبھی اونچ نیچ، گورے کالے، ہندو مُسلم، ایرانی طورانی، ہندوستانی پاکستانی میں فرق نہیں کرتے تھے۔ وہ ہمیشہ لوگوں میں احساس یکجہتی پیدا کرتے رہے اور انھیں کبھی بھی اِنسانیت کے راستے سے ہٹنے کی اِجازت نہیں دی۔ اِنکا ماننا تھا

ا۔ کُلیات آزادؔ۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ کلچرل اکادمی اشاعت دوم صفحہ نمبر 155۔

کہ ہر ایک کو برابر حقوق اور موقعے فراہم ہونے چاہئیں۔ کوئی کسی کی غلامی میں نہ رہے۔ ہر ایک کو باعمل ہو کر اپنی ذِمے واری نبھانی چاہے اور بدلے میں اُسے پیٹ کی بھرپور روٹی، تن کیلئے کپڑا اور رہنے کا مکان میسر ہو۔ یہی شاعر کی ایک زبردست خواہش تھی۔ اس نظریے سے وہ مارکس کے نظام کے بہت قریب تھے اور اس بنا پر اگر ہم آزاد کو مارکس وادی بھی کہیں تو کچھ غلط نہیں ہوگا۔ کچھ اشعار قابلِ دید ہیں:

سٙنہٕ ووگنیار بُٹھی تےَ بیٚرٕ ڈیٖشتھ جیٚرٕ چھُم یِوان
کونہٕ یکسان چھُس ژھاران لاران یٮ۪ت ماران پان!

☆

غولاماہ چھُس نہٕ کانٛہہ تھاوِم میٚہ پنجرن ہاٗنکلن اندر
امیراہ بادشاہا اُسۍتن ہیوٚ نداہ مسلماناہ
میٚہ نِش راجاہ نوابا سأیلاہ اکھ سأیلن اندر
یِوان چھُم زندگی ہُنٛد سوز سفرن منزلن اندر ۲

آزاد کو کبھی بھی تقدیر پر اعتماد نہیں تھا بلکہ وہ اسکے بالکل خلاف تھے۔ تقدیر کے سہارے جینا اُنکی برداشت سے باہر تھا۔ زندگی بھر باعمل رہے اور اپنی غربت کی زندگی کو انھوں نے ہمت، حوصلے اور محنت کے بل بوتے پر جِیا۔ کبھی اپنی غربت پر آنسوں نہیں بہائے اور نہ ہی کبھی افسوس ہوا۔ زندگی کے ناہموار حالات سے ہمیشہ لڑتے رہے اور قسمت کی حقیقت کو ہی سرے سے نکارتے

۱،۲۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ کلچرل اکادمی اشاعت دوم صفہ نمبر 77,78۔

ہوئے کہہ اُٹھتے ہیں:

دِل سائنٛ مہٕ کر غمگین تقدیر تھکبن والے
افسانہٕ پرن والے دیوانہٕ کرن والے
تقدیر چھُ انسانس نیرٕن منٛز مأدانس
یَس توگ نہٕ گندُن جانس بیچارہ گندن ہالے[1]

☆

تقدیر پٔنن ژٕ پانے تدبیر پٔنن ژٕ پانے
ژٕے رنگ تہٕ ژٕے زمانے وہمہٕ تہٕ گمانہٕ والے[2]

جہانِ فانی سے رحلت کے بعد آدمی کو جنت یا جہنم نصیب ہونے کی بات سے بھی آزاد متفق نہیں تھے اُنکے لئے یہ بات ہی نام نہاد اور خیالی تھی۔ یہ صرف کانٹے ہیں جنھیں آدمی اپنے راستے میں خود ہی بو دیتا ہے۔ نیتجتاً اُسکی پیش رفت میں روکاٹ بن جاتے ہیں۔ کچھ شعر پیش ہیں:

اگر یَمن آسہٕ ہی نہٕ تھٲوِژ اُمید جنت تہٕ خوف دوزخ
چھُسے یہٕ دعویٰ کرِتھ وَنان از ژٕے سجدہ کرِ ہی نہ اکھ جوانا[3]

☆

جہنمس منٛز چھُ پیٚژھ گرمی قیامتس منٛز چھِ پیٚژ سختی
یتھی یتھی روبہٕ دابہٕ وٕنی دوہے چلوٗوِتھ یہٕ کاروانا[4]

۱،۲،۳،۴۔ کُلیات آزاد۔ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ ایڈیشن دوئم۔ ناشر جموں و کشمیر کلچرل اکادمی صفہ نمبر 236، 225،123،120۔

نارِ جہنم تہٕ سوٕرگ روز قیامت حساب
چانہِ دماغکۍ خیال چانہِ دِلکۍ یم حُباب۱

شاعر کے مُطابق ان سب باتوں سے اِنسان کی قدرتی قوت کمزور ہو جاتی ہے، اسکے علاوہ وہ اپنے نوجوانوں سے کہہ اُٹھتے ہیں۔

یقین پاٛدٕ کر اِنقلابک قدم تُل | طِلسمات دٕھمکۍ پھُٹر نوجوانو
کمر گنٛڈ قدم تُل یہِ دَم چھُی غنیمت | سفر زیٛوٗٹھ چھُے ووتھ سکھر نوجوانو
ژٕ ووتھ روز اِستادٕ پننِس کوٚھس پتھ | پنُن نیاے پانےٚ أنٛزر نوجوانو
چھُے زِندٕ روزُن زُوس رِگندناہ کر | سبق زِندگی ہُند ژٕ پَر نوجوانو۲

تعلیم کے بارے میں آزاد کا نظریہ بہت وسیع تھا۔ اُنکے مُطابق صحیح تعلیم وہ ہے جو اِنسان کو اِنسانیت کے سبق سے آراستہ کرے۔ اسکے لئے کسی تعلیمی ادارے میں جانے کی اور نہ ہی نوشتوں کے مطالعہ کی کوئی ضرورت ہی ہے۔ اِنسان کیلئے یہ دُنیا ہی ایک مدرسہ ہے اور قدرت ہی اسکے مطالعہ کی کتاب ہے۔ جو حقیقی معنوں میں اس نوشتہ کا مطالعہ کر سکے وہی اِنسان اپنی زندگی کامیابی کے ساتھ جی سکتا ہے۔ شاعر کی نظر میں باقی سب کتابیں بیکار اور بیسود ہیں۔ چونکہ وہ خود بھی ایک مدرس کا کام انجام دیتے تھے اور ساری عمر اس کام میں وقف کر دی پھر بھی وہ اس بات سے اُداس ہی تھے کہ سکولوں میں بچوں کو حقیقی تعلیم نہیں دی جاتی ہے جس سے وہ اصلیت میں اِنسان بن جاتے اور بے حال ہو کر کہتے ہیں۔

۱،۲۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر اکادمی ایڈیشن دوم۔ صفہ 157،227۔

گاٹہٕ جاراہ آزموؤم ژاٹہٕ ہالن پھیری پھیری
واے تتہٕ اِنسان بنہٕ نک امتحاناہ آسہِ ہےا[1]

شاعر کے ذہن میں یہ خیال ہر وقت رہتا تھا کہ اُنکی عمل اور بیاں یعنے قول و فعل میں فرق نہ ہو۔ وہ ایسا رویہ رکھنے والے شخص کو احمق اور جاہل ہی مانتے تھے۔ اُنکے مُطابق کہنے اور کرنے میں فرق کرنے والا چاہے کتنا ہی پڑھا لکھا کیوں نہ ہو لیکن حقیقی تعلیم سے اُسے آراستہ نہیں مان سکتے ہیں۔ مستورات کے بارے میں بھی انکا نظریہ صاف تھا۔ بھارتی آدرش ناری کی حیثیت کو انھوں نے قبول کیا تھا۔ وہ عورتوں کیلیۓ عزت و احترام اہم مانتے تھے اور سماج میں انھیں ہر طرح کی آزادی ہو، اس بات کی وکالت بھی کرتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ سماج میں عورت مرد کے ساتھ شانہ بشانہ کندھے سے کندھا ملا کر عملی میدان میں مرد کا ساتھ دے۔ عورتوں کی تعلیم پر اِنکا دھیان ہمیشہ رہا۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ آنے والے سماج میں عورتوں کا تعلیم سے آراستہ ہونا بہت ہی اہم اور مطلوب ہے جبھی ہمارا سماج آگے پیش رفت کرسکتا ہے۔ آزاد سبکو اپنا دوست مانتے تھے اور اُنکے لئے کوئی دشمن نہیں تھا کیونکہ انکے اندر خود اعتمادی کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ اُنکو اس بات کا کبھی ڈر نہ تھا کہ کوئی انکا بُرا کرسکتا ہے یا کوئی ایسا سوچ بھی سکتا ہے۔ وہ دشمنوں کے ساتھ بھی دوستوں کا سا برتاؤ کرتے تھے۔ ذیل کی نظیر قابل دید ہے:

چھس دوستن ہُند دوس یہِ دُشمن مےٚ کریم کیاہ
یتھ دوستی ہنزٕ وارِ منزٕ دُشمن تہٕ گلا میون[2]

ا۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ اشاعت کلچرل اکادمی جموں و کشمیر۔ ایڈیشن دوم۔ صفہ نمبر 267،242۔

مختصراً آزاد کا فلسفہ حیات یہی ہے کہ اِنسان کا فعل با اثر اور صحیح تربیت کا ہو اور پیار اور ایثار کے جذبے سے بھرپور ہو۔ اونچے آدرش کا مالک ہو اور ساتھ ہی ہمدردی اور یکسانیت کا پیروکار ہو۔ یہ سارے صفت شاعر نے 'دریا' نظم میں پیش کیے ہیں:

طبیعت میٔون آزأدی چھُ عادتھ میٔون آزأدی
کُنہر یکسان عمل شأدی محبت محنت آبأدی
یِوان چھا کارٕ وأرِس وار جأہِل کأہِلن اندر
یِوان چھُم زِندگی ہُند سوٗز سفرن مَنزِلن اندرٕ[۲]

☆☆☆

حصہ دوئم

آزاد اور مختلف ادوار:

آزاد (1903ء سے 1948ء تک) دور کا عکس اس زمانے کے ادبی تخلیقات میں نظر آتا ہے۔ قلمکار اپنے زمانے کے حالات کو کنواس پر اُتارنے میں کافی بیدار رہتا ہے کیونکہ اس سمت میں اُسے عوام کی قربت بھی حاصل ہوتی ہے اور وہ اُنکے لئے باعث کشش بھی بن جاتا ہے۔ اسطرح وہ ادبی میدان میں زیادہ کامیابی حاصل کر لیتا ہے۔ سماج کا ایک ضروری حصہ ہونے

ا۔ کُلیات آزاد۔ داکٹر پدم ناتھ گنجو۔ کلچرل اکادمی اشاعت۔ جلد دوم۔ صفحہ نمبر 80۔

کے ناطے وہ ہمیشہ اُسکی روِشوں سے واقف رہتا ہے اور اپنے قلم کی مدد سے انھیں قلمبند کرتا ہے۔ سماج میں واقع ہوئے ہر واقع کو وہ اپنی ہُنر کے دائرے میں رکھکر اُسکا صحیح جائزہ و تجزیہ کرنے کے بعد اُسکا اثر عوام پر دیکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ ایک روشن مینار بنکر عوام کی راہ کو تابناک کرتا رہتا ہے اور اُسکی شخصیت اور جلال پر حالات کا بھی زیادہ اثر پڑتا ہے۔ بیسویں صدی کے کشمیری ادیبوں پر بھی مختلف نہجوں اور ادوار کا خاص اثر پڑا ہے کیونکہ یہ دور سیاسی اُتھل پُتھل اور جدوجہد کا دور رہا ہے۔ اسلئے اس زمانے میں کشمیری ادب کے میدان میں سیاسی اور سماجی حِس ایک ادیب کو غیر معمولی اظہار سُخن کا موقہ فراہم کر سکا ہے۔ خود مظلوم طبقے سے تعلق رکھنے والے ان قلمکاروں نے ظلموں کے اس چنگل سے آزاد ہونے کیلئے آزادی کا ایک نیا اور حقیقی پیام عوام تک پہنچایا۔

شاعر اعظم عبدالاحد آزاد کی شاعری پر روشنی ڈالنے سے قبل اُنکے اس دور کی مختصر عکاسی کرنا زیادہ مناسب ہوگا کیونکہ اس دور میں اُنکا قابل، ذہین اور نوجوان شاعر جنگ آزادی میں ایک بہادر جانباز کی طرح اپنی خدمات انجام دے رہا تھا۔

(1) سیاسی حالات:

جموں و کشمیر ریاست میں مسلمانوں اور سکھوں کے دور حکومت کے بعد 1846ء میں مہاراجہ گُلاب سنگھ نے کچھ لاکھ روپیوں میں انگریزوں سے

خرید کر اس ریاست میں ڈوگرہ راج کی بنیاد رکھی۔ اپنی تیز دماغی اور بہادری کی وجہ سے انھوں نے حکومت کا کام کاج بڑی کامیابی کے ساتھ انجام دیکر ایک قابلِ ترین حکمران کی مِثال پیش کی۔ 1856ء میں اُنکے بیٹے شری رن وِیر سنگھ نے حکومت سنبھال کر اُسے اور مظبوطی دی۔ انکا دور حکومت 1885ء تک رہا اور اُسکے بعد اُنکے بڑے بیٹے مہاراجہ پرتاب سنگھ نے حکومت کی بھاگ ڈور سنبھالی۔ ڈوگرہ حکمران انگریزوں کے رحم و کرم پر ہمیشہ نظریں لگائے رہتے تھے۔ انھیں دنوں بھارتی تحریک آزادی کا بلاواسطہ طور پر اس ریاست پر بھی اثر پڑا اور اس نے اس سمت میں آزادی کے بیج بونے کا کام کیا۔ مظلوم عوام اپنے اوپر حاوی ظلم و تشدد کو بے زبان ہوکر برداشت کرتی رہی۔ اسکے خلاف آواز اُٹھانا اُنکے بس میں نہیں تھا۔ لیکن جب انھوں نے مُلک کے جنوبی حصوں میں دیکھا کہ جنگِ آزادی کا بِگُل بج چُکا ہے اور بنگال کی تحریک آزادی، جلیاں والا باغ کا خوفناک قتل عام اور گاندھی جی کی عدم تعاوُن کی تحریک وغیرہ کے بارے میں سنکر ان میں بھی آزادی کی دوڑ میں شامل ہونے کا احساس جاگا۔ 1924ء میں پہلی بار کشمیریوں نے مہاراجا کی حکمرانی پالیسی اور انکے ماتحت سنگ دِل کارندوں کے خلاف آواز اُٹھائی۔ اس بارے میں شری گواش لعل کول یوں لکھتے ہیں: ''1924ء کے موسمِ گرما میں سرینگر کے ریشم خانے کے مزدورں نے افسروں اور مہاراجا کے خلاف تحریک شروع کی۔ اسی کے ساتھ اننت ناگ میں مسلمانوں نے سرکاری زمین پر قبضہ کر لیا۔ ریاست میں پہلی بار مظلوم عوام نے اپنے غُصے کا اظہار کیا اور اسطرح ریاست

میں تحریک نے جڑ پکڑ لی۔ تحریک کو دبایا گیا اور کچھ وقت کے لئے وہ پورے طور پر نسیت نابود ہو گئی۔"[1] اسکے بعد 1925ء میں مہاراجا پرتاپ سنگھ کی وفات کے بعد اُنکے چھوٹے بیٹے امر سنگھ کے لڑکے شری ہری سنگھ کو تخت نشین کیا گیا۔ مہاراجا ہری سنگھ نے شروع میں حکومت کی بھاگ ڈور صحیح سمت میں سنبھالی، لیکن اسکے بعد وہ بھی عوام پرستی اور مفاد عام کی پالیوں سے ہٹنے لگے۔ اب وہ عیش و عشرت کی زندگی پر دھیان دینے لگے۔ عوام پر ظلم بڑھنے لگے اور کسانوں کو سال بھر کی محنت کے بعد دو وقت کی روٹی میسر نہیں ہو رہی تھی۔ اُنسے بیگار لیا جاتا تھا اور اسطرح کسان طبقہ مزدور طبقے میں بدل رہا تھا۔ مہاراجا کا اب ان باتوں پر کوئی دھیان نہیں جاتا تھا۔ ایک خاص طبقے کو چھوڑ کر باقی سب عوام کیلئے وہ اپنی ذمہ داری بھول چکے تھے۔ اسی طبقہ خاص کے لوگوں کو وہ اونچے عہدوں پر فائض کرتے تھے جو اُن عہدوں کے قابل بھی نہیں تھے۔ شری بزاز ان حالات کو یوں بیان کرتے ہیں:

"Rajputs are favoured at the cost of other communities. Men are placed in charge of jobs for which they are unsuitable. Rajput Military officers are transferred to the civil departments and without knowing anything about land revenue system or law are put incharge of responsible posts. Jagirs have been granted to the rajputs out of all proportion to their number. A big slice of fertile land of Kashmir has been handed over to Rajput Jagirdars2"

ا۔ کشمیر الگ الگ دور میں۔ شری گواش لعل کول۔ صفہ نمبر 151۔

2. Inside Kashmir, By Shri P.N. Bazaz, Page No.: 299.

مہاراجا پرتاپ سنگھ نے عوامی تنظیموں کو دبانے کی انتھک کوششیں کیں۔ اُنھیں کسی قسم کی تنظیم، انجمن یا جماعت بنانے کی اجازت نہیں دی۔ اصل میں وہ کشمیریوں کو مُلک گیر تحریکِ آزادی سے دور رکھنا چاہتے تھے۔ اِسکی ایک خاص وجہ یہ بھی تھی کہ کشمیر کی اکثریت مسلمانوں کی تھی۔ اُنکی مہاراجا کے ساتھ صرف سیاسی مخالفت ہی نہیں تھی بلکہ مذہبی مخالفت بھی تھی۔ ریاست میں آنے والے ملکی اور غیر مُلکی سیاحوں پر کڑی نظر رکھی جاتی تھی تا کہ وہ یہاں کے لوگوں میں بغاوت کی آگ نہ بھڑکا سکیں۔ اگر کسی بھی طرح سے کوئی اس چکر میں پھنس جاتا تھا تو اُسے رِیاست سے باہر کیا جاتا تھا۔[1] اتنی سخت نگرانی کے باوجود بھی کشمیری عوام اس ملک گیر تحریک سے جاگ اُٹھے تھے۔ لیکن بدقسمتی سے اس تحریک نے یہاں مذہبی شکل اختیار کرلی اور یہ مُسلمانوں تک ہی محدود رہی۔ 1930ء میں یہاں کے تعلیم یافتہ مُسلم نوجوانوں نے فتح کدل سرینگر کے نزدیک ایک ریڈنگ روم کی بنیاد رکھکر مُسلمانوں کو اکٹھا کرنے کی ایک کامیاب کوشش کی۔ اس ریڈنگ روم پر ہمیشہ ریاست کی سیاسی حالت پر تبادلہ خیال ہوتا تھا اور مہا راجا سے بغاوت کرنے کیلئے سازشیں بھی کی جاتی تھیں۔ نتیجتاً جولائی 1931ء میں یہاں کے مُسلم عوام نے زبردست عدم تعاوُن دکھا کر سرینگر کے سنٹرل جیل کے باہر مظاہرہ کیا۔ ایک شخص عبدالقادر کے خلاف جیل کے اندر بغاوت کے مقدمے کی سُنوائی ہو رہی تھی اور مُسلمانوں کا ایک ہجوم جیل کے اندر گھُسنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پولیس کو گولی

۱۔ کشمیر کی تاریخ۔ شری پرتھوی ناتھ پُشپ۔ صفحہ 52-651۔

چلانے کا آرڈر ملا اور اکثریتی طبقے کے کئی لوگوں کو مار گیرایا گیا اور شہر میں افراتفری پھیل جانے کے پاداش میں اقلیتی طبقے کے لوگ بھی اس زد میں آگئے۔ اُنھی دنوں نوجوان شیخ محمد عبداللہ علی گڈھ یونیورسٹی سے ایم۔ایس سی پاس کر کے لوٹے تھے اور وہ بھی اس فتح کدل کے ریڈنگ روم سے وابستہ ہوئے۔ لاہور اور پنجاب سے نکلنے والے مُسلم لیگی اخباروں اور رسالوں نے یہاں بھی مُسلمانوں میں بغاوت کی آگ کو ہوا دینے میں اہم کردار نبھایا۔ شری بزاز کہتے ہیں :

"In the begining of 1931 AC the Lahore Muslim press started a voilent and venomous campaign against the Hindu Maharaja and his adminstration."1

مہاراجا نے عوام کو خاموش کرنے کیلئے بی۔جی گلانسی کی سربراہی میں ایک میٹنگ بُلائی، جس میں عوامی نُمائندوں نے بھی حصہ لیا۔ اس میٹنگ کا نتیجہ یہ نِکلا کہ وہ عبادت گاہ جو حکمرانی کنٹرول میں لئے گئے تھے، واپس ان لوگوں کے حوالے کر دے گئے جن سے وہ تعلق رکھتے تھے۔۲ اِسکے بعد 1932ء میں اکثریتی فرقے نے آل جموں و کشمیر مسلم کانفرس نام سے ایک تنظیم بنائی، اور اُسی سال اکتوبر میں اسکا پہلا اجلاس منقد ہوا۔۳ لیکن 10 جولائی 1939ء کو غلام محمد صادق کی صدارت میں تنظیم کا نام بدل کر نیشنل کانفرنس کر دیا گیا اور

---

1. History of struggle for freedom in Kashmir by Sh. P.N. Bazaz, Edition 2003, Page 144.

۲۔ کشمیر۔ شری گواش لعل کول۔ صفہ نمبر 157۔

3. History of struggle for freedom in Kashmir by Sh. P.N. Bazaz, Edition 2003, Page 158.

نتیجے کے طور پر اب اس تنظیم میں غیر مُسلم بھی شامل ہوئے اور تحریک آزادی اب مُلکی سطح پر یعنی انڈین نیشنل کانگریس کی طرز پر چلائی جانے لگی۔ ادھر گلانسی کمیٹی کی سفارش پر مہاراجا نے 75 ممبران کی ایک کمیٹی بنائی لیکن کمیٹی کے پاس اختیارات نہیں کے برابر ہونے کی وجہ سے وہ بیکار ثابت ہوئی۔

1942ء کی بھارت چھوڑ دو تحریک نے کشمیری عوام میں بھی جوش بھر دیا اور ریاستی تحریک آزادی بھی کانگریس کے نقشہ قدم پر ہی چلنے لگی۔ شری پریم ناتھ بزاز کے الفاظ میں :

"From the outset the non muslim members of the national conference set their heart on bringing the party to spare head of the freedom movement under the increasing influence of the Indian National Congress way, wnated to see this desire fulfilled within months and not years. No set up was allowed by non mulsim members to be taken and no decision adopted by the conference unless and until it was strictly in consonance with the congress philosophy and practice."1

تنظیم نے 1944ء میں نیا کشمیر نام سے ایک سیکولر نصب العین عوام کے سامنے رکھا اور اُسے حقیقی شکل دینے کا حلف لیا۔ 1946ء میں کشمیر چھوڑ دو تحریک نے بھی زور پکڑ لیا اور آخر کار 15 اگست 1947ء کو سارا مُلک آزادی کی گونج سے جاگ اُٹھا اور ہر سمت آزاد بھارت کا ترنگا لہرانے لگا۔ سبھی لوگ بڑی مسرتوں کے ساتھ شادیانوں میں شرکت کرنے لگے، لیکن اس

1. History of struggle for freedom in Kashmir by Sh. P.N. Bazaz, Edition 2003, Page 167.

وقت بھی ریاست کی سیاسی حالت اُلجھنوں سے آزاد نہ تھی۔ بھارت کے ساتھ ریاست کا الحاق کرنے کیلئے وزیر اعظم جواہر لعل نہرو نے یہ شرط رکھی تھی کہ الحاق کے بعد ریاست کا وزیر اعلیٰ شیخ محمد عبداللہ کو ہی بنانا تھا اور مہاراجا نے اپنی مرضی کے خلاف مجبوری میں نہرو کی اس شرط کو مان کر ریاست کا الحاق بھارت کے ساتھ کر دیا۔ لیکن جتنی دیری مہاراجا نے اس شرط کو ماننے میں کی اُسکا فائدہ پاکستان نے اٹھانا چاہا اور اس نے پاکستانی فوج کے ساتھ قبائلوں کے ذریعے ریاست پر حملہ کروایا۔ مہاراجا نے بھارت سے مدد مانگی اور بھارتی فوجوں نے آکر پاکستانی فوج و قبائلوں کو واپس بھگا دیا۔ لیکن اُنکے واپس بھاگنے تک وہ ریاستی اقلیتوں پر کافی ظلم ڈھا گئے تھے۔ لوٹ مار کی، گھروں کو جلا دیا گیا اور انگنت اقلیتی فرقے کے لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار کر معصوم بچوں کو یتیم بنا دیا اور عورتیں بیوہ ہوگئیں۔ اس جنگ میں مادرِ وطن کے کئی سپوتوں نے شہادت کا جام نوش کیا جن میں مرحوم مقبول شیروانی، ماسٹر عبدالعزیز و مرحوم پوشکر ناتھ زاڈو وغیرہ قابل ذِکر ہیں۔ جنگ کے بعد پورے مُلک میں آزادی کی فضا میں لوگ سانسیں لینے لگے اور اُسی مسرت کے ساتھ ہماری ریاست میں شیخ محمد عبداللہ کی قیادت میں نئی سرکار عمل میں آگئی جو 9 اگست 1953ء تک چلتی رہی۔

اسطرح سے آزادؔ، جنکی وفات آزادی کے چند مہینے بعد یعنی 4 اپریل 1948ء کو ہوئی ایک دردناک اور اضطراب کے ماحول میں سانسیں لیتے رہے۔ اُس وقت کے سیاسی ماحول میں انقلابی تبدیلی لانے میں آزادؔ کا اہم

ہاتھ رہا ہے۔ اگرچہ انھوں نے اس جنگ میں بلاواسط طور پر ہی اپنا کردار نبھایا، لیکن اُنکے اس تعاون کو بھُلا دینا انکے ساتھ بہت بڑی نا انصافی کے مترادف تھا۔ اپنی جوشیلی نظموں اور غزلوں سے انھوں نے لوگوں کے دل و دماغ کو آزادی کے جنون سے بھر دیا، جس سے وہ غفلت کی نیند سے جاگ اُٹھے اور جدوجہد آزادی کے اکھاڑے میں اُترنے کا رجحان اُن میں بیدار کیا۔ شری پریم ناتھ بزاز کے الفاظ میں: ''کشمیر کی جنگ آزادی میں ہم دونوں ایک دوسرے کے ساتھی تھے لیکن فرق صرف اتنا تھا کہ وُہ اپنے انقلابی خیالات کو نظموں اور گیتوں کی شکل میں سماج کے سامنے پیش کرتے تھے اور میں ان خیالوں اور احساسات کو نثر میں پیش کرنے کی کوشش کرتا تھا۔[1]

(2) سماجی اور اقتصادی حالات:

شاعر اعظم آزاد کے دور کی سماجی حالت بھی ناساز گار تھی۔ سیاسی حل چل اور بے اطمینانی کے دور میں سماجی بدحالی قدرتی سی بات تھی۔ سیاسی ظلم و تشدد کی وجہ سے سماجی انتظامیہ بھی کمزور ہو چکا تھا۔ عوام کی کثیر تعداد جو کہ گاؤں میں قیام پزیر تھی بے حسی جیسی زندگی بسر کر رہی تھی۔ کسان طبقہ زمینداروں کے چنگل میں بُری طرح پھنسا ہوا تھا اور اُنکی حالت بہت ہی دردناک ہوگئی تھی۔ شری دیوندر ستیارتھی کے الفاظ میں: ''باقی ذرعی ریاستوں کی طرح یہ ریاست بھی خصوصی طور پر ذراعت کے ساتھ وابستہ ہے۔

ا۔ شاعر انسانیت ۔ شری پریم ناتھ بزاز۔ صفہ نمبر 8۔

کشمیری زندگی میں بھی کسان کی شخصیت پوری طرح سے گاؤں کی زندگی کی آئینہ دار ہے۔ کسان ہی کشمیر کا سچا نمائندہ ہے۔ اُسکے آنسوں پورے کشمیر کے آنسوں ہیں اور اُسکی اُمنگ بھری ہنسی سارے کشمیر کی خوشی ہے۔ ریاست کے اِنے گِنے شہروں میں گھوم پھر کر ہی آپ کشمیر کے دِل کی دھڑکن نہیں سُن سکتے۔ کشمیری دل کی جانکاری کیلئے آپکو گاؤں میں جانا پڑے گا۔"[1]

یہی گاؤں کے کسان جو سب کا پیٹ بھرنے میں اپنی خوش قسمتی سمجھتے تھے، خود بھوکے مرتے تھے۔ زمیندار کھلیانوں میں جاکر اُنکی سال بھر کی کمائی اُٹھا کر لے جاتے تھے اور بیچاروں کو سال بھر محنت کرنے کے بعد خود بھوکھا رہنا پڑتا تھا۔ اتنا ظلم ہونے پر بھی کسانوں میں جدوجہد اور مخالفت کرنے کی ہمت نہیں تھی۔ ہمیشہ قرض میں مُبتلا رہنا اب کسان کی عادت ہو گئی تھی۔ جسمانی طور پر کمزور ہونے کے ساتھ ہی اب وہ ذہنی طور پر بھی زوال کا شِکار ہُوا تھا۔ شری بزاز لکھتے ہیں: "اُسکے پاس ایک چھوٹا سا گھر ہے، کچھ مٹی کے برتن ہیں۔ ایک لکڑی کا صندوق ہے۔ چند چٹائیاں اور قرض کی بھاری رقم۔ کئی جگھوں پر کسانوں کے پاس سونے کیلئے بستر تک نہیں تھا۔ ٹھنڈ میں وہ سوکھی گاس بچھا کر کمرے کے ایک کونے میں فرش پر سوتے تھے اور وہیں اُنکے پالتو جانور بھی پڑے رہتے تھے جنکی وجہ سے کمرہ گرم رہتا تھا۔"[2] شہری سماج بھی دوطبقوں میں بٹا ہوا تھا۔ سرمایہ دار طبقہ اور مزدور طبقہ۔ مزدور طبقہ اپنی غربت

ا۔ بیلا پھولی آدھی رات۔ شری دیوندر ستیارتھی۔ صفہ نمبر 141۔

2. Inside Kashmir. Shri P.N.Bazaz, Page 253.

کی وجہ سے پریشان تھا اور اُنسے بیگار بھی لیا جاتا تھا۔ ریاست میں مزدوروں کی تعداد بہت تھی۔ اَن پڑھ اور غیر منظّم ہونے کی وجہ سے اپنے مالکوں کی مخالفت کرنے کی ہمت نہیں رکھتے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ڈوگرہ راج میں کچھ وقت تک امن شانتی رہی لیکن عوام پر اُسکا کوئی اثر دیکھنے کو نہیں ملا۔ اسی وقت ملک میں چھوا چھوت کی بیماری بھی زور پکڑ گئی۔ یہ ہری جن ریاست کے جموں صوبے میں کافی تعداد میں رہتے تھے اور انکے ساتھ بھی وہی غیر انسانی برتاوٗ کیا جاتا تھا جو کہ ملک کے باقی ہری جنوں کے ساتھ ہو رہا تھا۔ گاندھی جی کی ہری جنوں کے سُدھار کی تحریک کا اثر یہاں بھی پڑا اور مہاراجا نے 1933ء میں ہری جنوں کو مندروں میں داخلے کی اجازت دی اور باقی سہولیات دینے کی بھی یقین دہانی کی۔ اسکے علاوہ ریاست میں تعلیم کیلئے سہولیات بھی نہیں کے برابر تھیں۔ اسی وجہ سے لوگ انپڑھ ہوتے ہوئے ناداری کی زندگی گذار رہے تھے۔ گاوٗں میں دس دس میل کی دوری پر کہیں کوئی پرائمری سکول دیکھنے کو ملتا تھا اور وہاں بھی تعلیم کا کوئی خاطر خواہ انتظام نہیں ہوتا تھا۔ کل ملا کر تعلیم کا یہ حال تھا کہ 1931ء کی مردُم شماری کے مطابق پڑھے لکھے لوگوں کی تعداد نہایت ہی کم تھی۔ شری بزاز اسکے بارے میں لکھتے ہیں :

"Out of the total population of 3646243 only 3.4 percent i.e. 34 out of a thousand are literate accodring to the census figures of 1931."1

1. In side Kashmir. Sh. P.N. Bazaz. Page 236.

اور آزادی کے وقت 1947ء میں 7 فیصدی لوگ تعلیم یافتہ تھے۔[1] سماج میں مستوارت کی حالت بھی بدحال ہی تھی۔ انھیں گھر کی مالکن نہ مان کر گھر کی نوکرانی سمجھا جاتا تھا۔ اُسکی خوبصورتی اسکے لئے بد دعا بن گئی تھی۔ تعلیم کی روشنی سے آشنا نہ ہونے کی وجہ سے وہ مرد کے عیش و عشرت کا سامان بن چکی تھی۔ اُسے سماج میں کوئی حق حاصل نہ تھا اور ہمیشہ نفرت کی نظر سے ہی دیکھا جاتا تھا۔ اسکے علاوہ سیاسی سرگرمیوں سے کوسوں دور تھی۔ اقتصادی زوال کی وجہ سے سماجی۔بے قائدگی دن بدن بڑھتی جاتی تھی۔ آزاد کے دور کی اقتصادی حالت کافی ناقص ہو چکی تھی اور عام لوگوں پر بے حساب ٹیکس لگائے گئے تھے۔ مُتوسط درجے کے کسان، مزدور، کاریگر اور بیوپاری اپنی آمدن کا زیادہ تر حصہ لگان کے طور پر سرکاری خزانے میں واپس لوٹاتے تھے۔ کسانوں سے زمین پر ٹیکس وصول کیا جاتا تھا، جسکی وصولی کیلئے سرکاری کارندے جن میں پولیس بھی شامل ہوتی تھی، تعینات کئے جاتے تھے۔ غریب کسانوں کو کافی اذیتیں دیکر اس لگان کو وصولتے تھے۔ ملک کے کاروباری برآمد اور درامد پر بھی ٹیکس کی مار پڑتی تھی اور عام جنتا اس مار سے بھی پریشان حال تھی۔ مگر حاکمان وقت ان ٹیکسوں کی مار سے مثتثنیٰ تھے۔ شری پریم ناتھ بزاز لکھتے ہیں:

"I have seen big officials and secretaries of the governmenet passing the custom posts with cart loads of goods without paying a single penny."1

ا۔ کشمیر۔ گواش لعل کول۔ صفہ 255۔

2. In side Kashmir. Sh. P.N. Bazaz. Page 232

اسکے علاوہ اس دور میں قہر قدرت نے بھی اپنا خوفناک جلوہ دکھایا تھا۔ کالرا کی بیماری 1900ء ، 1902ء ، 1906ء اور 1910ء میں برابر حملہ کرتی رہی اور بہت سارے لوگوں کو اپنا لُقمہ بنا دیا۔ 1903ء میں خوفناک سیلاب آنے سے لوگوں کی مُشکلوں میں اور اضافہ ہُوا۔ ان سبھی وجوہات اور پریشان حالی کی وجہ سے عوام کی اقتصادی حالت آئے دن دردناک ہوتی گئی۔

مُتذکرہ بالا سماجی اور اقتصادی حالات میں پلتے ہوئے آزاد نے اس آلودہ ماحول کے ساتھ کبھی سمجھوتا نہیں کیا بلکہ اس سے لوہا لینے کی سوچ کو اپنے ذہن میں اُجاگر کیا۔ وہ سماج میں نیا انقلاب لانا چاہتے تھے جہاں ہر شخص کے ساتھ انسانیت سے پیش آیا جائے۔ جہاں ہر شخص کو سماج میں اپنا حق حاصل ہو۔ شخصی راج کے ساتھ انھیں بڑی نفرت تھی اور اپنی تخلیقوں کے ذریعے اسکا خاتمہ کرنے کی آواز لوگوں تک پہنچائی۔ اقتصادی نظریہ سے آزاد اشتمالیت کے بہت قریب اور مداح بھی تھے۔ اسلئے وہ دھن دولت کے یکسان بٹوارے کے حق میں تھے۔ اپنی نظموں اور گیتوں میں انھوں نے اسی قسم کی سماجی بدعنوانیوں اور غیر مناسب آفتوں کے خلاف آواز اٹھائی اور ان میں مکمل تبدیلی لانے کی کوشش کی۔

(3) مذہبی اور ثقافتی حالات:

قدیم زمانے سے ہی کشمیر مختلف مذہبی اور ثقافتی ہلچلوں کا مرکز رہا ہے۔ اس پاک سرزمین پر عظیم پنڈت، تواریخ دان، مُفکر، شاعر اور علم نجوم

کے ماہرین نے جنم لیکر ثقافتی ارتقا میں اپنا تعاوُن پیش کیا ہے۔ لیکن وقت کے بدلنے کے ساتھ ساتھ یہ عالم رفتہ رفتہ غائب ہو گئے۔ اسلامی دور حکومت میں فارسی زبان کا بول بولا رہا۔ نتیجے کے طور پر یہاں کے برہمنوں کو بھی اپنی روزی کے لئے فارسی زبان سیکھنی پڑی۔1 چک اور پٹھان دور حکومت میں ہندوں پر بے حد نا انصافیاں طاری ہوئیں۔ تلوار کے زور پر انھیں مذہب چھوڑنے پر مجبور کیا گیا۔ بہت سارے مندر کھنڈرات میں بدل دے گئے اور اسطرح مذہب کے نام پر بہت زیادہ ظلم ڈھائے گئے۔ قریب 70 فی صدی سے بھی زیادہ لوگوں کو اسلام قبول کروایا۔ اسطرح سے یہ ہندو دھرم اور اُسکی ثقافت کے زوال کا ہی دور تھا۔ ڈوگرہ راج میں پھر ایک بار کشمیر میں ہندو دھرم کو سرکاری تحفظ مِلا۔ دوسرے ڈوگرہ راجہ مہاراجا رنویر سنگھ خود ایک عالم تھے اور فن کے قدردان تھے۔ انھوں نے جموں صوبے میں سنسکرت کالج قائم کیا اور ثقافتی ترقی کیلئے بے حد کوشاں رہے۔

بیسوی صدی میں ہندو دھرم زیادہ تنگ دلی اور توہم پرستی کے بوجھ سے دب گیا جبکہ مسلمانوں کی مذہبی بُردباری اور سادگی نے اسلام کے فروغ کیلئے معقول حالات میسّر کئے۔ ہندوں کی دُرشت مذہبی تنظیموں کے خلاف بغاوت کا جذبہ خود ہندوں میں پیدا ہوا۔ اس مذہبی زوال کو سب سے پہلے آریہ سماج کے بانیوں نے محسوس کیا اور اس سلسلہ میں انھوں نے یہاں بھی پوری طرح سے تحریک چلائی، لیکن یہاں کے سناتنی ہندوں پر اسکا زیادہ اثر

1۔ کشمیر۔ شری نند لعل کول۔ فروری 1958 صفہ نمبر 26۔

نہیں پڑا۔ انھیں دنوں سکھ دھرم کا پرچار بھی کشمیر میں ہوا اور اس سادہ اور عملی دھرم کے لئے لوگوں کا رُجحان بھی بڑھ گیا۔ مذہب کی آڑ میں لوگوں کا استحصال کیا جاتا تھا۔ ہر طرف لوٹ ہو رہی تھی اور یقیناً یہ ثقافتی بدحالی، زوال اور خاتمے کا ہی دور تھا۔ لوگوں کی زندگی ناقص دُکھی اور قدامت پرست تھی۔ شری شِودان سنگھ چوہان لکھتے ہیں: ''یہ اُنکے جیون کی غیر مُناسبت ہے کہ انکا اپنا جیون سماجی اور ثقافتی طور پر اُتنا ہی بدرو اور حقیر ہے۔ فطرت اور آدمیت قدیم زمانے سے کشمیر میں دو الگ سطحوں پر رہتے آئے ہیں۔ صدیوں کی غلامی دونوں کے بیچ میں ایک مضبوط دیوار بنکر کھڑی رہی ہے اور اُسنے فطرت کی خوشحالی پر کشمیریت کو کبھی پنپنے نہیں دیا۔ ثقافتی فروغ کے غیر معمولی امکانات دبے پڑے رہ گئے۔''[1] اس دور میں اخباروں، رسالوں اور دوسری ثقافتی، ادبی تنظیموں کا بھی لگ بھگ فقدان ہی رہا اور نتیجے کے طور پر عوام کا اظہار خیال بھی ممکن نہ ہو سکا۔ مُصوری، سنگیت اور فن رقص میں بھی اس دور میں کوئی ترقی نہ ہوسکی۔

1947ء میں پاکستانی قبائلوں کے حملے کے بعد جب ریاست میں شانتی بحال ہوئی تو ثقافتی میدان میں نئی تحریک کا آغاز ہُوا۔ ثقافتی بیداری نے ایک تنظیمی صورت اختیار کی۔ ملک کی ہر سمت میں ترقی کیلئے ثقافتی ارتقا نہایت ہی ضروری ہے اور یہ سچائی اب پورے طور پر ثابت ہوگئی۔ اسلئے ''قومی کلچرل محاذ'' اور ''قومی کلچرل کانگریس'' کی بنیاد ڈالی گئی جن میں سبھی مذاہب کے

ا۔ ساہتیہ انوشیلن۔ شری شودان سنگھ چوہان۔ صفہ نمبر 105۔

فنکار، ادیب اور عالم شامل ہوئے اور ثقافت کے عروج کیلئے مِل جُل کر کوششیں شروع ہوئیں۔ ہفتہ وار بیٹھکیں ہوئیں اور کئی ڈرامے کھیلے گئے۔ اسکے علاوہ ایک رسالہ 'کونگ پوش' نام سے شائع ہونے لگا۔ آزادی کے بعد ہی کلچرل اکادمی کا قیام ہوا جسنے ثقافتی ترقی کیلئے از سرنو تحریک کی رہنمائی سمبھالی۔

حصہ سیوم

کشمیری شاعری کا اِرتقا اور اسکے خاص رجحان :

بھارت ورش کی قدیم ترین زبان سنسکرت کا ادبی خزانہ کشمیر کی پاک سرزمین میں ہی متمول ہوا ہے اور اس حقیقت سے کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ سنسکرت کے عظیم ترین عالموں کی جنم بھومی ہونے کی وجہ سے یہیں سے عرفان کی کرنیں پھوٹیں جو کہ پوری دینا کو روشن کر گئیں اور عالمی ادب میں معروف سنسکرت کے بلند پایہ گرنتھوں کی تخلیق ہوئی۔ شری انت رام شاستری کے مطابق قدیم سنسکرت ادب کا مطالعہ کرتے ہوئے کوئی نہیں کہہ سکتا کہ سنسکرت ادب کی تخلیق میں کشمیر کسی سے بھی پیچھے رہا ہے، بلکہ دو قدم سب سے آگے رہا ہے۔ سنسکرت ادب کو جو کچھ کشمیر نے دیا ہے اُسکا لوہا آج بھی سبھی مانتے ہیں۔[1] اس ریاست میں چودھویں صدی تک سنسکرت کا ہی بول بالا رہا ہے، لیکن اسلام کے آنے سے عربی اور فارسی زبان نے اسکی جگہ لے لی۔

۱۔ یوجنا جنوری 1960ء سنسکرت ادب کو کشمیر کی دین۔ شری انت رام شاستری۔ صفہ نمبر 29۔

استعمال کے طور پر کشمیری زبان حتیٰ الامکان رائج رہی لیکن حکمران طبقے کی طرف سے اسے کوئی حوصلہ افزائی نہیں ملی۔ غیر ملکی حکمرانوں نے فارسی زبان کو ہی سرکاری زبان کا چولا پہنایا اور اسطرح سے کشمیری زبان نظر انداز ہوتی رہی۔ اتنا ہی نہیں کشمیری زبان میں فارسی کے الفاظ بھی گھس پیٹھ کر گئے۔ شری شودان سنگھ چوہان لکھتے ہیں: ''سنسکرت کی جگہ فارسی سرکاری زبان ہو گئی۔ سنسکرت کی عقیدت رکھنے والے برہمنوں نے حکمرانوں کی عقیدت دکھانے کے لئے فارسی پڑھی اور اب فارسی میں اپنی شاعرانہ صلاحیت کا استعمال کرنے لگے...... فارسی کا اتنا اثر بڑھا کہ کشمیری زبان کی شکل ہی بدل گئی۔ فارسی کے ہزاروں محاورے وکہاوتیں اور الفاظ کشمیری زبان میں گھل مل گئے۔ا نتیجے کے طور پر کشمیری زبان کی اصل ہیت ہی بلدنے لگی اور ان غیر موافق حالات میں کشمیری زبان کا ارتقا ہی مسدود ہُوا۔

کشمیری زبان میں ادب کی سنگ بنیاد تیرہ ویں صدی میں راجانک شِتی کنٹھ نے ''مہانئے پرکاش'' لکھ کر رکھی۔ اس گرنتھ کا دوسرا نام 'مہا ارتھ پرکاش' بھی بتایا جاتا ہے۔ شری شِتی کنٹھ نے اس گرنتھ کو شاردا رسم الخط میں لکھا اور اسکا موضوع شِو درشن سے وابسطہ ہے۔ اسکے علاوہ تیرہ ویں صدی کا ہمیں کشمیری زبان میں اور کوئی گرنتھ یا کتاب نہیں ملتی ہے۔ اسلئے 'مہانے پرکاش' ایک اکیلی کرن ہمیں اس صدی میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ جسٹس شری جیا لعل کلم کا کہنا ہے:

ا۔ پرگتیہ واد۔ شودان سنگھ چوہان۔ صفہ نمبر 175۔

"For about a hundred years following shitikanth we do not come accross any work written in Kashmiri language. may be that there were such works, but none is available now."1

اسکے بعد چودھویں صدی میں کشمیری ادب میں للیشوری کا ظہور ہُوا اور اس نے اپنی شاعری یعنے واکھوں سے کشمیری ادب کی خدمت کی ذمے داری سنبھال لی۔ اسطرح سے کشمیری ادب کی سلسلہ وار تاریخ ہمیں 14 ویں صدی سے ہی دستیاب ہوتی ہے اور دوسری زبانوں کی طرح ہی کشمیری ادب بھی ہمیں نظموں میں ہی ملتا ہے۔ بیسویں صدی تک آتے آتے کشمیری ادب میں بہت سے رُجحان دیکھنے کو ملتے ہیں۔ شاعروں نے شاعری کے میدان میں اپنے الگ الگ ذوق کا اظہار کرتے ہوئے مختلف رُجحانوں کو اپناتے ہوئے کشمیری شاعری کو عروج کے مقام پر لے جانے کی سمت میں کام کرنا شروع کیا۔

لگ بھگ سبھی زبانوں کے ادب میں لوک گیتوں کی اپنی الگ اہمیت ہے۔ کشمیری ادب کے خزانے میں بھی لوک گیتوں کا قیمتی سرمایہ بکھرا پڑا ہے۔ ریاست جموں کشمیر کو قدرت نے بے انتہا خوبصورتی سے مالا مال کیا ہے اور پوری دنیا میں اُسکی خوبصورتی کا پرچم لہرایا ہے۔ زراعت پر منحصر ہونے کی وجہ سے یہاں کے خوبصورت قدرتی نظارے لوگوں کے دلوں کی تاروں کو وقتاً فوقتاً مِضراب دیتے رہے اور نتیجے کے طور پر شعرا نے اپنے لوک گیتوں میں اُنکے کئی عکس اُتارے ہیں۔

---

1. Kashmir, June 1957, anicient period of Kashmiri literature. By Justic Shri J.L. Kilam. Page 154.

لوک گیت :

عام لوگوں کے ذریعے گایا گیا گیت لوک گیت کہا جاتا ہے۔ یہ گیت زبانی طور پر لوگوں کی ذہن میں سما جاتا ہے۔ دراصل یہ لوگوں کی گفتگو کا ہی ایک حصہ ہے، جسے انگریزی میں 'فوکلور' کہتے ہیں۔ لوک گیت کسی خاص شخص کی دین نہیں ہوتی ہے بلکہ زبانی روایت کے طور پر حاصل گیت ہی اس کے اندر آ جاتے ہیں۔ انکے پیچھے ایک روایت ہوتی ہے جسکا سیدھا تعلق عوام کے ساتھ ہوتا ہے اور سماج کی حقیقی تصویر اس میں نظر آتی ہے۔ دیویندر ستیارتھی جی کے مطابق: ''لوک گیتوں میں دیش کا اصلی چہرا نظر آتا ہے۔ یہ دیش کی اپنی آواز ہے۔ اپنی بیتی، ہر قسم کی بناوٹ سے اچھوتی۔''[ا] خوش قسمتی سے بھارت دیش کا یہ زمینی خطہ ان لوک گیتوں سے بھرا پڑا ہے جوکہ یہاں کے ان پڑھ محنت کشوں کے تفریح کا اہم ذریعہ ہے۔ 'کیزٹ کشمیر' نام کی کتاب میں لکھا ہے :

"Like all literary traditions in the world, the first poetic tradition in Kashmiri must have been the work of illetrate persons who expressed impulsis and urges of their times in song and story before ever any such thing was recorded in writing... kashmir is very rich in this traditional type of poetry." 2

ا۔ دھیرے بہو گنگا۔ شری دیوندر ستیارتھی۔ صفہ نمبر 31۔

2. Keys to Kashmir, some aspects of Kahmiri poetry, Lalarukh publication, Page 164.

عام لوگوں کی زندگی کی مختلف جھلکیوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے ان لوک گیتوں کی تصنیف ہوئی اور اس وقت کے ثقافتی، سماجی، مذہبی رسومات اور فلسفے کو سمجھنے میں بھی مددگار ثابت ہوتے تھے۔ کشمیری لوک گیت ہمیں مختلف صورتوں میں ملتے ہیں اسلئے اُنکا ذکر مندرجہ ذیل ترتیب کے ساتھ کرنا موزون ہوگا۔

(1) ونہٕ وُن:

شادی بیاہ کے موقوں پر گائے جانے والے گیت 'ونہٕ وُن' کہلاتے ہیں۔ کُنبے اور محلے کی عورتیں ملکر ان خاص قسم کے گیتوں کو گاتی ہیں۔ شادی کے آٹھ دس دن پہلے ہی شادی سے مطلق ہر مذہبی فریضہ کے بارے میں ان گیتوں کو گائے جانے کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ ہندوں کی شادی میں مہندی رات، دیوگون، یگیوپویت اور لگن (شادی) کی خاص رسمیں ہوتی ہیں اور ان دنوں ان رسموں کے ہی خاص گیت گانے کا رواج ہے۔ جہاں ہندوں کے ونہٕ وُن گیت مذہبی نویت کے ہوتے ہیں وہیں مسلمانوں کے ونہٕ وُن گیتوں میں مذہبی رنگ کم ہی ہوتا ہے بلکہ یہ محبت اور آراستگی سے بھرپور ہوتے ہیں یعنی اِنکا سماجی پہلو زیادہ اثردار ہوتا ہے۔

(2) رؤف:

مُسلم مستورات ان خاص قسم کے گیتوں کو گاتی ہیں اور انکے گانے کا

ڈھنگ بھی خاص ہوتا تھا۔ ان گیتوں کو گاتے وقت رقص کی خاص اداوں کو دھیان میں رکھنا پڑتا ہے۔ گانے والی عورتیں کم سے کم 2 قطاروں میں رہتی ہیں اور اپنے بازو ایک دوسرے کے کندھوں پر ڈالکر گاتے ہوئے دھیمی چال میں اپنے جسم کو آگے پیچھے لے جاتی ہیں۔ مُسلم عورتیں ان رؤف گیتوں کو شادی بیاہ اور عید وغیرہ جیسے تیوہاروں پر گاتی ہیں۔

(3) نیٛنڈِ بأتھ :

کھیتوں میں نلائی اور فصل کاٹتے ہوئے کسان مسرت کے ساتھ جو گیت آپس میں مِل کر گاتے ہیں اُنھیں نیٛنڈِ بأتھ یا نیٛنڈِ گیوٚن کہتے ہیں۔ کسان بڑے عجیب طریقے سے مستی میں گاتے ہوئے اپنی محنت کی تھکان کو کم کرتے ہیں، کیونکہ گاتے ہوئے اِنکا ذہنی جُکاوَ دونوں طرف بٹ جاتا ہے اور اس سے جسمانی تھکان بھی کم محسوس ہوتی ہے۔ ان گانوں میں ایک آدمی پہلے ایک مِصرہ گاتا ہے اور اسکے بعد باقی ساتھی اُسکے پیچھے اُسی مِصرے کو دہراتے ہوئے گاتے ہیں۔ اس قسم کے گانوں میں سُر اور تال کی طرف زیادہ دھیان نہیں دیا جاتا ہے۔

(4) للہٕ ناوٗن (لوری گیت):

لوری گیت بھی عورتوں کے ذریعے ہی گائے جاتے ہیں۔ جب ماں

اپنے بچے کو سُلانے کی کوشش کرتی ہے اور وُہ نہ سونے کی ضِد کرتا ہے تو ماں اُسے لوری گیت گا کر سُلانے کی کوشش کرتی ہے۔ ماں کی میٹھی اور پُرکشش آواز میں گانا سُنتے ہوئے بچے کو مستی آجاتی ہے اور وہ میٹھی نیند سو جاتا ہے۔ اسطرح سے ماں بھی اپنی کوشش میں کامیاب ہو جاتی ہے۔ اس قسم کے لوری گیت کشمیری ادب میں نہیں ملتے ہیں لیکن زبانی بولے جانے کی صورت میں بالکل زندہ ہیں۔

(5) بانڈِ جشن:

بانڈِ وُہ لوگ ہیں جو لوگوں کی دِل بہلائی کیلیئے گاؤں گاؤں جا کر سنگیت کے ساتھ قصے اور کہانیوں کو ڈرامائی صورت میں پیش کرتے ہیں اور اسکے عوض اُنھیں نقد یا جنس میں کچھ مل جاتا ہے۔ ان لوگوں کی آمدن زیادہ تر فصل کاٹنے کے موقوں پر یا شادی بیاہ کے موقوں پر ہوتی ہے۔ کبھی کسی گاؤں سے انھیں دعوت بھی مل جاتی ہے اور وہاں دن بھر ڈرامائی انداز میں گاؤں والوں کا منورنجن یا دل بہلائی کرتے ہیں جسکے لئے اچھی خاصی رقم بھی مل جاتی ہے۔ اس قسم کے پروگرام کو جشن کہتے ہیں اور بانڈوں کے ذریعے کئے جانے پر اسے بانڈِ جشن کہتے ہیں۔

(6) لڑی شاہ:

یہ کشمیری لوک گیتوں کی ایک مقبول ترین صورت ہے۔ کوئی تعلیم یافتہ خاصکر گاؤں کا رہنے والا طنز و مزاح کے طور پر ایک قسم کی تُک بندی کرتا ہے۔ اُسکے پاس لوہے کی ایک سلاخ ہوتی ہے جِسے کشمیری میں 'دہرہ' کہتے ہیں۔ اس میں لوہے کے دس پندرہ چھلے ڈالکر اُسے بجاتے ہوئے اپنی تکبندی کو سنگیت کے حُسن سے سجا کر لوگوں کو سناتا ہے اور اُنکی دِل بہلائی کرتا ہے۔ یہی اُسکا سبب روزی بن جاتا ہے۔ ایسے گیت خاصکر طنزیہ نویت کے ہوتے ہیں اور حکمران طبقے کی ناکامیوں اور عوامی دشواریوں کو اُجاگر کرتے ہیں۔ اسکے علاوہ مُلک کے واقعات پر بھی ان گیتوں کے ذریعے روشنی ڈالی جاتی ہے۔ شری شودان سنگھ چوہان کی بیانی: ''یہ ایک تواریخی ثبوت ہے کہ جس قوم کا قدیم ادب تحریری صورت میں نہیں ہوتا ہے اُسکے علم و سائنس و تجربہ اور رترقی کی تاریخ اسکے لوک ادب میں محفوظ رہتی ہے اور یہ شُنیدہ روایت اس ادب کو لوگوں کی یاداشت سے کھونے نہیں دیتی۔''[1] یہ بات قابل ذکر ہے کہ پہلے اس قسم کے گیت گانے والے شخص کو ہی لڑی شاہ کہتے تھے لیکن اب اس گیت کو لڑی شاہ کہتے ہیں۔

(7) لولہِ گیت (گیوُن):

کشمیری زبان میں لول ایک وسیع الفہوم لفظ ہے۔ ان لولو گیتوں کا

۱۔ کشمیر دیش و سنسکرتی۔ شری شوادن سنگھ چوہان۔ صفہ نمبر 143۔

موضوع پیار اور آراستگی ہی رہتا ہے۔ مرد اور عورت ان گیتوں کو وصل اور فراق دونوں صورتوں میں گاتے ہیں۔ کسان لوگ اپنے کھیتوں میں کام کرتے ہوئے اجتمائی طور پر ان گیتوں کو گاتے ہیں۔ ایسے گیتوں میں سہیلیوں کے پیار و محبت کا بھی بیان ہوتا ہے۔ یہ لوک گیت کئی اقسام کے ہوتے ہیں جن میں کتھ گیوُن، سوٗنتہٕ گیوُن، نیٚنۍ بأتھ، ریڈٕ بأتھ، ہاٗنز بأتھ، اور گرٛٹہٕ بأتھ وغیرہ مشہوٗر ہیں۔ ان گیتوں میں کشمیریوں کی زندگی کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ یہ گیت گاؤں کے قدرتی اور کھُلے ماحول میں اُبھرے ہیں۔ کشمیری شاعری کی شروعاتی صورت انھیں لوک گیتوں میں محفوظ ہے۔ لولو گیتوں کے بارے میں یہ کہنا بہت ہی اہم ہے کہ اُنکے بارے میں خود آزاد صاحب نے اپنی تحقیقی تصنیف میں یوں بیان کیا ہے: ''کہا جاتا ہے کہ کشمیر کا حکمران وزیر بُمبر (1578 ق م سے 1520ق م) اپنے چچیرے بھائی کی بیوی 'لولرے' پر عاشق ہُوا اور غلبہ عشق اور ناکامی کی حالت میں 'لولرے' کے نام ترانے کہنے لگا۔ لولو لولو ہر وقت بر زبان رہتا تھا۔ ممکن ہے اسکے یہ ترانے بول کی طرح ہونگے اور چونکہ ایک ناکام محبت کے جذبات تھے ان میں خاص جاذبیت ہوگی۔ اسلئے اسطرح کے گیت اوروں نے بھی کہنے شروع کئے اور یہ گیت لولو کے ہی نام سے مشہور ہو گئے۔''[1]

ا۔ کشمیری زبان اور شاعری۔ عبدالاحد آزاد۔ کلچرل اکادمی اشاعت اول جلد، صفہ نمبر 202۔

حصہ چہارُم

فلسفی اور سیریتی شاعری:

کشمیری ادب میں فلسفی شاعری کثرت میں موجود ہے۔ اسکی شروعاتی کرنیں ہمیں تیرہ ویں صدی میں شِتکنٹھ کے 'مہانے پرکاش' سے حاصل ہوتی ہیں اور اسکے بعد للّی شوری کے واکھوں اور شیخ نورالدینؒ کی شاعری میں یہ بلندیوں کو چھونے لگا۔ یہ فلسفی شاعری سیریتی رنگ سے بھری پڑی ہے۔ ان صوفی شاعروں نے اپنی تخلیقوں میں 'شیومت، برہمہ واد، ادویت واد کو اپنی شاعری میں جگہ دی۔ کشمیری شیو درشن کا ہی دوسرا نام 'ترزک سدھانت' ہے۔ اس میں شیو عُنصر شکھتی عنصر اور نر عنصر ہے اور ان تینوں میں سے شیو عنصر کو ہی خصوصی درجہ دیا گیا ہے۔ اور اُسی کو ہمہ دان کہا گیا ہے۔ شکھتی عنصر تخلیقی کاموں میں مشغول رہتا ہے۔ اصلیت میں یہ تینوں عنصر ایک دوسرے سے الگ نہیں ہیں۔ ڈاکٹر بی۔ڈی۔ شاستری اس بارے میں یوں لکھتے ہیں: ''تین عنصر حقیقت میں الگ نہیں ہیں۔ ایک ہی شیو اپنی خود مختار قوت سے تینوں صورتوں میں نمودار ہوتا ہے۔ اسلئے اس شِو درشن کو 'اُدویت وادی' (Manistic) کہا گیا ہے۔ شِو اپنی قوت سے کائنات کی تعمیر کرتے ہوئے بھی اپنی پورنتا نہیں کھوتے ہیں۔ یہ کائنات اُسی پورن شِو کا پور احساس ہے۔ اس لئے کشمیر کے شِو عنصر کے عالموں نے سارے سنسار کو شِو سے بھرپور مانا ہے۔[1] ویدانت کی الہیت کو ہی ان شِومت والوں نے شِو کہا ہے۔ صوفی مت

---

[1] 'یوجنا' ثقافتی خصوصی شمارہ، کشمیر کا شیو درشن۔ ڈاکٹر بی۔ڈی۔شاستری۔ صفہ نمبر 87۔

میں مُرشِد کی عظمت کو سب سے اوپر مانا گیا ہے اور اُسکے بغیر عاشق کا معشوق (خالق) سے مِلن ناممکن ہے۔

کشمیری ادب میں پہلی سب سے زیادہ مشہور شاعرہ لل دید کا ظہور چودھویں صدی میں ہوا اور انھوں نے اپنی شاعرانہ صلاحیتوں سے عوامی ذہن میں حق کا نور بھر دیا۔ انکے واکھ سنجیدہ فلسفی عنصروں کے ساتھ ساتھ شاعری کی صلاحیتوں وحُسن سے بھر پور ہیں۔ اونچے درجے کی شیو یوگنی ہونے کے ساتھ ساتھ اُنھیں زندگی کی تلخ سچائیوں کا کافی تجربہ تھا۔ ہندو اور مسلمان دونوں انھیں برابر عزت کرتے تھے۔ شاعرہ کا یہ عقیدہ تھا کہ شیو ہی سب کچھ ہے اور وہ کائنات کے ہر ذرے میں موجود ہے۔ ذیل کی نظیر قابل دید ہے:

شِو چھُ تھلہِ تھلہِ روزان
مو زان ہیُند تہٕ مُسلمان
ترُک اَے چھُکھ تہٕ پان پرٛزناو
سوے چھے صاجس ستیٛ زآنی زان[1]

للیشوری نے سب سے زیادہ 'اُدویت واذ' پر زور دیا۔ وہ نافہم لوگوں سے مایوس تھی کیونکہ وہ علم کی روشنی سے محروم تھے اور دنیائی بندشوں وطِلسمی جال میں پھنسے تھے۔ اسلئے اُنکی نصیحتوں کا اِن پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ انھیں نصیحت دینا بیکار ہے اور اس حقیقت کو شاعرہ نے بڑے ہی سلیقے سے لوگوں تک یوں پہنچایا۔

۱۔ لل دید۔ کلچرل اکادمی اشاعت۔ صفہ نمبر 104۔

مُڈس گیانچ کتھ نو ونیزے
خرس گور دِنہِ راوی دوہ
سیکہِ شاٹھس پھل نو ؤوِزے
کوم یاجن راوِرِ زینہِ تیل ۱؎

للیشوری کے واکھ ہُنر کے حُسن سے بھر پور ہیں اور بول چال کے محاورے اِن میں بڑی مہارت کے ساتھ شامل کیئے گئے ہیں۔ عام بول چال کی کشمیری زبان کے ساتھ ساتھ ان میں سنسکرت زبان کے الفاظ بھی کثرت سے استعمال کیئے گئے ہیں۔ حُسنِ الفاظ کا عروج اُنکی شاعری میں آسانی سے نظر آتا ہے۔ بغیر کِسی شک و شُبہہ کے اُنکی شاعرانہ صلاحیت عظمت کی مالک ہے۔ للیشوری کی روایت کو آگے بڑھانے کیلیئے شیخ نورالدینؒ ایک فلسفی شاعر پیدا ہوئے ہیں جنہیں 'نُند ریشی' اور 'سہز انند' کے نام سے بھی پُکارتے ہیں۔ انکا لکھا 'ریشی نامہٖ' فلسفی شاعری کا ایک اہم ترین مجموعہ ہے۔ پاک زندگی اور اِنسانی محبت کی اہمیت کو انھوں نے زیادہ ترجیح دی۔ صوفی سنتوں کے اثر میں آنے کی وجہ سے انکی تخلیق پر اس مت کی چھاپ صاف اور واضح طور پر جھلکتی ہے۔ وہ ایک ہم آہنگ فقیر تھے۔ عبدالاحد آزاد اپنی تحقیقی تصنیف میں لکھتے ہیں کہ شیخ نورالدینؒ کی پیدائش اسلامی دور میں ایک خصوصی دین ہے۔ یہ وہ وقت تھا جب سنسکرت نظم کی جگہ فارسی نظم اور اسلامی فلسفہ لے رہا تھا۔ شیخ خود ریشیوں اور مُنیوں سے اثر اندوز تھے۔ ظاہری تعلیم سے آراستہ نہَ تھے اسلیئے درباروں

۱۔ کشمیری زبان اور شاعری۔ عبدالاحد آزاد۔ کلچرل اکادمی اشاعت جلد ۱۔ صفہ نمبر 215۔

اور ادبی مجلسوں سے انکا کوئی رشتہ نہیں تھا۔ للیشوری سے روحانی تعلیم لی تھی اسلئے سنسکرت نظم اور ہندو فلسفے کا اُن پر کافی اثر تھا اگرچہ مُسلم فلسفے اور نظم سے بھی اثر اندوز تھے۔[1]

اس سیریتی کلام کی روایت کو آگے لے جانے میں کشمیر کی ایک اور شاعرہ الکھیشوری (روپہ بھوانی) کا نام بہت ہی اہم ہے۔ 17 ویں صدی میں جنم لیکر انھوں نے سخت عبادت کے بعد روحانی علم حاصل کیا اور لوگوں کی بھلائی اور رفائے عام کے احساس کے بہاو کو وُسعت دی۔ وہ زندگی بھر یوگ کی عبادت میں ہی مست رہی۔ اُنکے مطابق الہیت (برہمٖ) ہی سب کچھ ہے اور ذرے ذرے میں الہیت ہے۔[2] روپ بھوانی خود فرماتی ہیں:

ژُ کُس، بہٕ کُس، کانٹہہ ویژاراہ

اَژھبن دھارا، سُہٕ چوٚن روپ[3]

اُنیسوں صدی میں محمود گامی نے سیریتی ادب میں انمول اضافہٕ کیا۔ انھوں نے فارسی اور کشمیری، دونوں زبانوں میں اپنا کلام لکھا۔ صوفی مت سے متاثر ہو کر بھی انھوں نے کئی اچھی نظمیں لکھیں۔ اُنکے ہم زمانہ ایک اور شاعر رحمان ڈار ہوئے ہیں۔ صوفی کلام کے روایتی سوت کے بہاو کو آگے بڑھانے میں انکا بہت ہی اہم ہاتھ رہا ہے۔ الہیت (برہم) کو محبوب مانکر اسکے فراق میں انھوں

۱۔ کشمیری زبان اور شاعری۔ عبدالاحد آزاد۔ کلچرل اکادمی اشاعت جلد ۱۔ صفہ نمبر 36۔

۲۔ کشمیر۔ دسمبر 1953ء۔ روپ بھوانی۔ ڈی۔ پی۔ کاچرو۔ صفہ نمبر 248۔

۳۔ مارگ درشک۔ جموں و کشمیر وشیشانک اگست 1962ء۔ صفہ نمبر 152۔

نے کئی اہم تخلیقات کی ہیں۔[1] کشمیری صوفی کلام کے سرفہرست شعرا میں شمس فقیر کا نام مشہور ہے۔ انھوں نے اپنی زبان سے روحانی عنصر کو عام لوگوں کی سطح پر پیش کرنے کی کوشش کی۔ انکے کلام میں اُس لامحدود الہیت کے ساتھ ایک ہونے کا بنیادی سُر چھُپا ہے۔ اپنی شاعرانہ صلاحیت کے ذریعے شاعر نے صوفی کلام کو ایک نئی سمت کی طرف بڑھا دیا۔ وہاب کھار بھی شاعری کے اس سوت کے بہاو کو بڑھانے کیلئے آگے آئے۔ وہاب پرے انکا نام تھا اور کھار (لوہار) انکا پیشور نام تھا۔ سیریتی کلام کی اس روایت کو لیکر انھوں نے بہت ساری تخلیقیں کیں۔

اسکے علاوہ اس روایت کے ایک اور اہم شخص پنڈت نند رام کا نام خاص اہمیت کا حقدار ہے۔ پرمانند اُنکا تخلص ہے اور اسی نام سے مشہور بھی ہیں۔ ماسٹر زندہ کول جن کو عام طور پر ماسٹر جی کے نام سے پکارتے تھے یوں لکھتے ہیں:

"The name Parmanand is very familiar to those Kashmiri Pandits of today, who take interest in Kashmiri literature or in Kashmiri religious verses, though it is only the poet's pen name. Less familiar is his personal name Pandit Nand Ram."2

انکا دورِ تخلیق اُنیسویں صدی مانا جاتا ہے۔ بھگوت گیتا، پُرانوں اور شِو درشن کا انھیں غیر معمولی گیان تھا۔ ویدانت کا بھی باقاعدہ طور پر مطالعہ کیا تھا۔ اپنی

۱۔ کشمیر زبان اور شاعری۔ عبدالاحد آزاد۔ کلچرل اکادمی اشاعت جلد ۲۔ صفہ نمبر 339۔

۲۔ کشمیر فروری 1958 پرمانند۔ شری زندہ کول (ماسٹر جی) صفہ نمبر 26۔

جایہ پیدائش سیر کا نیل گُنڈ، مارتنڈ کی پاک سرزمین پر انھیں اِس علم سے فیض یاب ہونے کا سُنہری موقعہ مِلا تھا۔ انھوں نے شِوازم کی سب سے بہترین وضاحت کی ہے اور ہر جگہ شاعر نے شِو کی عظمت کو اہمیت دی ہے۔ شری پریم ناتھ بزاز کے مطابق، پرمانند شیوازم کے سب سے بہترین وضاحت کار ہوئے ہیں لکھتے ہیں:

"Parmanand is the best interpreter of the philosophy of shivism in Kashmir. In his poems there is no escapism of the vedantin. The universe exists, it is real, it is good, it is a Leela, a dance of Shiva."1

شِو لگن اِنکی ایک مشہور تصنیف ہے۔ اس میں شِو اور پاروتی کے مِلن میں آتما کا پرماتما کے ساتھ مِلن دکھایا گیا ہے۔ خودعرفانیت کی حصولی اِنسان کا انتہائی مقصد ہے۔ اس سمت میں سوامی پرمانند کا دِل کو چھونے والا یہ بیان قابل ذکر ہے۔

رِگنڈُ نا چھُ زِندِ مرُن سُہز وبڑار کرُن

پانہٕ روس پان سورُن سہٕز وبڑار کرُن۲

شاعری کے اس سوت کو آگے بہانے میں شری کرشن جو رازدان کا نام بھی قابل ذکر ہے۔ وہ کرشن کو شِو کا ہی ایک روپ مانتے ہیں۔ اسکے علاوہ معروف اور نامعروف شاعروں نے بھی شاعری کے اسی بہاؤ کو آگے بہانے میں اپنا تعاون دیا ہے۔

---

1. History of struggle for freedom in Kashmir. By Sh. P.N.Bazaz, Edition 2003, Page 284.

۲۔ 'پرمانند' جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت۔ صفہ نمبر 80۔

بیسویں صدی میں بھی اسی بہاؤ کی روانی دیکھنے کو ملتی ہے۔ لیکن وقت کی بدلتی مانگ کو زیرِ نظر رکھتے ہوئے اِسکو زیادہ عروج نہیں ملا اور دھیرے دھیرے یہ سوت سوکھنے لگا۔ اسکے اہم قلمکاروں میں عبدالاحد زرگر، صمد میر اور ماسٹر زندہ کول کا نام احترام سے لیا جاتا ہے۔ غلام احمد مہجورؔ نے بھی اس سمت میں اپنے قلم کا استعمال کیا ہے لیکن وہ بہت ہی قلیل مقدار کا ہے ایک مثال قابلِ ذکر ہے:

اَتہِ وُچھ میٛہ أکِسے سُجدٕ کران ہیٛنْدٕ تہٕ مُسلمان
اَمہِ کھوتہٕ بہٕ کیٛاہ لولہٕ کے شہرٕچ خبر وَنےٚ!۱

(1) بکھتی اور لیلا کاویہ (شاعری):

کشمیری ادب کا خزانہ بکھتی اور لیلا شاعری (کاویہ) کے بیش قیمتی جواہرات سے بھرا پڑا ہے۔ وقتاً فوقتاً یہاں اُیسے کلاکاروں کی آمد ہوئی ہے جنھوں نے مذہبی موضوع کو لیکر اپنے کلام کے پھولوں سے شعر و شاعری کے گُلستان کو مہکایا ہے۔ ہندو اور مسلمان دھرم کے اوتاروں سے متعلق بہت ساری نظمیں لکھی گئیں۔ جہاں ہندوں نے بھجن اور لیلائیں لکھیں وہاں مسلمانوں نے نعتوں کی تخلیق کی۔ پروفیسر پُشپؔ لکھتے ہیں کہ: ''مذہبی شاعری بھی ان دنوں خوب ہوئی۔ جہاں ایک طرف شیو، پاروتی، رام اور کرشن کے بھجن کیرتن اور چرت گائے گئے وہاں دوسری طرف حضرت محمدؐ کی شان میں نعت کہے گئے اور میراج نامے لکھے گئے۔۲

۱۔ کلام مہجور۔ حصہ 4 ۔ صفہ نمبر 12۔

۲۔ کشمیری بھاشا اور ساہتیہ۔ پروفیسر پی۔این۔پُشپؔ۔ صفہ نمبر 14۔

ان شاعروں کے مطابق شِو اور شکھتی ہی عظیم قوت کا خزانہ ہے اور مکمل شِو اِسی شکھتی پر منحصر ہے۔ ساری کائنات صرف شِو کا ہی کھیل ہے اور وہی کائنات میں حُسن و جمال بکھیرنے والا ہے۔ اس بھکتی اور لیلا شاعری کا آغاز 18 ویں صدی سے مانا جاتا ہے اور 19 ویں صدی میں اسکی روانی میں خصوصی تیزی آ گئی۔ شری کرشن کے بارے میں پہلی بار صاحب کول نے کچھ لیلاؤں کی تخلیق کی اور اسکے بعد پرکاش رام نے 'راماوتار چرت' کی تخلیق کی اور اس رُجحان کو مظبوطی دی۔ شری علی جواد زیدی کے مطابق پرکاش رام لیلا تحریک کے جنم داتا ہیں۔ انھوں نے کشمیر میں بکھتی کی تحریک چلائی جسکو آگے پرمانند اور انکے ساتھیوں نے عملی طور پر تعاون دیا۔[1] 'راماوتار چرت' اس دور کا ایک اہم گرنتھ ہے۔ 19 ویں صدی میں لیلا شاعری کے تخلیقکاروں میں شری پرمانند کا مُقام سب سے اوپر ہے۔ بھکتی رس سے بھرپور اُنکے 'سُدا اما چرت'، 'رادھا سویموز' اور 'شِو لگن' وغیرہ اہم اور قابلِ ذکر ہیں۔ انکے بارے میں مرحوم زندہ لعل کول کے مطابق سلسلہ وار ان تینوں شاعری تخلیقوں کا جوہر ہے سُدااما اور کرشن کا آپسی پریم یعنی آتما اور پرماتما کا آپسی پریم، رادھا اور کرشن کا پریم اور شِو اور اُما کا دوبارہ ملاپ۔ یہ تینوں تخلیقات آتما پرماتما کے آپسی انتہائی پریم کی علامت ہیں۔ ایشور کی اس لیلا کو دیکھکر شاعر اپنا سب کچھ اس پر قربان کرتا ہے اور بھکت کی صورت میں اسکی عبادت کرتا ہے۔ انھوں نے خاص طور پر رادھا اور کرشن کیلیئے اپنی دلی اُپھان کو آواز دے دی۔ یہی وجہ ہے کہ انکے

1۔ کشمیری زبان اور شاعری۔ عبدالاحد آزاد۔ کلچرل اکادمی اشاعت جلد 1۔ صفہ نمبر 99۔

کلام کو خاصیت کے ساتھ لیلا شاعری میں رکھا ہے۔[۱]

سُوامی پرمانند کی نظموں کو آج بھی ہندو لوگ بڑے چاو سے گاتے ہیں۔ کرشن جو رازدان کا نام بھی اس سمت میں مشہور ہے۔ انھوں نے شِو اور کرشن کی پرستش میں نظمیں لکھیں۔ جو مٹھاس کی خوبی سے بھرپور ہیں۔[۲] انھوں نے بھی 'شِو لگن' اور 'شِو پرنئے' لکھا ہے۔ کُل مِلا کر 347 بھجنوں اور لیلاؤں کی تخلیق کی ہے۔ جن میں عقیدت کا احساس دیکھنے کو ملتا ہے۔ عقیدت مند اپنے محبوب کے سامنے اپنی دردناک حالت کی وجہ سے آہ وزاری کرتا ہے۔ اُسے اپنی حالت پر بہت ہی اضطراب ہے لیکن اُسے یہ مکمل اعتماد ہے کہ شِو کے صرف چھونے سے ہی اُسکی زندگی کی ناو پار لگ جائے گی۔ ذیل کی نظیر سے یہ عقیدہ صاف ہو جاتا ہے:

پڑھ ِ چانہِ دانہِ وژھ ِ سونہِ شینہِ مانہِ
ہا گوسانہِ سانہِ سرتلہِ کر سون
ننگہٕ چھس لوٚگمُت مَژ پیوٚنہِ شرانہِ
زنگہٕ چھم نہٕ رِکتھ پاٹھی پکہٕ مَژلس
انگہٕ ہیٚنس میٚہ شرٛان کرناو گنگہٕ وانہِ[۳]

۱۔ کشمیر۔ شُمارہ فروری 1958ء، پرمانند۔ ماسٹر زندہ کول۔ صفہ نمبر 29۔

۲۔ کشمیر۔ شُمارہ اکتوبر 1956ء، کشمیر ادب کا جدید دور۔ پروفیسر جیالعل کول۔ صفہ نمبر 230۔

۳۔ کشمیر زبان اور شاعری۔ عبدالاحد آزاد۔ کلچرل اکادمی اشاعت ۔جلد 2۔ صفہ نمبر 30۔ کلام کرشن جو رازدان۔

19 ویں صدی میں قطبدین واعظ نے بھی پیغمبروں کے بارے میں نعتیں لکھیں۔ اُسکے بعد عبدالاحد نادِمؔ نے بھی بھکتی سے سرابھور نظموں کی تخلیق کی۔ وہ ایک اعلیٰ درجے کے صوفی شاعر تھے اور انھوں نے پیغمبر اسلام کی عقیدت میں بڑے ہی احترام کے ساتھ نعت لکھے ہیں۔ اسی دور میں مقبول شاہ کرالواری نے بھی اس میدان میں قدم رکھا اور بھکتی اور مذہبی طرز کی تخلیقوں سے اپنے عقیدت کے پھول پیش کیے۔ پیغمبر اسلام کو قوت کا سرچشمہ مانکر اُنکی عظمت کا اپنی نظموں میں بیان کیا ہے۔ اس وقت کے ناسازگار حالات سے لوگوں کو نکالنے کیلئے شاعر نے پیغمبر صاحب کی بارگاہ پر ہی دستک دی اور اپنی آہ وزاری کی۔ اسکے علاوہ پنڈت آنند رام اور ست رام بھٹ کا نام بھی اس میدان میں اپنی اہمیت بنائے ہوئے ہیں۔ بیسویں صدی میں بھی اس رُجحان کا سوت بہتا رہا اور شاعروں کو اپنی طرف متوجہ کرتا رہا۔ ہندو اور مُسلمان شعرا نے برابر اس بہاؤ میں اپنے قلم کو غوطہ زن کیا۔

(2) چرت کاویہ (کلام) :

کشمیری ادب کے اُفق پر کردار سازی یا اِخلاقی شاعری کے ستارے جگمگاتے نظر آتے ہیں۔ پُرانوں کے زمانے کی شخصیتوں پر مبنی یہ تخلیقات اپنی بنیاد اور بلند خیالی کیلئے بہت مشہور ہیں۔ اس سلسلے میں بہت سارے شاعروں نے شری رام کے اخلاق کو روشنی میں لایا اور اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کو نِکھارا۔ ان عقیدت مندوں نے شری رام کو راجا دشرتھ کے بیٹے کی صورت میں انکی

عظمت کے گیت گائے۔

15 ویں صدی میں ہمیں سب سے پہلے سوم پنڈت کا لکھا ہوا 'زین چرت' نام کا گرنتھ ملتا ہے۔ کشمیر کی راج گدی پر ان دنوں زین العابدین برسر اقتدار تھے۔ وُہ رعایا کے دوست اور نگہبان تھے اور اسی وجہ سے لوگ انھیں 'بڈشاہ' یا بڑا بادشاہ کے نام سے پُکارتے تھے۔ اُنکے دورِ حکومت کو کشمیر کی تاریخ کا سُنہری دور کہا جاتا ہے۔ اس عظیم شاعر نے اپنی تخلیق میں بڈشاہ کے اخلاق اور عظمت کا بہت ہی ماہرانہ انداز میں تزکرہ کیا ہے۔ 18 ویں صدی میں پرکاش رام نے راماوتار چرت کی تخلیق کی۔ شاعر کا دوسرا نام دِواکر پرکاش بھی تھا اور کُرگام نام کے گاؤں کا رہنے والا تھا۔ لوگوں کے بیان کے مطابق پرکاش رام نابینا تھے، لیکن جب انھوں نے 'راما وتار چرت' کی تخلیق کی تو کرشمۂ قدرت سے وہ آنکھوں کی بینائی سے مُنور ہوئے۔ ایسا کچھ لوگوں کا ماننا ہے۔ اس تصنیف کی کہانی میں کئی جگھوں پر نئی باتیں جوڑی گئی ہیں اور شاعر نے سیتاجی کو مندودری کی بیٹی مانا ہے۔ لیکن تصنیف کی بنیاد والمیکی راماین ہی ہے۔ فارسی زبان کا بھی اس پر صاف اثر نظر آتا ہے۔ پروفیسر پرتھوی ناتھ پُشپؔ کے مطابق موضوع اور زبان کے لحاظ سے یہ کشمیری کی بنیادی تخلیقوں میں سے ہے۔ زبان آسان اور متوازن ہے۔ ابھرتے ہوئے ذہنی خیالات کی عکاسی بہت ہی فطری اور با اثر طریقے سے کی گئی ہے۔ جنگوں کے علاوہ باقی سبھی واقعات میں وقتی اور ماحول سے جُڑی ہوئی نئی باتوں کو پیش کیا گیا ہے۔ درد کو جگانے میں شاعر کو خاص کامیابی ملی ہے۔ تصنیف کے ضمیمہ 'لوکش چرت'

میں سیتا جی کی حسرت ناک فریاد تو کشمیری ادب میں بالکل نرالی چیز ہے۔ ۱
اسمیں مصنف نے قدرت کے دِلکش نظاروں کی بڑی مہارت سے عکاسی کی ہے۔ ۲ شری رامچندر جی کی پیدائش کا منظر بڑی خوبی کے ساتھ پیش کرتے ہوئے ایودھیا نگری میں اس عظیم تیوہار کی تصویر قابلِ ذکر ہے:

پرتہٕ تلہٕ ژٔندرمہٕ دژاو ستیے گاش آوِیے
راز دشرتھ برٕ ناچاو کوشلایہٕ راجو زاوِیے
اَسہِ لوٗگ تار تمہِ سٔندِ ناو ستیے گاش آوِ یے
سُندر روتہٕ وِگنیو بٔری توی چاو ووٚنڈُک غصہٕ غم دژاو یے۔ ۳

پرمانند کا ’سُداما چرت‘ ایک کامیاب تصنیف ہے۔ اس میں شاعر نے کرشن اور سُداما کی دوستی بیان کرتے ہوئے اپنے فلسفانہ نظریہ کو واضح کیا ہے۔ سُداما کو روح (آتما) اور کرشن کو خدا (پرماتما) کہا ہے۔ اسکے علاو شری کرشن کی زندگی کے اہم واقعات پر بھی شاعر نے کافی روشنی ڈالی ہے۔

اکہ نندُن کی لوک کہانی بھی کشمیر صوبے میں بہت مشہور ہے۔ اس کہانی کو لیکر بہت سے شعرا نے چرت کاویہ (کلام) لکھ ڈالے۔ پروفیسر پرتھوی ناتھ پُشپؔ کے مطابق ایک اور مضمون جس پر نصف درجن شاعروں نے اپنی قابلیت کو آزمایا، ’اکہ نندُن‘ کی درد ناک کہانی ہے۔ ایک میاں بیوی

۱۔ کشمیری بھاشا اور ساہتیہ۔ پروفیسر پی۔ این۔ پُشپؔ۔ صفہ نمبر 17۔
۲۔ ہسٹری آف کشمیر۔ شری پی۔ این۔ کول بامزئی۔ صفہ نمبر 835۔
۳۔ کشمیری زبان اور شاعری۔ عبدالاحد آزادؔ۔ کلچرل اکادمی اشاعت جلد دوم۔ صفہ نمبر 233۔

اپنا قول پورا کرنے کیلئے خود اپنے بیٹے کو مار کاٹ کے پکانے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور پھر کھاتے ہیں۔ اسطرح امتحان میں کھرے اُتر کر اُسے پھر واپس حاصل کرتے ہیں۔[1] سب سے پہلے 18 ویں صدی میں پرکاش رام نے اس لوک کہانی کو چرِت کاویہ کے روپ میں پیش کیا۔ جدید دور میں بہت سے شعرا نے 'اکہٕ نندُن' کی تصنیف کی، جن میں رمضان بھٹ، احد زرگر، صمد میر و علی وانی وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ اسکے علاوہ پنڈت نیلہٕ کنٹھ شرما کے لکھے 'رامائنی شرما' اور رام چرِت کے مسودے مصنف کے لواحقین کے پاس محفوظ ہیں۔ پنڈت وشنو کول ویسو کا لکھا ہُوا ویشنو پرتاپ راماین شائع نہیں ہوا ہے اور اُسکا مسودہ بھی اُنکے بیٹے کے پاس محفوظ ہے۔

(3) عشقیہ اور قوم پرست شاعری:

کشمیری نظم میں پیار و محبت کے اس چشمے کی روانی 16ویں صدی میں دکھائی دی اور اُسکے بعد یہ لگاتار بڑھتی گئی۔ کشمیری نظم کے اس رُجحان کا تذکرہ ہم آگے کرینگے تاکہ تکرارِ کلام نہ ہو۔ قوم پرستی کی نظم بھی صحی مانوں میں 20 ویں صدی میں فروغ پا گئی۔ اُسکا تذکرہ بھی اگلے صفات پر توسیع کے ساتھ کیا جائے گا۔

ا۔ کشمیری بھاشا اور ساہتیہ۔ پروفیسر پی۔ این۔ پُشپ۔ صفہ نمبر 17۔

حصہ پنجم

آزاد کی آمد، ترغیبی سوت اور مختصر ادبی تعارف:

(1) آمد اور ترغیبی سوت:

شاعری کے میدان میں آزاد کی دست اندازی بچپن میں ہی ہوئی۔ اُنکے والد خواجہ سلطان ڈار نظم کے شوقین تھے اسلئے اپنے بیٹے سے شاعرانہ کلام پڑھوا کر سُنتے تھے اور خود لُطف اندوز ہوتے تھے۔ اس سے آزاد کے اندر بھی شاعری کی کلی پھوٹنے لگی اور اسطرح سے ہم بلاشک یہ کہہ سکتے ہیں کہ آزاد کو شاعری کی ترغیب اپنے ہی گھر میں اپنے والد سے مِلی۔ اسکے بارے میں آزاد خود لکھتے ہیں کہ اُنکے والد بزرگوار شاعری میں دِلچسپی رکھتے تھے خاصکر کشمیری گیت اور مثنوی سُننے کا انھیں بہت چاؤ تھا۔ وہ اُن سے پڑھوا کر خود مُستفید ہوتے تھے اور نتیجے کے طور پر آزاد کو بھی شعر و شاعری کی طرف دلچسپی بڑھ گئی اور 16-15 سال کی عمر میں غزل لکھنی شروع کی۔[1] شری بزاز اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

"Explaining the immediate cause of his start is a point, he told me. One day I was siting in my home absorbed in contemplation. Just at that moment a Bulbul came flying and perched precariously on a tiny branch of a tree out side in the compound. The branch felldown along the bird, I dont know how or why this incident instentineiously inspired and a few verses flowed from my mind."2

۱۔ عبدالاحد آزاد۔ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ تعمیر آزاد۔ لالہ رُخ اشاعت 1958، صفہ نمبر 8۔

2. History of struggle for freedom in Kashmir. By Sh. P.N.Bazaz. Edition 2003. Page 296.

اسکے علاوہ آزاد کو شاعری کی ترغیب انکے ایک عشقیہ واقعہ سے متعلق ہے۔ اس خاص واقعہ کا ذکر اُس وقت کے انسپکٹر سکولز شری دینا ناتھ پارمو اسطرح کرتے ہیں : ''میں نے آزاد صاحب سے پوچھا، جناب آپ کب سے شاعر بنے ہیں؟ اسکے جواب میں انھوں نے کہا کہ انکی اصلی شاعری کی شروعات ایک دن کے عشقی واقعہ سے ہوئی ہے۔ اُنکے گاؤں میں ایک لڑکی تھی۔ بہت ہی حسین اور سلیقے دار اور غریب ماں باپ کی۔ وہ لڑکی آزاد صاحب سے پیار کرنے لگی۔ لڑکی مُسلمان نہیں تھی اسلئے آزاد صاحب اُسے اپنا نہ بنا سکے۔ لڑکی تپ دق کی مریض بنی۔ آزاد نے اس راز کو چھپاتے ہوئے اس بیمار لڑکی کی تن من اور دھن سے دیکھ بال کی۔ لیکن آخر میں وہ لڑکی موت کی آغوش میں سدا کیلئے سما گئی۔ اسی واقعہ کے زیر اثر آزاد مایوس کُن حالت میں شعر لکھنے لگے۔[1]

آزاد نے شروع میں سبھی شاعروں کی طرح رومانی غزلیں لکھیں اور اس سمت میں انھوں نے ممتاز شاعر غلام احمد مہجور کی ڈگر پر چلنا شروع کیا۔ لیکن جوں ہی اُنکی دماغی پختگی بڑھتی گئی وہ اس ڈگر سے ہٹ گئے۔ اب انھیں اپنی غلامی کا احساس ہونے لگا اور مظلوم عوام کی طرف ان کا دھیان چلا گیا۔ اسکے اندر کے شاعر نے اب آرائشی سجاوٹ کے زیورات اتار کر قوم پرستانہ زرہ بکتر پہنا۔ وہ اب ایک رضا کار کی طرح قوم پرست شاعری کے پرچم کو لہرانے لگے اور عوامی بیداری کے کام میں مشغول ہوئے۔ ایک ادیب

۱۔ آزاد ایک دوست کی نظر میں۔ شری دینا ناتھ پارمو۔ تعمیر آزاد نمبر۔ لالہ رُخ اشاعت۔ صفہ نمبر 66۔

کے طور پر انھوں نے جنگِ آزادی میں اپنی ذِمے داری کو بخوبی نبھایا۔ انھیں اپنی ذِمے داری میں غیر معمولی کامیابی مِل جاتی اگر اُنکی تخلیقات عوام تک آسانی سے پہنچ جاتیں۔ لیکن بد قسمتی سے وہ ایسا نہ کر سکے کیونکہ وہ زندگی بھر غربت میں ہی گرفتار رہے۔ اسلئے وہ اپنی تخلیقات کو شائع کرنے میں قاصر رہے نتیجہ لوگ اُن سے پوری طرح مُستفید نہ ہو سکے۔ بیرونی حکمرانوں کی آمریت کو دیکھ کر شاعر کی نس نس میں آگ لگی۔ سامراج شاہی کی اس لوٹ کھوسٹ کو وہ برداشت نہ کر سکے۔ کسان کی دردناک حالت پر وُہ کراہ اُٹھے اور ان ہی حالات کے پیشِ نظر اُن کے دل میں ایک آگ بھڑک اُٹھی۔ حقیقت میں اسی ظُلم اور ناانصافی نے آزاد کو ایک قوم پرست شاعر بنا دیا۔

(2) آزاد کا ادبی تعارُف :

جدید دور میں کشمیری ادب کے ممتاز کلاکاروں میں آزاد کا نام صفِ اول پر آتا ہے۔ کشمیری ادب میں انکا اشتراک بہت بڑی اہمیت کا حقدار ہے۔ آزاد کے ادب سے تعارف کرانے کیلئے ہم سب نے پہلے انکی تخلیقوں کو نظم اور نثر دو حصوں میں بانٹ لیں گے۔ پہلے ہم انکی شاعرانہ تخلیق پر روشنی ڈالیں گے۔ اسے بھی ہم دو حصوں میں الگ کریں گے، مثنوی اور آزاد نظم۔ مثنوی کے تحت اُنکی دو تخلیقیں آتی ہیں: 'ژندر بدن و میار' اور 'قمرالزماں'۔ پہلی تصنیف تاریخی واقعہ پر مبنی ہے اور دوسری ایک پریم گھٹنا کو لیکر لکھی گئی

ہے۔ لیکن دونوں ہی نا قابل حصول ہیں۔[1]

اسکے بعد اب ہمارے سامنے اُنکی دوسری شاعرانہ تخلیقات آتی ہیں۔ اسکے اندر انھوں نے غزلیں اور نظمیں ہی خاص طور پر لکھی ہیں جنکی اشاعت چھوٹی چھوٹی کتابچوں میں کئی عنوانوں کے تحت ہوئی ہے۔ 'ندائے حاتمی' نام کے کتابچے میں کئی عینیت پسند اور قوم پرستی کے گیتوں کو جگہ ملی ہے۔ 'پیام آزاد' نام کے ترتیب میں سیاسی اور فلسفی گیتوں اور غزلوں کو عوام کے سامنے پیش کیا ہے۔ فلسفے کی نظر سے اس انتخاب کی 'دریا' نام کی نظم غیر معمولی اہمیت کی حقدار ہے۔ حقیقت میں اس نظم کو آزاد کی سب سے ممتاز تخلیق ماننا

ا۔ ہم پہلے بھی صاف کر چکے ہیں کی آزاد غربت کی وجہ سے اپنی تخلیقات کو وقت پر شائع نہ کر سکے اور نتیجہ انکا بہت سا قلمی سرمایہ غیر مطبوعہ ہی رہ گیا۔ شاعر کے جہاں فانی سے رخصت فرمانے کے بعد انکی تخلیقات جو مسودوں کی صورت میں ہی تھیں، کے ساتھ کافی نا انصافی ہوئی۔ شاعر کے افراد خاندان چونکہ نیم خواندہ تھے اسلئے انھوں نے اس سرمائے کا کچھ حصہ جو ابھی تک انکے پاس بچا تھا تمباکو بیچنے والے دوکانداروں کو چند پیسوں کے عوض میں بیچ ڈالا۔ خوش قسمتی سے ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو نے شاعر کی وفات کے بعد اُنکے گھر والوں سے بچے ہوئے مسودے حاصل کئے جسکے عوض میں سرکار کی طرف سے انھیں مالی امداد بھی حاصل ہوئی اور اِسکے علاوہ آزاد کی بیوہ کے نام تاحیات ایک سو روپیہ ماہانہ امداد کی صورت میں بھی منظور کرایا گیا۔ شاعر کے قریبی دوست گنجو صاحب نے بہت دشواریوں اور محنت کے بعد اس سرمائے کو اکٹھا کر کے اُسے کتابی صورت میں 'کلیات آزاد' کے عنوان کے تحت مُرتب کیا۔ جسے جموں و کشمیر کلچرل اکادمی نے شائع کیا۔ متذکرہ بالا دونوں کتابچے کہیں بھی دستیاب نہیں ہو سکے۔ ایک کتابچے کا مسودہ شری موتی لال جلیخانی صاحب جو اُن دنوں آل انڈیا ریڈیو نئی دہلی میں کار فرما تھے، کو ایک تمباکو والے کی دوکان سے ملا تھا۔ پتہ لگنے پر میں اُن سے ملنے دہلی چلا گیا، لیکن یہ جانکر بہت دُکھ ہوا کہ اُنکی بے احتیاطی کی وجہ سے وہ مسودہ انکے پاس محفوظ نہیں رہ سکا۔ وہ صرف اتنا بتا سکے کہ اُس مقالے میں ایک عاشقانہ واقعہ کا بیان تھا۔

چاہئے۔ میرا یہ ماننا ہے کہ اگر آزاد نے اس نظم کے علاوہ اور کچھ بھی نہ لکھا ہوتا تو بھی اس نظم کی بنا پر انھیں ممتاز شاعرو کی صف میں اِمتیازی حیثیت ہوتی۔ اس سے شاعر نے نظم کے میدان میں اپنی عظمت کا پرچم گاڑھ دیا ہے۔ آزاد کی بہت ساری غزلیں اور نظمیں 'سنگر مال' اور 'کلام آزاد' عُنوان سے کئی حصوں میں شائع ہو چکی ہیں۔ خاص طور پر انھوں نے دو قسم کی شاعری تخلیق کی ہے۔ ایک میں پریم اور آرائشی غزل اور دوسرے میں وہ غزلیں ہیں جو قوم پرستی کے جذبے سے بھری پڑی ہیں۔ آزاد نے شروع شروع میں کئی غزل اُردو میں بھی لکھے تھے لیکن شروعاتی مشق سمجھ کر خود ہی انھیں ضائع کیا۔ علاوہ اسکے آزاد نے بہت ساری رباعیاں و قطات بھی لکھے ہیں جو بہت ہی دلچسپ ہیں۔ طنز یا کلام بھی لِکھ ڈالا جن میں 'نامہٕ سُرسیار' بہت ہی مشہور ہے۔ اس نظم میں شاعر نے سُرسیار گاؤں کے کسانوں پر تیکھا طنز کیا ہے۔ یہ وہی گاؤں ہے جہاں انکی شادی ہوئی۔ ایک کسان سے معمولی ابن بن ہونے پر انھوں نے اس طنزیہ نظم کی تخلیق کی تھی۔[1]

نثر میں آزاد نے کشمیری ادب کو انمول جواہر تحفے میں دیا ہے۔ انھوں نے سب سے پہلے 'کشمیری زبان اور شاعری کی تاریخ' لکھ کر ایک کشمیری مُصنف کے ناطے تحقیق کا راستہ روشن کیا ہے۔ اس عظیم تصنیف کی تخلیق کیلئے انکو مرحوم غلام احمد مہجور سے ترغیب ملی۔ دونوں ایک دوسرے کے قریبی دوست

ا۔ آزاد کے متبناہ بیٹے غلام حسن ڈار المعروف جاوید آزاد کے ساتھ 21 نومبر 1967ء کی بات چیت سے معلوم۔

تھے اور ایک دوسرے کے لئے کافی عقیدت اور شفقت رکھتے تھے۔ اسی قربت کی وجہ سے آزاد کے دِل میں یہ خیال گھر کر گیا کہ وہ مہجور صاحب کی سوانح حیات لکھیں اور اس کام میں تن من اور دھن سے جُٹ گئے۔ سوانح لکھنے کے بعد جب انکی شاعری کی تنقید کی طرف رجوع ہوئے تو انھیں یہ محسوس ہوا کہ اسکے لئے کشمیری نظم کا مطالعہ کرنا بہت ضروری ہے۔ کچھ وقت تک مطالعہ میں مشغول رہنے کے بعد انکے دل میں سوانح مہجور لکھنے کے بجائے کشمیری زبان اور شاعری کی تاریخ لکھنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ اب وہ ایک مُحقق کی صورت میں پوری کشمیر گھاٹی کے شعرا کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تصنیفات اکھٹا کرنے لگے اور اس کام میں انھوں نے کئی سال صرف کئے۔ غیر مطبوعہ تخلیقوں کو ڈھونڈنے میں انھیں بہت سی پریشانیاں اٹھانی پڑیں اور اپنی محدود آمدنی کا بہت بڑا حصہ اس کام میں خرچ کرنا پڑا۔ لیکن دُھن کے پکے اس شخص نے اپنے منصوبے کو پایہ تکمیل تک جیسے تیسے پہنچا ہی دیا۔ اقتصادی بدحالی کی وجہ سے وہ اس انمول ہیرے کو جسے وہ اپنی اولاد کے برابر سمجھتے تھے، جیتے جی اس کو عوام کی نظر نہ کر سکے اور اس تمنا کو دِل میں ہی دبا کر ہمیشہ کیلئے سکون کے سمندر میں غوطہ زن ہو گئے۔ موت کے وقت انکے اس تحقیقی مسودے کو اُنکے سرہانے سے نکالا گیا۔ اب اس تصنیف کی اشاعت جموں و کشمیر کلچرل اکادمی نے 'کشمیری زبان اور شاعری' کے نام سے تین جلدوں میں بالترتیب 1959ء، 1962ء اور 1963ء میں کی ہے۔ شائع کرنے والی کمیٹی نے اسے تاریخی لحاظ سے نامکمل مان کر اسکا نام بدل کر 'کشمیری زبان اور شاعری' رکھا

نہ کہ 'کشمیری زبان اور شاعری کی تاریخ'۔ آزاد کی یہ دین کشمیری ادب کے ناطے بہت ہی قابل ستائش ہے۔ اس تصنیف کی افادیت کو دیکھتے ہوئے ہم بلا شک اسے براؤن کی 'ہسٹری آف پرشین لٹریچر' سے کم نہیں مان سکتے اور اسے شبلی کے 'شعر العجم' کے ہم پہلو رکھ سکتے ہیں۔ اگر دیکھا جائے آزاد جیسے کم تعلیم یافتہ شخص سے اسطرح کی ادبی تخلیق کی اُمید نہیں کی جاسکتی تھی لیکن یہاں ہم اسے اُنکی سچی لگن و دانائی اور مُستحکم عزم ہی مان سکتے ہیں۔ اگرچہ اس تخلیق میں کہیں کوئی کمی یا کوتاہی بھی دیکھنے کو ملتی ہے تو بھی یہ آزاد کی ایک قابلِ قدر کوشش ہے۔ انکی زندگی جن مُشکلات اور ناسازگار حالات سے گذری ہے اسکو دھیان میں رکھتے ہوئے انھوں نے اس یادگاری کام کے ساتھ سو فیصدی عدل کیا ہے، اس میں کوئی شک نہیں۔

آزاد نے ایک ہر دِل عزیز اور ممتاز کشمیری شاعر مرحوم مقبول شاہ کرالوادی کے شائع شُدہ اور غیر مطبوع ادبی تخلیقوں کو بھی اکھٹا کیا تھا اور 'کُلیات مقبول' عنوان کے تحت شائع بھی کیا۔ اس کام میں بھی انھیں کافی محنت کرنی پڑی۔ اس کتاب کی تمہید آزاد نے خود لکھی جو کہ ادبی لحاظ سے بہت اہمیت رکھتی ہے۔ اس تمہید کا مطالعہ کرنے سے ادیب کی دانائی اور سنجیدہ تفکر کا ثبوت ملتا ہے۔ یقیناً آزاد کا تنقیدی حُسن کشمیری ادب کی تاریخ میں لافانیت کو حاصل کر گیا ہے۔ اسکے ساتھ آزاد کے ادبی سفر کا مختصر تعارُف ہم یہیں پر ختم کرتے ہیں اور اگلے صفحات پر اب ان کے شاعرانہ کارناموں کا باضابطہ مطالعہ پیش کریں گے۔

آزاد کی شاعری میں جمالیاتی و عاشقانہ تذکرہ:

آزاد سے قبل کشمیری نظم میں جمالیات:

کشمیری شاعری میں جمالیات کی شروعات 16 ویں صدی عیسوی سے ہی مانی جاسکتی ہے۔ جبکہ ایک کسان دوشیزہ کے میٹھے سنگیت میں جمالیات کے تار جھنجھنا اُٹھے۔ اس نیک اور راست باز دوشیزہ کا نام 'زون'[1] تھا اور دورِ طفلی میں ہی اُسکا نکاح ایک سیدھے سادھے کسان کے ساتھ کر دیا گیا۔ سنگیت اور شاعری کی طرف اُسکا زیادہ تر رُجحان ہونے کی وجہ سے وہ اکثر اسی دُھن میں رہتی تھی۔ کشمیر صوبے میں اُن دنوں یوسف شاہ چک کا راج تھا۔ وہ سنگیت کلا کا بہت زیادہ شیدائی تھا اور کہیں سے زون کی یہ سُریلی تان اُسکے کانوں تک پہنچ گئی۔ تبھی سے وہ اس دوشیزہ، جو کہ اب شادی شدہ تھی، پر گرویدہ ہو گیا اور آخرکار اپنے شاہی اثر و رسوخ کے ذریعے "زون" کو اپنے خاوند سے طلاق دلوا کر اُسکے ساتھ شادی کر لی۔ شاہی محل کی رونق بن جانے پر اُسکا نام زون سے بدل کر حبہ خاتون رکھا گیا اور اسی نام سے آگے چلکر وہ مشہور ہوگئی۔

حبہ خاتون کے آنے تک کشمیری شاعری صرف صوفیانہ تصورات سے بھری پڑی تھی۔ سب سے پہلے حبہ خاتون نے ہی اپنے قلم سے جمالیات، دردِ ہجر وغیرہ کی

۱۔ کشمیری زبان میں چاند کو 'زون' کہتے ہیں، چونکہ زون حُسن و شباب کی زینت سے بھرپور تھی، اسی لئے اُسکا نام زون رکھا گیا۔

عکاسی کی۔ شاعرہ کے وژنوں میں جمالیات کے اسکے اپنے احساس جھلکتے ہیں۔ رانی بننے سے قبل اُسکی خانہ داری زندگی دردناک ہی رہی ہے، اسلیئے اُسکی شاعری میں اسی تنہاہی کا احساس نظر آتا ہے۔ عاشق اور معشوق آپس میں ملنے کے لئے بیقرار رہتے ہیں۔ فراق کی آتش میں معشوقہ یہ سوچ کر جل رہی ہے کہ کہیں عاشق کو کسی اور معشوقہ نے اپنے بس میں کر لیا ہے، اسی لئے وہ اب اُس سے نفرت کرنے لگا ہے۔ اسی حالِ دِل کی عکاسی شاعرہ نے بڑی خوبی کے ساتھ یوں کی ہے:

ژٕ کمو سونہِ میانہِ برٛم دِتھ نیٛنکھو
ژٕیہِ رِکھوزِ گیہِ میأنۍ دِلی
ژٕکھ تژاو دِلی ملالہِ ووٚنڈ چھےٚ نایِوان
ژٕیہِ رِکھوزِ گیہِ میأنۍ دِلی[1]

ہجر میں ڈھوبی محبوبہ کی آنکھوں سے آنسوں کی دھار بہہ رہی ہے اور محبوب کے فراق میں برف کی چٹان کی طرح پگل رہی ہے۔ محبوب کی راہ دیکھتے اُسکی آنکھیں پتھرا گئی ہیں اور اُسے لگ رہا ہے کہ محبوب نے اُسکے راستے کو ہی بھلا ڈالا ہے۔

ا۔ کشمیری زبان اور شاعری مُصنف عبدالاحد آزاد جلد 2۔ کلچرل اکادمی اشاعت۔ صفہ نمبر 209۔

اۆش چھبس تژاوان بو ژالہِ ژالے

میٚہ بالہِ گوٚژھم ژٕے

ژٕ کوٚو وتہٕ میانہٕ آکھ مٔشراوان

ژٕیہِ کووو گیہِ میأنٔ ڈٕی!

حبہ خاتون کے بعد اٹھارویں صدی عیسوی تک کشمیری نظم میں جمالیاتی و عاشقانہ بہاو تھم ہی گیا لیکن اٹھارویں صدی میں ایک اور خاتون شاعری کے اُفق پر نمودار ہوئی اور اُسنے جمالیات کے اس بہاو کو آگے بڑھانے میں اپنا تعاون دیا۔ سرینگر سے قریب 30 کلومیٹر دور پلہالن گاؤں کی اس خاتون کا نام ارنی مال تھا جو ایک ہندوؤں گھرانے میں پیدا ہوئی تھی۔ بچپن سے ہی ارنی مال شاعرانہ صلاحیتوں سے بھرپور تھی۔ حبہ خاتون کی طرز پر ہی اُسکی شاعری میں بھی ہجر کے درد کا پلڑا بھاری دکھائی پڑتا ہے۔ محبوبہ کے دِل میں اپنے محبوب سے مِلن کی بیتابی ہے۔ وہ اپنے آپکو بناوٗ سِنگار سے آراستہ کرتی ہے اور اپنے محبوب کی آرام گاہ کو قسم قسم کی عطر اور خوشبوں سے مہکاتی ہے۔ دن رات انتظار میں رہتے ہوئے آنکھوں کی نیند بھی اُڑ جاتی ہے۔

گچھ گُتھِ تھاوٕے وتھراوِتھ

لچھ ناویو مندورِ سانہِ بیٚہہ

أچھ دأر زن روزے پأراوِتھ۲

۱،۲۔ کشمیری زبان اور شاعری مُصنف عبدالاحد آزاد جلد 2۔ کلچرل اکادمی اشاعت۔ صفہ نمبر 209، 242۔

محبوب اپنی محبوبہ کو چھوڑ کر گیا ہے اور وہ اپنی ہمجولیوں سے زار زار روتے ہوئے کہہ رہی ہے کہ وہ اُس محبوب سے کچھ نہیں مانگے گی، صرف اُسکے دیدار کی آرزو ہے۔

لالہِ گوٗ مےٚ باغہٕ منٛزٕ نیرِتھ
پوش لاگس گونڈرے گونڈرے
کینٛہہ نہٕ منگس تیم نا پھیرِتھ
زولہِ چھم نہٕ سونڈرے سونڈرے[1]

اٹھارویں صدی عیسوی کے نصف آخر اور اُنیسویں صدی کے نصف اول کے بیچ میں ایک اور اہم شاعر کی آمد ہوئی جسکا نام محمود گامی تھا۔ بچپن سے ہی انھوں نے شاعری میں اپنی دلچسپی ظاہر کی اور کچھ غزل اور وژن لِکھ ڈالے۔ شاعرانہ صلاحیتیں اُنکے اندر پورے طور پر موجود تھیں اور شاعری کے مختلف رموز کو اپنے قلم کی رنگینی عطا کی۔ انھوں نے جمالیاتی و عشقیہ رُجحان کو بھی پیش کیا ہے۔ فراق کی آگ میں جلتے ہوئے معشوقہ اپنی ہمجولیوں سے کہتی ہے۔

رنگہِ رِوٗنس پرنگ پاٗراوس پاٗراوِتھ تھاوس پان
ہنگہِ تو مار دوٗر اُلہِ راوس، بال۔ باوس لائنین نیاے
چھترِ بونِمن تل وتھراوس، چھم میٚہ ہاوس ہیٚہ ارمان
نرِ آلوس لرِ پان ساوس، بال باوس لائنین نیاے[2]

[1,2]۔ کشمیری زبان اور شاعری مصنف عبدالاحد آزادؔ جلد 2۔ کلچرل اکادمی اشاعت۔ صفہ نمبر 242،255۔

محمود گامی کے بعد اُنیسویں صدی میں ایک اور پُر جلال شاعر رسول میر شاعری کے میدان میں رونما ہوئے۔ جمالیاتی و عشقیہ شاعری میں رسول میر کا وہی درجہ ہے جو ہندی شاعروں میں بہاری لعل کا ہے۔ کشمیری شاعروں میں رسول میر کو مقبول ترین شاعر کہنے میں کوئی مبالغہ نہیں ہوگا۔ بہاری جیسی ہی ہمیں رسول میر کی تخلیقوں میں جمالیات اور عشقیہ عکاسی دیکھنے کو ملتی ہے۔ ہجر کی تپش میں جھلسی معشوقہ اپنی سہیلی سے بے روک کہہ اُٹھتی ہے۔

زألِک ڈبہِ بِہِمۍ کنہِ رنگہِ لرے
ووتھِ ویسہِ یارس پژنگ وتھراو
کیٛنہہ نۓ منگہس شونگہِ ہَس لرے
وولہِ وبس وَنتے کونے آو[1]

ایک شرم دار معشوقہ کا یہ کہنا کہ وہ اپنے عاشق کے پہلو میں سونا چاہتی ہے، احساسات عریاں کی عکاسی ہی دیکھی جاسکتی ہے۔ اس قسم کی شاعری میں فراق کے بدلے وصل کا پلڑا ہی بھاری دِکھائی پڑتا ہے۔ اُنکی شاعری میں ایسی بہت ہی عمدہ اور خوبصورت عکاسی دیکھنے کو ملتی ہے۔ شب کے پہر میں معشوقہ کو عاشق کا وصل نصیب ہوتا ہے اور دونوں ایک دوسرے کے ہم آغوش ہو جاتے ہیں۔

ٹھس گوم ہأنکلہِ دژسہِ گوم برے
ژھس گوم وأنجِ یار ما آو
تمہِ دور سینہ تے میہ دارِ نرے
وولہِ ویسہ ونتے کونے آو[2]

۱،۲۔ کشمیری زبان اور شاعری مُصنف عبدالاحد آزاد جلد 2۔ کلچرل اکادمی اشاعت۔ صفہ نمبر 290، 291۔

رسول میر کے بعد بیسوی صدی عیسوی کے شروع میں غلام احمد مہجور ایک اور شاعر شاعری کے آکاش پر رونما ہوئے۔ انھیں آزاد کے ہم عصر شعرا میں گنا جاتا ہے۔ شاعری کی دوسری میلان کے ساتھ ساتھ انھوں نے بہت ساری غزلیں جمالیات سے بھر پور لکھی ہین لیکن اُنکی عشقیہ شاعری رسول میر کے مقابلے میں اپنی حدود کے اندر رہی ہے۔

محبوب اپنی محبوبہ سے روٹھ جاتا ہے اور اُس سے الگ کہیں جانے کی تیاری کرتا ہے لیکن محبوبہ اس صدمے کو برداشت نہ کرتے ہوئے اُسے منانے کی کوشش کرتی ہے۔

مو روش میٚہ مو روش بہٕ نو ژالہٕ جُدایی

کرٕ جان فِداہ، پان پٔژِن مارٕ أتی روز[1]

محبوبہ چاندنی رات میں کیسر کے کھیت میں بیٹھکر کیسر چُن رہی ہے اور چاہتی ہے کہ اُسکا محبوب بھی اسے ملنے کیلئے وہاں آئے اور دیکھے کہ وہ کیسر چُنتے چُنتے کتنی تھکی ہے۔

لولہٕ چانہٕ راتس گری میٚہ بیدأری

لۆسُس کونگ ژأری ژأری یے[2]

درد و فراق کا ایک اور منظر قابل دید ہے۔ معشوقہ اپنے عاشق سے مُخاطب ہوکر کہہ اُٹھتی ہے کہ انتظار کا وقت تو ختم ہو چُکا ہے۔ اُسکے دِل میں شُبہ ہو جاتا ہے جو ذیل کی مثال سے عیاں ہے۔

۱،۲۔ کشمیری زبان اور شاعری۔ عبدالاحد آزاد۔ کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفہ نمبر 228،238۔

ژے کس ءتبن گیی سأزش

دویم چھا بیاکھ کاثہہ مے ہش

ژ میانے رشکۂ پانس نش

تھوُوکھ کمہِ مسولے بومبرو[۲]

مہجور کے علاوہ جدید دور کے جمالیاتی اور عاشقانہ رُجحان رکھنے والے شاعروں میں مُظفر عاظم دینا ناتھ نادم، غلام نبی فراق، امین کامل اور پروفیسر رحمان راہی صاحب کا نام ادب و احترام سے لیا جا سکتا ہے۔ متذکرہ بالا تذکرے سے صاف ہو جاتا ہے کہ آزاد سے قبل کشمیری نظم میں جمالیاتی و عاشقانہ رُجحان کا مکمل دخل موجود تھا اور اُنکے ہم عصر شعرا بھی اس سمت میں اپنا بیش قیمتی تعاوُن دے رہے تھے۔ کشمیری شاعری بھی اس سمت میں حسبِ مقدور دوسری زبانوں کے شانہ بشانہ چل رہی تھی۔

آزاد کی شاعری میں جمالیات و عاشقانہ پہلو:

آزاد کی شاعری میں جمالیاتی اور عاشقانہ پہلو کا ایک صحت مند مقام ہے۔ شاعر نے اپنے شروعاتی دور میں جمالیات سے بھرپور غزلیں ہی لکھی تھیں اگرچہ اسکے فوراً بعد اُنکی دلچسپی اس رُجحان سے ہٹ گئی تھی۔ جوں-جوں اُنکی دماغی وسعت بڑھتی گئی انھیں اپنی ذمے داریوں کا احساس ہونے لگا۔ یہ بات

ا۔ کشمیری زبان اور شاعری۔ عبدالاحد آزاد۔ کلچرل اکادمی اشاعت جلد سیوم۔ صفہ نمبر 270۔

ذہن نشین ہوئی کہ اُنکے قلم میں بہت کچھ کرنے کی قوت ہے جس سے اُنھیں غلامی کی مست نیند میں سوئے ہوئے عوام کو جگانے کا اپنا اہم فریضہ پورا کرنا ہے۔ نتیجتاً وہ قوم پرستی کے رُجحان کی طرف راغب ہوئے اور اپنی تخلیقوں میں اسی رُجحان کو اہمیت دی۔ قوم پرستی کی نظمیں اتنی کثیر تعداد میں لکھیں کہ جمالیاتی غزلوں کا پلڑا ہلکا پڑ گیا اور آزاد ایک قوم پرست شاعر کے ناطے ہی پہچان میں آ گئے۔ آزاد اپنے قلم سے قوم پرستی کی ہی پرستش کرتے رہے جس سے وہ کشمیری زبان کے قوم پرست شاعروں کی صف میں صدر کی حیثیت رکھتے ہیں اور اِس میں کوئی مبالغہ نہیں ہے۔ اگرچہ آزاد کو قوم پرست شاعر مانا جاتا ہے لیکن اُسکا یہ بالکل مطلب نہیں کہ اُنکی جمالیاتی اور عاشقانہ غزلیں اپنی اہمیت کھوگئیں بلکہ اُنکی اپنی اہمیت برقرار ہے جِسکا تفصیلی مطالعہ اب ہم پیش کر رہے ہیں۔

ہندی شاعروں نے اپنی تخلیقوں میں محبوبہ کے جسمانی حُسن کا بیان ایک ترتیب کے ساتھ پیش کیا ہے جِسے سراپا (نکھ شِکھ) بیان کہتے ہیں۔ یہاں محبوبہ کے پیروں کے ناخون سے لیکر اسکے سر کے بالوں تک کے حُسن کو ترتیب کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے جبکہ کشمیری شاعری میں ایسا ترتیب وار بیان نہیں ملتا ہے۔ اسلئے آزاد کی ایسی تخلیقوں میں بھی کوئی ترتیب دِکھائی نہیں دیتی جبکہ انھوں نے اس حُسن کو بخوبی پیش کیا ہے۔

محبوبہ کہیں آڑ میں بیٹھی محبوب پر نظروں کے تیر برسا رہی ہے اور گھائل محبوب اُسے دیکھکر تعجب میں پڑ جاتا ہے کہ یہ نظریں حقیقت میں کیا

ہیں:

ہَرنۂ چشمن سورمہٕ لأگِتھ

نیٔن زأگِتھ میٔون دِل

یئمبرزل چھا، کھأسی چھا

مس پیٲلہٕ چھا، بادام چھا

محبوب اپنی محبوبہ سے مِلن کی جگہ پر آتے ہوئے دیکھ رہا ہے اور محبوبہ کے لال لال گالوں پر لٹکتے ہوئے بال اُسکے حُسن کو دوبالا کر رہے ہیں۔اور محبوب پل پل اُس پر فریفتہ ہوتا جا رہا ہے۔ وہ شک میں پڑ جاتا ہے کہ کہیں کسی اور پر تو اُسکی نظر عنایت تو نہیں ہے۔ اس لئے کہہ اُٹھتا ہے۔

روخس پٹھ زُلف خمار خزانس رأچھی شھمار

کمن گوٚو بخت بیدار کمن اَتھِ آوٕتٕر یے۲

معشوقہ کا حُسن و جلال زیورات سے اور بھی کِھل اُٹھتا ہے۔ عاشق اُسے تاکتے ہوئے یہ سوچتا ہے کہ کہیں یہ جنت کی حور تو نہیں۔ اپنی اس معشوقہ کو دعوت دیتے ہوئے اُسکے لباس اور زیورات کا بیاں پُرکشِش ہے۔

کنہٕ وأل سونہٕ ہٕندی نوٗر بُرتٕی یے

نأل قمیضے سبز رنگٕہ پوش

رونہٕ دامانٕس ریٚشمہٕ فُترٕ یے

یتہٕ لو ہٕتٕر یے لاگے ہوش۳

۱،۲،۳۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفہ نمبر 345،295،350۔

معشوقہ کے ماتھے پر چمکتے ہوئے سونے کے زیورات کو دیکھ کر عاشق اندر ہی اندر جھوم اُٹھتا ہے۔ بل کھاتے ہوئے بالوں کے نیچے چمکتے ہوئے جھمکوں کو دیکھکر جو اُسکے حُسن کو جلا دیتے ہیں، اُن پر لٹو ہو جاتا ہے۔

دزان کوہِ طورس اندر نۆرٕ معشل
یہ چۆن ڈیکہِ ٹِکہٕ چھُ ما سونٛدری لو
اَسہِ وُچھنہٕ زانٛہہ رأژ منٛز آکھتابہٕ
گوہان۔موںہِ تل کیٛاہ سَنا سونٛدری لوا[1]

عاشق کا معشوق پر ناز کرنا قدرتی بات ہے۔ اُسکی نظر میں جنت کی پریاں بھی اُسکے سامنے حقیر ہیں اور شرم کے مارے پانی پانی ہو جاتی ہیں۔ خود عاشق بھی اُسکی بھوؤں کے تیروں سے مغلوب ہو جاتا ہے۔

وۆزلی جامہٕ کیٛاہ نأری ہی مالے	بیٛیہٕ لوکہٕ چارُک خاصہٕ چکہٕ چاو
منٛدٕچھن حورٕ تہٕ نۆرٕ مشالے	گرِی توس رنٛگہٕ روماے واو
کزلی بُمہٕ نےٕ خم کیٛاہ بالے	وارٕ زن دون تلوارن چاو
اشارٕ اکہِ ہتی نبہٕ نار والے	گرِی توس رنٛگہٕ روماے واو[2]

جہاں آم طور پر محبوبہ کے حُسن و جمال کی تعریفیں شاعر لوگ کرتے آئے ہیں وہیں پر محبوب کی خوبصورتی کا بھی تذکرہ کرنا بھولے نہیں ہیں۔ آزاد نے بھی فراق دِلی سے اس طرح کی عکاسی کی ہے۔ قائدے سے محبوب اپنی محبوبہ کے حُسن پر فدا ہو اُٹھتا ہے لیکن کہیں کہیں محبوبہ بھی اپنے محبوب کی صورت پر فریفتہ ہو

۱،۲۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفحہ نمبر 421،359۔

جاتی ہے، یہاں تک کہ جنت کی حوریں بھی اُسکے حُسن پر گرویدہ ہو جاتی ہیں۔

پرٕی رویٖس زری شوٗبان ونےٚ کیاہ حوٗر چھس لوٗبان
کتھن گرایٖن تہٕ گُفتارن سُہ پھیریاہ تازٕ یارن ستیٚ
جُرتھ کیاہ چوٗنہِ جانانٕس پھبرن نالس تہٕ دامانس
زری جامن تہٕ شلوارن سُہ پھیریاہ تازٕ یارن ستیٚ
یہِ صوٗرتھ کُمیٚ عطا کرنس وُچھتھ تس کُن نہٕ روزان حبس
نچھتھ ترٛاوِن بہٕ شہمارن سُہ پھیریاہ تازٕ یارن ستیٚ!

شاعری میں جمالیات کو دو حصوں میں بانٹا گیا ہے۔ ایک وصل کی مسرت اور دوسری ہجر کا درد۔ عاشق اور معشوقہ جب ایک ساتھ ہوتے ہیں تو وصل کی صورت ہوتی ہے اور جب ایک دوسرے سے الگ یا دور ہوتے ہیں تو ہجر کی صورت کہلاتی ہے۔ آزاد نے ان دونوں صورتوں کو بڑی مہارت کے ساتھ پیش کیا ہے۔

(1) وصل کی صورت میں:

محبوب بہت دور سے آیا ہے اور محبوبہ کو اسکے آنے کی کوئی خبر نہیں تھی اسلئے اُسنے محبوب کی خوابگاہ کو ابھی تک سجایا نہیں ہے۔ جوانی کی سرشاری میں ڈوبی اب وہ بیتابی سے سجاوٹ میں جُٹ جاتی ہے کہ محبوب اُسے دیکھتے ہی ہم

ا۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفحہ نمبر 297۔

آغوش ہو جاتا ہے اور پوچھتا ہے کہ وہ کیا کر رہی ہے؟ اس پر بیتاب محبوبہ یوں کہتی ہے۔

کافوٗر شمع زالہ اطلاس و تھراوے

پڑنگ تےَ پلنگ سنبھالہٕ مَس پیٚالہٕ بریوا[۱]

معشوقہ اب سج دھج کے عاشق کے پاس آتی ہے اور غزالہ چشموں کے تیر برسا رہی ہے۔ آج اُسکی زندگی کے سنہرے خواب، جو عرصہ دراز سے پس انداز کر کے دِل میں چھُپا کر رکھے تھے، سچے ہو گئے۔ نتیجتاً وہ آج اپنے میں سما نہیں پا رہی ہے۔ اُسکی ہر ناز و ادا عاشق کو مخمور کر دیتی ہے اور وہ اُسی کو مخاطب ہو کر کہتا ہے۔

شاہ ییندرازنی تازٕ شاہ پری یے دِل چھُ تمبلاوان چوٗن خُمار

چھےٚ ژےٚ مَس چوٗمت شیشہ بُرٕ بُری یے ساز گرٕی گری یے ہاو روخسار

عطرے گولاب مٕلی سوٗندری یے آبہٕ زمہٕ زمہٕ ستی چھلی روخسار

کستوری نافہٕ ستی گوڈٕ کٔمی بُری یے ساز گرٕی گری یے ہاو روخسار[۲]

محبوبہ اپنے حُسن سے سبھی کو اپنا گرویدہ بنا دیتی ہے اور نشے میں چور ہو کر انھیں ٹھکرا بھی دیتی ہے۔ اسی بات کا بڑی ادا کے ساتھ اپنے عاشق کے سامنے اظہار کرتے ہوئے کہتی ہے کہ ابھی تک کوئی دیوانہ اُسے اپنے قابو میں نہیں لا سکا ہے۔ لیکن حیرانی ہے کہ تم پر نظر پڑتے ہی میرا سارا غرور چکنا چور ہو جاتا ہے اور تمہارے عشق میں بیقرار ہو جاتی ہوں۔

۱،۲۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفہ نمبر 399، 412۔

چاۓ دزی چھم میانہٕ گرایے، عالم کوٚرمٕت دیوانہٕ

میوٚن دِل وولمٕت چانی مایے، مایے چھسیوٚ وَنہٕ وانہٕا

آزاد خود رنگین مزاج تھے اسلئے ان کی غزلوں میں ایسا لگتا ہے کہ جیسے وہ خود عاشق معشوقہ کے نخرو انداز اور پیار کی ان اٹکھیلیوں کو کہیں دور سے چھُپکر دیکھ رہے ہیں۔ ایسی ہی ایک پری رُو کے بارے میں شاعر اُسکی اٹکھیلیوں کا بیان کرتے ہیں۔

معشوق عاشقن تھاوان ٹھُری یے　　زاگہٕ زاگہٕ ماران لولہٕ شِکار

دوٗرِہ دوٗرِہ کران ژوٗرِہ دِلبری یے　　ساز گرٕی گرٕی یے ہاو روخسار۲

عاشق کی قربت پاکر معشوقہ اُسپر اپنا سب کچھ نچھاور کرنا چاہتی ہے اسکی خدمت گذاری میں وہ اپنی خوش قسمتی سمجھتی ہے۔ عاشق کی بغل گیری میں جو نادر سکون اُسے ملتا ہے اُسے وہ بھُلا نہیں سکتی اور ہمیشہ اُسکی آغوش میں رہنا چاہتی ہے۔ جس طرح ایک بیل پیڑ کے ساتھ لپٹی رہتی ہے۔ عاشق کی تھکان مٹانے کیلئے بھرپور کوششیں کرتے ہوئے کہتی ہے۔

قدمن ہا چشمہٕ وتھرائے مدٕنو　　لالن ہا مالہٕ کرٕناوے مدٕنو

گرٕ گرٕ لرِ پان ساوے مدٕنو　　پوشہٕ تھرٕ نرِ آلہٕ ناوے مدٕنو

چھی میٲنی بوسہٕ پادلوسہٕ ناوان　　گرم آبہٕ اشہٕ کے ناوے مدٕنو۳

وصل کی حالت میں بھی معشوقہ کو یہ ڈر ستاتا رہتا ہے کہ کہیں عاشق اُسے چھوڑ کر نہ چلا جائے۔ اصلیت میں وہ اس نادر نشاط اور سکون کو کھونا نہیں چاہتی

۱،۲،۳۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفہ نمبر 346، 413، 406۔

ہے اسلئے اُسکے اندر یہ شک کہیں گھر کر جاتا ہے۔ ہجر کی آگ میں وہ بہت تپ چکی ہے اور بڑی ریاضت کے بعد اُسے وصل حاصل ہوا ہے۔ وہ عاشق کی ہر حرکت پر نظر رکھتی ہے اور کبھی کبھی اُسے اُس وعدہ و قرار کی یاد بھی دِلاتی ہے جو دونوں نے زندگی بھر ساتھ نبھانے کیلئے کیا ہے۔ یہاں اس بات پر روشنی ڈالنا ناگزیر لگتا ہے کہ عام طور پر شاعری میں ہر جگہ عاشق لفظ کا استعمال محبوب کیلئے اور معشوقہ کا استعمال محبوبہ کیلئے ہوتا ہے۔ لیکن کشمیری شاعری میں شعرا نے اس ضابطے کی تعمیل نہیں کی ہے۔ کشمیری شعروشاعری میں عاشق کو کہیں محبوبہ اور معشوقہ کو محبوب کہا ہے۔ ذیل کی مثال میں بھی ایسا ہی دیکھنے کو ملتا ہے، جہاں محبوبہ اپنے محبوب کو معشوق کہہ کر پُکارتی ہے۔

کُری تَن کتھِ وَتہِ لُکھ معشوق میون ژِ ے چھکھ

اَسہِ دون چھُ یاد ازلُک درِ ے تےَ قسم نگارو[1]

ملاپ کے میٹھے لمحوں کے رس میں دونوں تر بہ تر ہیں اور دنیائی پریشانیوں کو بھول کر عاشق اپنی معشوقہ کے وصل میں مسرور ہے۔ اور معشوقہ اپنے آپکو بڑی خوش قسمت مانتے ہوئے کہتی ہے۔

مبارک جلوہٕ دِلدار ڈیوٹھُم وُدأسی بُلبُلن گلزار ڈیوٹھُم

لولے اندر ہیوٚتُم نیٚندر پیٚس میٹھ پٚنن طالع گوٚمت بیدار ڈیوٹھُم

کُنے حبس چھُم نہٕ زَن تعویزٕ کُرِ نم تھَزی گرٚائے سٕہ خوش رفتار ڈیوٹھُم[2]

۱،۲۔ کُلیاتِ آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفہ نمبر 365، 392۔

(2) فراق کی صورت میں:

آزاد کی شاعری کا مطالعہ کرنے کے بعد ہم کہہ سکتے ہیں کہ انکا قلم وصل کے مقابلے فراق یا ہجر پر زیادہ ٹکا ہے۔ بیشتر غزلوں میں ہجر کے گرم شعلوں کا اُپھان دیکھتے ہی بنتا ہے۔ ہجر کے دُکھ میں دُکھی معشوقہ کہیں سے بھی عاشق کا سندیشہ سُننے کیلئے بیتاب ہے۔ وہ سوچتی ہے کہ جب وہ آیگا تو وہ اُسے کوئی شکوہ نہیں کریگی بلکہ ہر ممکن اُسکا استقبال کریگی۔ وہ اُسکے دیدار کیلئے کوشاں ہے۔ پُرانی یادیں اُسے بہت عذاب دے رہی ہیں۔ ہجر کی آگ کی جھلساتی لپٹوں سے بچنے کیلئے وہ عاشق کو کئی ناموں سے پُکارتے ہوئے دعوتِ آمد دیتی ہے۔

ویرِ چانے چھس یا بے تابو بو — پتہٕ لاگتھ شیرِ گولا بولو

نو بہارِ کہِ لُبِ لُبا بولو — پتہٕ لاگتھ شیرِ گولا بولو

چھُم نہ مَسولہِ قرار گرِ ساتس — چھس بہٕ گنزران تارکھ رأتی راتس

لولہِ للوتھ گلِ آفتابولو — پتہٕ لاگتھ شیرِ گولا بولو ۱،۲

روٹھی ہوئی معشوقہ کو عاشق منانے کیلئے کوشش کر رہا ہے۔ وہ طرح طرح سے اُسے سمجھاتا ہے لیکن وہ ٹس سے مس نہیں ہوتی۔ بیچارے عاشق کی حالت زار پر وہ کوئی توجہ نہیں دیتی۔ فراق کی تپش میں تڑپتا عاشق معافی کی درخواست بھی کرتا ہے لیکن غرور میں چور معشوقہ اُسکی درخواست کو ٹھکراتی ہے اور اِس پر

۱،۲۔ کُلیاتِ آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفہ نمبر 392، 428۔

عاشق اپنے دوست سے مخاطب ہو کر بڑی مایوسی میں کہتا ہے۔

بوسہ گرئ مَس پاد نے   دُور گرئ مس پیالہ بُرئ مَس

زانہہ تہِ وُتھ کملاوِ ہے[۱]   چشمہِ ٹلہِ ہے شَرمیہ ژلہِ ہے

ایک طرف معشوقہ اپنے غرور کے نشے میں ہے تو دوسری طرف عاشق کے دل میں پچھتاوے کی آگ بھڑک اُٹھی ہے۔ ہجر کی بیقراری میں عاشق کیلئے معشوقہ کا روٹھنا گھی میں آگ کا کام کرتا ہے۔ اب اُسکا صبر ٹوٹ رہا ہے اور وہ معشوقہ سے التجا بھرے لہجے میں کہتا ہے۔

تشنہ گاٹمتی چھِ مُشتاق انصاف کر   تژ او خاموش مُژا ولبِ شکر

چاڑ میونُے ژِ کرتہِ نازلی یے لو[۲]   تھاو لادن چاوتژیشہِ گُلی یے لو

اوپر کی اس مثال میں 'نازل' لفظ کا استعمال بہت ہی پُرکشش اور حسین ہے۔ لگتا ہے کہ آزاد کی یہ اپنی ایجاد ہے اور حُسن کے لحاظ سے معشوقہ کے لئے اس کا استعمال بے حد موزون ہے۔ نازل لفظ کے تلفُظ میں بھی ایسا لگتا ہے کہ مانو معشوقہ حُسن کا خزانہ ہے۔

معشوق کے غرور کی وجہ سے عاشق کی جسمانی حالت بھی خراب ہو چکی ہے اور بیمار کی سی صورت ہوگئی ہے۔ وصل کی بات تو دور وہ معشوقہ کے دیدار کو بھی ترستا ہے، کیونکہ اُسنے اپنے منہ کو آنچل میں چھپا رکھا ہے۔ لاچار ہو کر وہ اپنی ذہنی حالت زار اُسے بیان کرتا ہے۔

چھُنہِ نِشہِ غاٹرن ونہِ نَس وار   ہولہ تب چونُے گوٗم اَندری یے

کاستم ژھُری یے آس لاچار[۳]   چھوکہِ لد آشقن فریکہ وِنی پھری یے

۳،۲،۱۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفحہ نمبر 305، 384، 466۔

محبوب ایک بار پھر محبوبہ کو منانے کی کوشش کرتا ہے اور دیدار کے لئے اُسکے حُسن و جمال کی تعریفوں کے پُل باندھتے ہوئے کہتا ہے۔

کستور مدنس دِتہِ دیدار دستوٗر ونچی مستوٗر پُرئی یے

کاستم ٹھُری یے آس لاچار ا درد ہی لاگئے پرد گری گری یے

سنگدل عاشق معشوقہ کے ہونٹوں کا رس چکھ کر چلا گیا اور اُسے بے بسی کی حالت میں چھوڑ دیا۔ بالکل اُس بھونرے کی طرح جو ایک پھول کا رس چوس کر دوسرے کی تلاش میں چلا جاتا ہے۔ ادھر معشوقہ ہوش میں آکر ہجر کی آگ میں چھٹپٹاتی ہے جیسے اس پر بجلی گرائی گئی ہو۔ اُسے لگا جیسے وصل کے وہ کچھ پل حقیقت نہ ہوکر خواب تھے۔ جس محبوب کی باہوں میں وہ ابھی تک بندھی تھی اور جسکے ہاتھوں سے مئے کے پیالے نوش کر رہی تھی، اُسکے فراق کو وہ کیسے سہہ سکتی؟ اِسکے لئے وہ اپنی قسمت کو کوستی ہے۔ وہ ابھی تک ایک ادھ کھلی کلی ہے اور دنیائی سُکھ چین کی نعمتوں سے بے خبر ہے۔ محبوب نے ابھی اُسکے جذبات کی تپش کو بڑھایا اور بنا بجھائے ہی چھوڑ کر چلا گیا۔

یارِ ماہ روخسارِ لگہٖ یو خارِ تھاوِتھ ژالہمو

تنبلاوِتھ پیالہٖ چاوِتھ چھوِ راوِتھ ژولہمو ۲

محبوب کے انتظار میں عرصہ بیت گیا پر وہ ابھی تک نہیں آیا۔ محبوبہ کیلئے وقت گذارنا دشوار ہو گیا اور وہ خود اُسکی تلاش میں نکل پڑی کہ کہیں سے اُسے ڈھونڈ کر لائے گی۔

۱،۲۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفہ نمبر 467، 410۔

گامن تہٕ شہرن بیہٕ پرگن نے جایہٕ جایہٕ ژھانڈن یاون رائے
بُلبُلہٕ ہٕندی پأٹھی پھیرٕ گلشنہٕ نےٕ ٹأٹھی یاوَن نٔے گرٕ نم گرائے[۱]

اس دوڑھ دھوپ میں بیچاری بہت تھک جاتی ہے اور جسمانی رونق بھی پھیکی پڑ جاتی ہے، لیکن محبوب کی کہیں کوئی خبر نہیں۔ ایک جگہ کوئی خبر ملتی کہ فلاں جگہ پر اُسے دیکھا گیا تھا تو وہاں پہنچنے پر مایوسی ہی ہاتھ لگتی۔ اسطرح بار بار کی مایوسی سے وہ پریشان حال ہو جاتی ہے بالکل اُسی پیاسے ہرن کی طرح جسے ریگستان میں دور سے پانی کا تالاب نظر آتا ہے۔ لیکن پاس پہنچنے پر وہاں ریت کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔

باغن تہٕ ناگن ہیٚژ میٚہ زاگ ژھانڈان وأژس ویرِناگ
نیب آم نو شہأری یے ساتھا ژٕ بول وَن ہأری یے[۲]

فراق کی آگ میں جھلسی محبوبہ اب تھک کر چور ہوئی ہے اور نیم مُردہ دکھائی دے رہی ہے۔ لیکن پھر بھی اُسنے محبوب سے ملنے کی اُمید نہیں چھوڑی ہے اور اب مدد کے لئے اپنی سہیلی کا ساتھ چاہتی ہے تاکہ اُسکی مدد سے اُسے کھوج نکالے۔ اسلئے سہیلی سے مخاطب ہو کر کہتی ہے۔

وولہٕ ویسی لارو ژرارٕ بڑیسوارے	آسہِ نا کأنسہِ اچھہِ دارے ستی
نظراہ کرہوس دورِ تٔلی ٹارے	بولہِ نا طوطہٕ ونہارے ستی[۳]

اوپر کے شعر میں ''اَچھ دأر'' لفظ کا استعمال خصوصیت کے ساتھ ایک صحیح تجربہ ہے۔ ''اَچھ دأر'' کا عام مطلب ایک چھوٹی سی خوبصورت گُڑیا ہے جسکے ساتھ

۱،۲،۳۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفہ نمبر 480،369،396۔

چھوٹے بچے عموماً کھیلتے رہتے ہیں۔ لیکن اوپر کی مثال میں یہ ایک پُر جمال خاتون کے دِلکش حُسن کیلئے استعمال میں لایا ہے۔ کشمیری شاعری میں یہ شاید پہلا تجربہ ہے کہ محبوبہ اپنی سوتن کو اپنے سے زیادہ خوبصورت مانتے ہوئے احترام اور القاب سے پُکارتی ہے جبکہ وہی اُسکے سارے مُصیبتوں کی جڑ ہے۔ قائدے سے محبوبہ کو اُسکے لئے ملامت بھرے الفاظ کا استعمال کرنا چاہے تھا لیکن یہاں پر ہم اسے شاعر کی ایک خوبی ہی مانیں گے کہ اُسکی محبوبہ ایک اونچے کردار اور اونچے نصب العین کی مالک ہے۔

آزاد کی تخلیقوں میں ہجر کے آتش میں چھٹپٹاتی معشوقہ کی درد بھری آہ و زاری کی گونج زور و شور سے سُنائی پڑتی ہے۔ وہ اب اس ہجر میں زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکتی ہے۔ حُسن و شباب کے بوجھ سے دبی وہ گیلی لکڑی کی طرح اندر ہی اندر سُلگ رہی ہے اور سکڑ کر ایک چھوٹی سی لڑکی دِکھائی دیتی ہے۔ اب وہ ہجر کے عذاب سے اپنے کو آزاد کرنے کیلئے خودکشی پر تیار ہوئی ہے۔

دورِ بیوٚ ٹھہم شُرِ پانس کاژھ کوٚرتھم ہانژ لو

ماڑ پان امار چانے نُنڈ بانے مدنوا

ہجر کا ایک ایک لمحہ محبوبہ کو کاٹ کھا رہا ہے اور چھٹپٹاتی ہوئی گھڑیاں گذارتی ہے۔ اُسکی حالت جال میں پھنسی مچھلی کی سی ہے جسکی پانی سے باہر آکر موت یقینی ہوتی ہے۔ اسلئے وہ بھی موت سے قبل کی گھڑیاں گن گن کر کاٹتی ہے

ا۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفہ نمبر 307۔

اور اپنے سانسوں پر دھیان رکھتی ہے کہ کونسی سانس کے ساتھ اُسکی روح اُسے چھوڑ کر اُڑ جائیگی۔

ؤ جس مایہ چانئے نجس لولہِ زالئے

مران چھس کران دم شُماری نگاروا[1]

محبوبہ اپنا سب کچھ لٹا کر اپنے محبوب کو پانا چاہتی ہے۔ اگر کوئی اُسکے پاس محبوب کا پیغام لیکر آتا تو وہ اپنے آپکو ایک سعادت مند عورت سمجھتی۔ راہ تاکتے ہوئے اُسکی آنکھیں بھی اب پتھرا گئی ہیں۔ اُسکی اولین خواہش ہے کہ محبوب کے ساتھ اُسکی ملاقات ہو جاتی تو وہ اُسے ہم آغوش ہو جاتی۔

پھیرِ ما میانہِ وتےَ رٹھن نالہِ متے

ہالہِ دِل باو ۂسی یے[2]

حُسن و جمال پر غرور کرنے والی معشوقہ کو اب ہجر کی حالت میں اپنا ہی وہ حُسن اجگر کی طرح ڈستا جا رہا ہے۔ سُرخ رخساروں کی گرمی کو وہ جوانی کی تپش نہ مانتے ہوئے تب دِق کا بخار مانتی ہے۔ لیکن درین اثنا جب اسکی نظر اچانک آئینے پر پڑتی ہے اور اُس میں اپنا جلوِ حُسن دیکھتی ہے تو چونک اُٹھتی ہے۔ اُسکے منہ سے خود بہ خود پھوٹ پڑتا ہے۔

تیم نا اَز ہوس اوُسم بہ چھاوُن تھاوِہَس رُم رُم

میہ ہٕورے شورِ پانٕس چھُم یہ لوکچارُک حُباب ییہِ نا[3]

1، 2، 3۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ۔ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفہ نمبر 352، 302، 357۔

عاشق کے چلے جانے پر معشوقہ دن رات فِکر کے لمحوں میں گذارتی ہے۔ اسکے دل میں قسم قسم کے اندیشے گھر کر گئے ہیں اور زبردست کوششوں کے باوجود بھی وہ ان شکوک سے آزاد نہیں ہو پاتی۔ اُسکا فِکر مند دِل اُسے کسی بھی کام میں راغب نہیں ہونے دیتا، یہاں تک کہ وہ کھانا پینا بھی چھوڑ چکی ہے۔ گلے کے نیچے کوئی بھی چیز نہیں اُترتی اور اُسکا دِل پریشان ہے۔

مَس ییٚنہٕ سپنٕم لالہٕ پَرمسنٕے — تنہٕ ہاوس نےٚ ترٛ آوی نَم ہاے

رٕمہٕ رٕمہٕ غمہٕ ستیٚ چھمنہٕ ان وسنٕے — تنہٕ ہاوس نےٚ ترٛ آوی نَم ہاے[1]

ہجر کی دھکتی لپٹوں سے گِھری محبوبہ کو کہیں سے خبر ملی ہے کہ اُسکے محبوب کو اُسکے دشمنوں نے اپنے بس میں کیا ہوا ہے اور اسکے کان بھر دے ہیں۔ اس خبر نے محبوبہ کے دل پر سخت چوٹ کر دی اور اُسکی پریشانی میں اضافہ ہونے لگا۔

بوٚ زُم تَس چھِ میأنی دُشمن پرٕنس غمہٕ چےٚ أتھرے کوٚرنم توہ

امہِ شرٕ دَمہٕ دمہٕ چھس پوان مرنس دیدار کرنس ووٚتم دوہ[2]

معشوقہ کو عاشق کی یاد ستاتی ہے۔ وصل میں دونوں نے عشق و محبت کے کھیل کھیلے ہیں. انکا عکس معشوقہ کی آنکھوں میں تیرتا نظر آتا ہے۔ قدرت کی ہر شے جہاں اُسے وصل کے بوسوں میں محو اور لُطف اندوز دکھائی دیتی ہے وہیں اُسے اپنی وصل کی یادیں ستانے لگتی ہیں۔

وُچھنہِ ژایس بہٕ وارِ ہندی گُل تتہٕ یہٕ سپنہٕ دوٚ دُم ہا بلگُل

وُچھتھ گُلن ستیٚ چھِوان بُلبُل سبتھاہ کتھٕ یاد پیٚم لالو[3]

۱،۲،۳۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفہ نمبر 401، 308، 417۔

محبوب کی خوش روئی و جلوئے حُسن اور اندازِ سُخن کی بھی یاد آتی ہے جس پر جنت کی حوریں بھی فریفتہ ہو جاتی ہیں۔

پری روئِس زری شۄبان وَنے کیاہ حورٕ چھس لۄبان
کتھن گرٕاین تہٕ گُفتارن ا

فکر مند معشوقہ دن رات اسی اُلجھن میں گُم رہتی ہے کہ کب اُسکا عاشق سے مِلن ہو۔ لیکن عرصہ گذر گیا پر وصل کی نعمت سے محروم ہی رہی، اسلیئے مشتعل ہوکر کہہ اُٹھتی ہے۔

دوہ چھُم گرٕھان فِکرن اندر راتس چوان خونِ جِگر
یِتھ زِندگانۍ کیاہ بکار معشوقہٕ یِوان چھُے نہٕ عار۲

اس تفصیلی مطالعہ کے بعد بلا خوف تردید ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ شاعر نے اراشتگی کے سبھی اہم پہلوں کو بخوبی اپنے قلم کے دائرے میں لاکر اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کی حیران کن مثال پیش کی ہے۔ کم خواندگی کے ساتھ ساتھ شاعری کی کُتبِ قانون کی لاعلمی کے ہوتے ہوئے بھی آزاد نے اپنی تخلیقوں میں آراشگی کی ایسی عکاسی کی ہے جو کہ شاعری کے بنیادی اصولوں کے عین مُطابق اور مکمل ہے۔ چونکہ آزاد بزات خود ایک رنگین مزاج شخص تھے اسلیئے انکی آرایشی شاعری میں انکے اپنے احساسوں کا اشتراک واضح طور پر عیاں ہے جوکہ اس سمت میں اُنکی غیر معمولی کامیابی کا راز بھی ہے۔

۱،۲۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفہ نمبر 288،297۔

حصہ ششم

کشمیری ادب میں قوم پرست شاعری کا اِرتقا:

کشمیری ادب کے قدیم دور میں ہمیں قوم پرستی کی ابتدائی تخلیقات کہیں دیکھنے کو نہیں ملتی ہیں۔ بہادروں کی شجاعت کے گیت وغیرہ ملتے ہیں، جنھیں ہم قوم پرست شاعری کا ایک حصہ مانتے ہیں اور اسطرح کشمیری ادب میں ہمیں قوم پرستی کا عکس ان ہی جواں مردوں کی شجاعت کے طور پر ملتا ہے۔ پروفیسر پرتھوی ناتھ پُشپؔ کے مطابق کشمیر کی دھرتی نے ان گنت تبدیلیاں دیکھی ہیں۔ ستی سر سے نیا کشمیر تک کی لمبی یاترا میں اِسنے کئی غیر معمولی حالات کا سامنا کیا ہے اور دلیری کے کئی آدرش پیش کیئے ہیں۔ شروع کے کشمیری ادب میں اگرچہ ان آدرشوں کی وقت کے مطابق گونج بہت کم سُنائی پڑتی ہے، پھر بھی پورانوں کے خول میں یا لوک بھاشا کے سانچے میں اسطرح کے عکس ضرور پیش ہوئے ہیں۔[1] فلسفانہ، روحانی اور سیریتی بوجھ سے شجاعتی نظموں کو پنپنے کا موقعہ ہی نہیں ملا، لیکن پھر بھی کسی نہ کسی شکل میں کشمیری ادب میں اس نظم کی تخم ریزی ہوتی رہی۔ قدیم لوک گیتوں میں بھی اس کا عکس محفوظ رہا ہے۔

'بانا سُرودھ' پندرویں صدی عیسوی کی ایک پیار و محبت کی داستاں ہے جو شجاعت اور دلیری کے جذبے سے بھرپور ہے۔ اسکے علاوہ پنڈت پرکاش رام کُرِگامی کی رامائن 'راماوتار چرت' کے اوراق بھی دلیری اور کامرانی

۱۔ یوجنا۔ اکتوبر 1960ء کشمیری شاعری میں ویر رس۔ شری۔ پی۔ این۔ پُشپؔ صفہ 4۔

کی گرج سے گونج اُٹھے ہیں۔ رام اور راون کے جنگ کا بیان اس میں بہت ہی مہیب اور ماہرانہ طریقے کے ساتھ کیا ہے۔ ان دونوں ہی تصنیفات کی بنیاد پُرانوں کی زمین پر ہے اور قدیم کشمیری ادب کے طور پر انکا ایک خاص اور اہم مُقام ہے۔ بیرونی حملہ آوروں نے پورے بھارت کو پامال کیا اور اپنا تسلط قائم کرنے میں انتہائی کوشاں رہے۔ اس سیاسی فساد کی وجہ سے پوری جنتا مایوس ہو چکی تھی۔ انکے تہذیبی اور مذہبی اعتماد کو سخت دھکا لگ گیا تھا اور ادبی صلاحیت بھی کمزور ہو چکی تھی۔ مُسلمان حُکمران سختی کے ساتھ لگاتار اسلامی تہذیب وتمدن کا پرچار کرتے رہے اور بے یارومددگار عوام مجبوراً انکا سواگت کرتی رہی۔ کشمیری عوام بھی اس اثر سے محفوظ نہ رہی اور انیسویں صدی عیسوی تک کشمیری زبان بھی فارسی کے زیر اثر آگئی۔ اب شعرا نے کشمیری زبان میں فارسی کلام کا ترجمہ کرنا شروع کیا۔ 19 ویں صدی کے نصف تک فارسی کی کئی شجاعتی تخلیقوں کا کشمیری ترجمہ کیا گیا اور لوگوں نے ان پر سواگت کے پھول چڑھائے۔ مرحوم عبدالوہاب پرے کا اس میدان میں اُترنا کافی اہم ہے۔ 'شاہ نامہ' اور 'اکبر نامہ' اُنکی شجاعت کے عرق سے بھرپور دو تصنیف ہیں۔ انکے علاوہ عزیز اللہ حقانی کا 'محمد غزنوی' اور اسد پرے کا 'سکندر نامہ' بھی شجاعتی نظموں کے دائرے میں قابل ذکر ہیں لیکن یہ سبھی تصنیفات قوم پرست شاعری کی صرف جُزوی پیروی کرتی ہیں کیونکہ یہ خصوصیت کے ساتھ افرادی اور یک رُخی ہیں۔ اسلئے ان میں قومیت کے عظیم آدرشوں کی پختگی پوری طرح سے نہیں ہو پائی ہے۔

بیسویں صدی تک آتے آتے کشمیری شاعری اپنے دورِ طفولیت کو چھوڑ کر پختگی کے دور میں داخل ہوئی۔ شعرا نے اپنے تنگ اور انفرادی نظرے کو الوداع کر کے وسیع اور اجتماعی نظریے کو اپنایا۔ ملک کی حفاظت اور مفاد عوام کے احساس کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔ ملک کی جنگ آزادی کی گونج کشمیر کی سرزمین میں بھی سُنائی پڑی اور نتیجہ یہاں کا عوام بھی آزادی کی جو و جہد میں کود پڑا۔ شاعری کے میدان میں بھی بنیادی تبدیلیاں رونما ہوئیں اور اسکے رُجحانوں میں بھی قومیت سب سے زیادہ زور پکڑنے لگی۔ شعرا اپنی زبان اور با اثر قلمی قوت سے جنگ آزادی کی جڑیں مظبوط کرنے لگے اور انھوں نے اسطرح سے عوام کو جگانے کا مقدس فرض اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ ایسے لافانی شاعروں میں مرحوم غلام احمد مہجورؔ کا نام سُنہری الفاظ میں لکھا جا سکتا ہے۔ انھوں نے سب سے پہلے ملک کی غربت کی طرف اشارہ کیا اور اپنے ہمعصر شعرا کا دھیان بھی اس طرف رُجوع کیا۔ مہجورؔ نے دیش کے باشندوں کی دل دوز حالت کا عکس پیش کرتے ہوئے کہا ہے۔

میانہِ بچنگ میانہِ گرِ یوٚد آسہِ ہے کانْہہ انتظام
پھیرہن ما ونِۂ رأژن دربدر بیکار میأنۍ
کیاہ ونے ۆرِیَس جٕگھِتھ زِپنتھ بہِ روٗدُس فاقہِ ہوٚت
اتھِ داران چھیپِ غریبن راتھ دوہ زردار میأنۍ ا

ا۔ پیام مہجورؔ۔ حصہ 4۔ صفہ نمبر 9۔

بیسویں صدی کے قوم پرست شعرا میں مرحوم غلام حسن بیگ عارفؔ کا نام قابل ذکر ہے۔ انھوں نے دیش پریم سے وابستہ بہت ساری نظمیں لکھی ہیں جنھیں ہم صحیح معنوں میں قوم پرست شاعری کے زُمرے میں رکھ سکتے ہیں۔ 'سون کاروان' انکی ایک مشہور اور ہر دِل عزیز نظم ہے۔ وقتی ظلم و تشدُد کی عکاسی کرتے ہوئے عوام کو جدو جہد کی طرف راغب کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

ملؤ وأعِظوَ مُوقدموَ زألدارو، شرارتھ پسندو تہٕ سرمایہِ دارو
سٕمِتھ ظُلم کُرئ سارِوٕی ضرب گو لگان زخمئےٚ گُل پھولان گو
مگر کاروان سون بڑونہہ بڑونہہ پکان گواٚ

پنڈت دینا ناتھ نادمؔ کا نام بھی اس صف کے اہم شعرا میں گنا جاتا ہے۔ انھوں نے بھی گہری نیند میں سوئے ہوئے لوگوں کو جگانے کی کامیاب کوشش کی۔ انھوں نے دیش کی درد ناک حالت پر آنسوں نہیں بہائے بلکہ لوگوں کو اس سے جوجھنے کی دعوت دے دی۔ اُفتادہ اور مظلوم عوام کی پیٹھ تھپتھپاتے ہوئے شاعر اُن میں حوصلے کی آگ کو ہوا دیتے ہوئے کہہ رہے ہیں۔

ژٕ نار چھُکھ جلاوَ چھُکھ، ژٕ یاونک جلاوَ چھُکھ
اگر ژٕ سوٚنتہٕ واو چھُکھ
مہٕ روز اوٚبرٕ تلہٕ کھُٹِتھ، ژٕ نار کوہ تہٕ وَن ژٕٹتھ
طوٗفان ٹُل، طوٗفان بن، ژٕ میر کاروان بن
کٔشیرِ پاسبان بن۔[۲]

۱،۲۔ یوجنا۔ کشمیر۔ صفہ 41، 19۔

اوپر مرحوم آزاد کے جن ہم عمر (20 ویں صدی کے) قوم پرست شعرا کا مختصر تذکرہ ہم نے کیا ہے ان میں آزاد کا نام بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ مرحوم پریم ناتھ بزاز کے الفاظ میں :

"The greatest poet of modern Kashmir is Abdul Ahad Dar Azad. He deserves to be called a revolutionary and a master of cultural renaissance."1

وہ سماجی، سیاسی، مذہبی اور ثقافتی نابرابری پر برابر چوٹ کرتے رہے اور ایک قوم پرست کے ناطے مُمتاز اور لافانی ہوئے۔ اب اگلے صفات پر اُنکی قوم پرست شاعری کا باقائدہ تفصیلی جائزہ پیش کیا جائیگا۔

آزاد کی قوم پرست شاعری:

کشمیری شاعری کے فلک پر مرحوم آزاد کی جذباتی کرنوں سے اس پردیش کا ذرہ ذرہ چمک رہا ہے۔ شاعری کے میدان میں وہ غیر معمولی اہمیت کے حقدار تو ہیں ہی لیکن قوم پرستی کے نظریے سے وہ شاعری کے فلک پر آفتاب ہی ہیں۔ وہ اپنے باقوت قلم سے ہمیشہ کشمیریوں کی راہ روشن کرتے رہے۔ حُکمرانوں کے ذریعے ہو رہے ظلم اور ناانصافی سے عوام کو وقتاً فوقتاً آگاہ کرتے رہے۔ ظلم کے خلاف بغاوت کی آواز اُٹھانے کیلئے انھوں نے اپنے قلم کا زور زیر کار لایا اور ایک سیاسی مردِ میدان کی طرح فلاحِ عام کا کام

1. History of struggle for freedom in Kashmir by P.N. Bazaz, Edition 2003, P.No. 295.

کرتے رہے۔ لوگوں کے دُکھ سُکھ میں اپنا دُکھ سُکھ محسوس کرنے والے انسانیت کے پُجاری، اس شاعر نے لوگوں کیلئے اپنی ادبی خدمات نذر کیں۔ انکی شاعرانہ تخلیقات کا بیشتر حصہ قومیت کی شاعری کی گرج سے گونج اُٹھا ہے۔ اب ذیل کے چار عنوانات کے تحت آزاد کی قوم پرست شاعری کا باقائدہ اور تفصیلی مطالعہ پیش ہے۔

(1) حُب الوطنی اور ماضی کی عظمت:

زمانہ قدیم سے انسانی سماج کا اپنی سرزمین کے لئے پیار اور احترام رہا ہے۔ ہر فرد بشر اُسکی حفاظت کیلئے اپنی ذمہ داری محسوس کرتا آیا ہے۔ جہاں بہادُر فوجی اسلحہ و ہتھیاروں کے ذریعے اپنے مادرِ وطن کی حفاظت میں ہر دم تیار رہ کر وطن کی شان اور آن کو زندہ رکھتے ہیں وہیں ادب نواز اپنے قلم کی طاقت کو کام میں لاکر وطن کی شان و شوکت اور شہرت کا پرچم لہراتے ہیں۔ ہر ملک میں شعرا نے وطن کی بھلائی اور حفاظت کیلئے بلاواسطہ طور پر اپنا تعاوُن دِیا ہے اور قدرتی طور پر ہندوستان کے شعرا بھی کسی سے پیچھے نہیں رہے ہیں۔ بھارت کی پیشانی کہی جانے والی کشمیر کی اس وادی میں مرحوم آزاد کا نام قابلِ ذکر ہے۔ دیش[1] پریم کا جذبہ شاعر کی تخلیقوں میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ وہ جنت کے برابر اپنی وادی کی خوبصورتی پر جھوم اُٹھتے ہیں اور اس پر اپنا سب کچھ قربان کرنے کیلئے تیار ہیں۔ قدرت کی اس

ا۔ دیش سے شاعر کا مطلب کہیں کشمیر پردیش سے ہے تو کہیں پورے بھارت دیش سے ہے۔ لیکن زیادہ تر انکا مطلب کشمیر پردیش سے ہی ہے۔

سرزمین پر جنم لیکر وہ اپنے کو بہت ہی خوش نصیب سمجھتے ہیں اور اسکی انتہائی خوبصورتی کو دیکھتے ہوئے ایک خاص مسرت محسوس کرتے ہیں۔ اُسے مادرِ وطن اپنی جان سے بھی پیارا ہے اور اسکی راہ پر اپنا تن من قربان کرنا چاہتے ہیں۔

نُنْدٕ بون کیاہ وطن میٖون وُچھ وُچھ پھولان بدن میٖون
قوربان یہِ زُو تہٕ من میٖون امہِ چمن وتن مُبارک۱

جس جنت کا ہم نے نام سُنا ہے اُسکی حقیقت پر ہی شاعر کو شک ہے۔ کیونکہ اُسے کوئی دیکھ نہیں پاتا، اُسکا تو صرف تصوّر کیا جاتا ہے۔ اسکے بدلے اُسکا اپنا ہی دیش جنت ہے۔ اس سے بڑھ کر جنت میں اور کیا ہوسکتا ہے؟ یہی بات شاعر صاف الفاظ میں کہتا ہے۔

وَنے صاف کیاہ صاف ونہٕ نَس چھُ عأب
یہِ جنت چھُ دیدن سُہ جنت چھُ غأب
یہِ جنت أچھن تل سُہ گوٚمت کٔنہِ
یہِ سونُے وطن نُنْدٕ بونُے وطن۲

شاعر لین دین کے خیالات سے اوپر ہے۔ دیش کیلئے اُسکے دِل میں جو پیار ہے وہ بِنا کسی دھوکے اور غرض کے ہے۔ اس پیار اور محبت کے بدلے اپنی سر زمین سے کچھ نہیں لینا چاہتا ہے۔

ترٛ أوتھ غرض تہٕ ہاوَس لولاہ بہٕ بأگراوس
کمہِ رایہِ بو تھاوَس زُو آیہِ تَن مُبارک۳

۱،۲،۳۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفہ 39، 35، 40۔

وہ لوگوں سے التجا کرتا ہے کہ اس جنت کی سرزمین میں سبھی پیار اور شفقت کے بیج بو دیں اور مل جُل کر رہیں۔

ڈوڈ تو محبتک بیٚوٗل برٛی توس ماے تےَ لول

لولن اندر چھُ بوٚڈ لول حُبِ وطن مُبارک ا؎

مادرِ وطن کے ذرے ذرے سے پیار کرنے والا شاعر ہر شئے پر فریفتہ ہو اُٹھا ہے۔ یہاں کی صاف اور میٹھے پانی سے سرشار ندیوں کے مقابلے میں شاعر کو جنت میں بہنے والی دودھ کی ندیاں حقیر نظر آتی ہیں اور للکار بھرے لہجے میں کہہ اُٹھتا ہے۔

سورگچ دودِ کولہٕ زانتھ تہٕ مانتھ ووندٕ میوٗن چھُنہٕ مُشراوان

سینٛدٕ رنٛبہٕ آرٕس، وبتھٕ ، ویرناگس، گنگایہٕ تہٕ جمنائے ۲؎

حال کی خوفناک حالت دیکھ کر شاعر کو سنہرے ماضی کی یاد آتی ہے۔ جس سر زمیں پر ماضی میں خوشحالی برستی تھی وہ آج قحط کی چپیٹ میں دہک رہی ہے۔ چاروں طرف سے پریشانی دیکھ کر شاعر کراہ اُٹھتا ہے۔

اولاد بڈ شہٕس ہیٚوٗ روچھمت چھُ تیمی کوچھے مَنٛز

بوچھہِ ستی مران وَتن پیٹھ تھنڈُے عیال آسِیا

کلھن غنی تہٕ صرفی ساٗراب گری ئِمی آبَن

سےُ آب سانہِ باپتھ زہرِ ہلال آسِیا ۳؎

جس سرزمین نے انصاف پرور راجاؤں، زیرکوں اور عالموں کو جنم دیا اور خود کھلا کر پالا پوسا وہی سرزمین آج دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلا رہی ہے۔ اِسے دیکھ کر آزاد کو ذہنی عذاب ہُوا کیونکہ جس سرزمین نے مشہور تواریخ دانوں، شاعروں اور حکیموں کو جنم دِیا، اُسی مادرِ وطن کو آج مصیبتوں کا سامنا کرتے ہوئے دیکھکر شاعر دُکھی ہو اُٹھتا ہے۔

پلیٖمتۍ آسن چرٕخ تہٕ کٲہن غنی تہٕ صرفی یٖمِس لولے منٛز

تھوٗن پۄزِ یاتس یہِ نار للہٕ وُن تہٕ یوٗت حسرت تہٕ خارٕ خاراا

(2) حال کی خستہ حالی اور تفکر:

(i) کسان اور مزدور طبقے کی آہ وزاری:

آزاد کی زندگی گاؤں میں ہی گذری اسطرح اُنھیں کسان اور مزدور طبقے کو نزدیک سے دیکھنے کا موقعہ ملا۔ اسکے علاوہ وہ خود بھی کسان گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اسلئے انکی شاعری تخلیقوں میں مظلوم طبقے کی آہ و زاری خود بخود گونج اُٹھی ہے۔ کسان جو کہ ہمارے سماج کا بہت ہی اہم حصہ ہے، اُسکی دل دوز حالت کی عکاسی کرنا آزاد جیسے انسانیت کے علمبردار شاعر کے لئے ایک قدرتی بات تھی۔ بھارتی کسان بہت ہی سیدھا اور نیک فطرت کا رہا ہے اور نتیجتاً اُسے بہت سارے مصیبتوں اور مظالم کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

ا۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفہ 134۔

سال بھر خون پسینہ بہانے کے بعد اپنے عیال کے لئے دو وقت کی روٹی جُٹانا بھی اُسکی قسمت میں نہیں ہوتا ہے۔ اس سے بڑ کر اور کیا مزاق ہو سکتا ہے؟ ٹھیک یہی حالت دیش کی اِس ریاست کی بھی تھی۔ یہاں بھی جاگیر داری نظام کا بول بالا رہا اور کسان طبقہ اس شکاری کے جال میں پھنسا رہا۔ اس ظلم کو دیکھکر آزاد جیسے ذہین شاعر کی زبان کیسے خاموش رہ سکتی تھی۔ اس نے ہمیشہ کسانوں کی درد ناک تصویروں کو آواز بخش دی۔ انکی دل دہلانے والی حالت زار کا بیان یوں کیا ہے۔

گلان ریتہٕ کالہِ تاپہٕ چھکھ تَن دَزان چھکھ وندہٕ ترِ ہَن ہَن
شہٕتھ ہیکن کیاہ وٕنتھ ہیکن کس نہٕ چھکھ رفیقاہ نہٕ غمگسارا[1]

کتنی حیران کُن بات ہے کہ سماج کا پیٹ پالنے والا کسان خود بھوکا مر رہا ہے۔ لہلہاتی کھیتی کو دیکھ کر جہاں اُسکی آنکھوں سے مسرت کے آنسوں چھلکتے ہیں وہیں خرمن میں پہنچا کر زمیندار اُسے دُکھ کے آنسوں ٹپکانے پر بھی مجبور کرتا ہے۔ بیچارے کسان کی پوری زندگی اسی طرح آنسوں بہاتے بیت جاتی ہے۔ قدرت کی کاریگری یہ کہ کسان محنت کرنے پر بھی غربت کے گھنگور اندھیرے میں مُبتلا رہتا ہے اور زمیندار بِنا ہاتھ پیر مارے چین کی بنسی بجاتا ہے۔

ا۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں وکشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفہ 136۔

زینان تہٕ کماوان چھُ یُس دۄرِ سہ ترسان

للہِ وان چھُ کم ضربِ جگر زانہِ تسٔند پان

بیٚا کھا چھُ بہتھ شاد نہٕ زینان تہٕ کماوان

بیکار سہ دِل جمع جکھن وول پریشان

سہ ... ہران یُس چھُ ہران خون رُمو۔کنٕ

کُس خون جگر خون اُچھو۔کنٕ تہٕ نمو۔کنٕ[1]

سماج کے اہم کام کاج کو انجام دیتے ہوئے بھی کسان کا عیال و اطفال پریشان ہی رہتا ہے اور بے یارو مددگاری کی حالت میں کراہتا ہے۔

جکھِتھ تہٕ جۄرِتھ گرِتھ کمأوِتھ نصیبہِ میانے یہِ غم تہٕ ماتم

شراب خانن تہٕ واژ وانن چھِ زِندگی کارٕ بارٕ میانے

برِتھ یِوان بانہِ یتھ زمانس فرِتھ غریبس تہٕ ناتوانس

شاہ بووِن مأ لِک جہانس ہُران کیاہ چھُس ددارٕ میانے[2]

جاگیردار اور زمیدار کی لوٹ کھسوٹ دیکھکر شاعر کی آنکھیں نم ہو اُٹھتی ہیں۔ کسان اناج بوتے وقت ہی سنہرے خواب دیکھنے لگتا ہے اور خیالی محل بنانے لگ جاتا ہے۔ لہلہاتی فصلوں کو دیکھ کر اُسکی بے انتہا اُمیدیں بندھ جاتی ہیں۔ مگر اُمید اُمید ہی رہ جاتی ہے اور جاگیردار کے کارندے آ کر اُسکی فصل کاٹ کر لے جاتے ہیں اور کمانے والے کے لئے کچھ بھی نہیں چھوڑ جاتے۔

۱،۲۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں وکشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفہ 178،255۔

اکھا زراعت وان کماوان ڈچھم بیپس اتھِ لونہِ ناوان

یوان بیٚا کھاہ کھبوان تہِ کھیاوان ہمس نہِ تھاوان شنیک گذارا[1]

یہ بے رحم سرمایہ دار اُس بے سہارا کسان کو پوری طرح ختم ہی کرنا چاہتے ہیں، لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ اُن کی بناوٹی ٹھاٹھ باٹھ اور سجاوٹ اُسی بے چارے کسان پر منحصر ہے۔ اِنکی گالوں کی سُرخی بھی کسان کے ہی خون سے ہے۔ یہ سب بھول کر وہ اس کی ہر مانگ بڑے غرور کے ساتھ ٹھکرا دیتے ہیں۔

شہنشاہی تہِ سُلطانی بنان میانِس رَتس مازس

بنان چھم دردِ فریادَن تہِ نادن گردِ اسمانی[2]

آزاد اس بات پر اور بھی غم کا اظہار کرتے ہیں کہ اس ناقابل برداشت ظلم اور تشدُد کو یہ مظلوم قوم خاموشی سے برداشت کر رہی ہے۔ جتنا ہی اس پر ستم ڈھایا جاتا ہے اُتنا ہی وہ لب بستہ ہو کر نا انصافی کی اس تلوار کے سامنے سرنگوں ہو جاتی ہے۔ حقیقت میں وہ اس نا انصافی اور ستم گری کے سامنے حواس باختہ ہوئی ہے اور اُسے اپنی عزت اور ذلت کا کوئی دھیان نہیں ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ بھی ان ظالموں کے ہاتھوں لُٹ چکی ہے۔

۱،۲۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفحہ 132، 193۔

مرحوم پریم ناتھ بزاز کے الفاظ میں :

"I shattered, when I heard the condition of the people living in the Jagirs. The depredating of the Jagirdars or monsters there is no law but the will of the jagirdars in these parts of the state. I was told that people may not marry even their daughters against the wishes of the Jagirdars."1

اِن سب مشکلات کے ساتھ ساتھ کسان کو ایک اور بھاری آفت نے گھیر رکھا تھا اور وہ ہے اسکے پُرانے اور غیر سائنسی آلات۔ اُسکے پاس وہی باپ دادا کے زمانے کے آلات ہیں کشاورزی جن سے اُسکے دادا پردادا کھیتی کرتے تھے۔ انکی وجہ سے اُسکی پیداوار بھی گھٹتی جا رہی تھی اور اس بابت بھی وُہ پریشان حال تھا۔ اُسے ٹیکس (مالیہ) کے طور پر بھی اپنی پیداوار کا ایک بڑا حصہ حکمران طبقے کی نذر کرنا پڑتا تھا۔

جدس یُس آلہٕ مٹہٕ اوسُم   وُنس تام سۓ نکھس پیٹھ چھُم
پکُن چھُم کارو بیگارس   برُن چھُم جِنس سرکارس
تیم ووگرایہٕ باپاّری   بہٕ نو ذٕرٕ عشقہٕ بیماری۲

مزدور طبقے کی حالت اور بھی پریشان کن تھی۔ انھیں خاص طور پر بیگار کے کام پر لیا جاتا تھا۔ مزدوروں کو بھی روٹی جُٹانا اُنکا ایک اہم مسئلہ بن گیا تھا۔ نہ اُنکے پاس تن ڈھانپنے کو کپڑا اور نہ رہنے کیلئے جھونپڑی تھی۔ کسان کی طرح

---

1. Inside Kashmir by Sh. P.N. Bazaz, Page 231.

۲۔ کُلیاتِ آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفحہ 277۔

ہی وہ بھی ظلم کی چکی میں پسے جا رہے تھے۔ چوٹی کا پسینہ ایڑی تک آنے پر بھی روٹی کی پریشانی حل نہیں ہو پاتی تھی اور اونچے طبقے کے گھروں میں اُنکی خدمت گزاری میں ہی خون پسینہ بہتا رہتا تھا۔

شاہانہٕ رختن چونہٕ جران خونِ جگر میٔون
چائٕ تال وزمُژ تاپہٕ ستہٕ ننہٕ وارِ موٗزوروا[۱]

شاعر جہاں اس دِل دوز حالت کی عکاسی کرتا ہے وہیں وہ مظلوم فرقے کے دل و دماغ میں اس بات کو ذہن نشین کرانے کی کوشش بھی کرتا ہے تاکہ یہ لوگ اس ظلم کا سامنا کرنے کیلئے بیدار ہوسکیں۔ ذیل کی سطور میں شاعر کی اس کوشش اور جذبے کی شناسائی ہوتی ہے۔

چوٗن عیال کیاہ کران، فاقہٕ وتن پٹھ مران
چوٗن جکھٕن راوران، چائٕ ژھوپہٕ تہٕ چائٕ مائے[۲]

(ii) حکمران طبقے سے بے اطمینانی:

آزاد کی قوم پرست شاعری میں انکے دور کے حالات کی پوری عکاسی ہوئی ہے۔ سیاسی غلامی کی دردناک چیخ و پُکار اُنکے منہہ سے پھوٹ پڑی ہے۔ بیرونی راجاؤں کے ظلم سے عوام مُضطرب ہو اُٹھی تھی اور چاروں طرف نا اُمیدی کا اندھیرا چھایا ہُوا تھا۔ پروفیسر پی۔این۔ پُشپ کے الفاظ میں، "ان دنوں کشمیر کا ماحول ریزیڈنٹ شاہی" کے چھل بل سے اکھڑا اکھڑا تھا۔

۱،۲۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفہ 184، 92۔

اُدھارے شکنجے میں گسی ہوئی جنتا کی سماجی، سیاسی حس مُردہ پڑی تھی۔"[1] لیکن اس ساسی اقتدار کے خلاف بے اطمینانی کا جذبہ آزاد جیسے پرجوش اور طاقتور شاعر کی نس نس میں پھوٹ پڑا۔ شروع سے ہی وُہ اپنے قلم سے اس ریزیڈنٹ شاہی پر حملہ کرتے رہے۔ جنت جیسی اس حسین دادی میں تبردار (گوٹل) نام کے بیرونی طائر گھُس آئے ہیں اور اس گلستان کو تہس نہس کرنے میں لگے ہیں۔ شاعر پریشانِ حال ہے کہ کون اُس مالی سے کہے اور ان موزیوں کو یہاں سے بھگا دے۔

ژاے گوٹِل یتھ گُلستانس
ہاے کُس ونہِ تَس باغوانس
تُسی چھُ یہِ دود سُے چارہ کرے[2]

ان بیرونی سیاست بازوں نے ہماری یکجہتی کو درہم برہم کر دیا اور اپنی جڑیں جما دیں۔ یہ دیکھ کر آزاد کو ذہنی عذاب ہوتا تھا، لیکن اسے یہ یقین تھا کہ اگر عوام میں آپسی پیار اور یکجہتی کی ڈور ٹوٹ نہ جاتی تو یہ غیر ملکی حکمران ہمارا کچھ بگاڑ نہیں پاتے۔

کس کیاہ کرِہن پھند باز ترِ ہن امہِ کھوتہٕ زورٕ تہٕ شورٕ
لوٕلکی آلو ضایہِ چھِ سپنان امہِ ڈولچہِ ٹھسہٕ رائے[3]

ا۔ کشمیری بھاشا اور ساہتہ۔ پروفیسر پی۔این۔ پُشپ۔ بہار راشٹر بھاشا پرشد اشاعت صفہ 19۔

۲،۳۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفہ 143،

243۔

حکمران طبقے نے اپنی ڈِپلومیسی سے یہاں کے بہادُر نوجوانوں کو بُز دِل بنا دِیا۔ جہاں کہیں بھی حکمرانوں کو بے اطمینانی کی بو ملی وہیں اپنی سرکوبی کی پالیسی سے کام لیا اور طاقت کے بل پر اُسے دباتے رہے۔ اسطرح حُب الوطنوں کو مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ انھیں کمزور اور افسردہ بنا کر غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا گیا۔ عوام کی اس پست حالت کی صحیح تصویر شاعر نے یوں کھینچی ہے۔

بے وایہِ شیر مردن، زو لانہٕ گٔے بہٕ گردن
لگی زالہِ والہِ واشے، ماران ہٕہَن چھِ لاشے
تدبیر وٲلی کران سٕتٕز، تقدیرٕ چے رَبے مَنٕز
وٕنی وٕنی ونان ونو کس، ؤدی ؤدی وَدان نصیبس[1]

آزاد تہہ دل سے ان حکمرانوں سے نفرت کرتے ہیں اور انھیں پُر نفرت الفاظ سے ہی مخاطب کرتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ اُسے دُکھ بھی ہے کہ یہ بیرونی نیچ گیدڑ شیر نر بہادروں کا خون چوس رہے ہیں اور یہ لوگ ذرا بھی اعتراض نہیں کرتے۔

خون مُردم تھوو قونن حلال
رَتھ چوان پادر ہٕہن کمذاتھ شال[2]

ظلم کا اندھیرا چاروں طرف پھیلا ہوا تھا اور اسکے خلاف آواز اٹھانے کی کسی میں ہمت نہیں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ شاعر کو اشاروں کی وساطت سے حالات وقت کی عکاسی کرنی پڑی۔ کہیں پر بیرونی حکمران کو گوٹل تو کہیں

۱،۲۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفہ 171، 162۔

پر گیدڑ کے نام سے پُکارتے ہے۔ اتنی ہوشیاری برتتے ہوئے بھی شاعر کو کئی بار سیاسی باداش جھیلنے پڑے ہیں۔ ذیل کی سطور میں اشاروں کے ذریعے ہی ظلم و جبر کی تصویر بہت ہی سوچ بھوج کے ساتھ پیش کی ہے۔ یہاں پر کوئے کا استعمال بیرونی حکمران کیلئے کیا ہے اور بُلبُل اور پوشنول کا استعمال ہم وطنوں کیلئے کیا ہے۔ باغ وطن کیلئے اور مالی اپنے وطن کے لیڈروں کیلئے استعمال میں لائے ہیں۔

کاو چھاوان باغ، بُلبُل دل ملوٗل
ہولہٕ ستہٕ دم پھُٹ سپنمتی پوشہِ نوٗل[1]

استعاروں، تشبیہوں اور اشاروں کا استعمال کشمیری شاعروں نے بڑی خصوصیت کے ساتھ کیا ہے۔ آزاد کے علاوہ مہجوؔر وغیرہ نے بھی اس سے خاص مدد لی ہے۔ ایک اور جگہ آزاد نے اِسی سیاسی بے اطمینانی کو یوں ظاہر کیا ہے۔

پوشہِ تھرِ توشن ٹوربن تہٕ پوشن
پوشہِ نوٗل آسن پنجرن منز
باغ آسہِ چھاوٗن پانژاٗلِ کاوٗن
اَمہِ کھوتہٕ حسرت تہٕ عبرت کیاہ[2]

عوام دِن بدن غربت اور اِفلاس کا شِکار ہوتی جا رہی تھی۔ جہاں حکمران طبقہ عیش و عشرت میں مست تھا وہیں مظلوم طبقہ بھکمری میں مُبتلا تھا۔ ملک کے نوزاید بچے بھوکے مر رہے تھے اور بیرونی تانا شاہ

۱،۲۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفحہ 205، 260۔

شراب اور کباب نوشی میں جھوم رہے تھے۔ رُشوت خوری کا بازار بھی نہایت ہی گرم تھا اور غریب اُسکا شکار بنتے جارہے تھے۔ اس دل دوز ماحول کی تصویر کھینچتے ہوئے آزاد نے اُس وقت کی سیاسی کمان کی اصلیت یوں بیان کی ہے۔

تیم ییٚلہِ راکھِ فاریٚشٹر دِکھ نے کینٛہہ اَنن رینجر
گرٛھسم وِرِ زیٖن تہِ سرکاری بہٕ نوزرٕ عٔشقہ بیمأری۱

یہ رشوت خور ہاں کو نا اور نا کو ہاں میں کیسے بدل دیتے ہیں، اسکی شاعر نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ عکاسی کی ہے۔

کٔنڈِس کرِ پوش پوشس کوٚنڈ	ۂنڈِس کرِ ہوٚن ہوٚنِس ہوٚنڈ
بہٕ نوزرٕ عٔشقہٕ بیمأری۲	کرُن چھُم رأضی پٹوٲری

برٹش سامراجیوں نے پورے ملک کو سیاسی فریب سے غلام بنا دیا اور ملک کی ساری معاشی خوشحالی کو لوٹ لیا۔ بیوپار کے بہانے وہ ملک میں گھُس آئے اور مکر و فریب کے ذریعے حکومت کی باگ ڈور ہی اپنے ہاتھوں میں لے لی۔ اس خیال کے دل میں آتے ہی آزاد کی آنکھوں میں خون اُتر آتا تھا اور بقول انکے یہ بیوپاری یہاں کی عوام کا ہی بیوپار کرنے لگے ہیں۔

روٗدی کران سانٛہن پانن	آیہِ باپأری بیٚٹھی دُوکانن
روزی دَماہ پاں ژاڈری یے۳	سوٗدِ باپار سوداگری ے

۱،۲،۳۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفہ 277،278،58۔

یہ لوگ عوام کی رگ رگ سے خون چوستے رہے۔ اپنے وطن سے نقلی چیزوں کو یہاں مہنگے داموں پر بیچتے رہے اور یہاں کی ساری دولت اپنے ملک میں پہنچاتے رہے۔ لیکن اس پر شاعر اعتماد سے کہہ اٹھتا ہے۔

سون مِلیتھ سرتل انان، باژرَن اندر ژکنان
ناژ پری چھا بنان، ساز گرِتھ ماز کھارا[۱]

ڈوگرہ راج کے بارے میں آزاد کو بہت زیادہ غصہ تھا اور وہ اُسے خاندانی راج مانتے تھے۔ طنزیہ لہجے میں کہہ اُٹھے ہیں۔

بجاہ تھاوُتھ یہِ تقدیرچ حکومت خاندانک راج
کرو کتھ ناو آزادی وَنو کتھ انقلاب اُخر[۲]

دنوں دِن تشدد کا چکر خوفناک سورت لیتا جا رہا تھا۔ عوام نا اُمید ہوتی جا رہی تھی۔ انھیں آزادی کوسوں دور نظر آ رہی تھی اور اب ظلم برداشت کرنے کی قوت بھی کھو گئی تھی۔ پورے ملک میں آزادی کا بُگل بجنے والا ہے اور اس احساس سے کشمیری عوام بھی آزاد ہونے کیلئے بے صبر ہو اُٹھی تھی۔ حکمران طبقہ بھی اب اپنی خوشحالی کے آخری دنوں میں ظلم و تشدد تیز کرنے لگا۔ لیکن ذی ہوش شاعر اس بات کو بھانپ گیا تھا اور اسی لئے کہہ اٹھا۔

چھِ زانان یِم سوروِنی دوہ غنیمت
توے کاشرِ ہن پیژ ستاوان غولامی[۳]

۱،۲،۳۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفحہ 108، 271، 269۔

(iii) سرمایہ داروں کی لوٹ کھسوٹ:

سرمایہ داروں کے ناقابل برداشت رویے سے عوام ہراساں تھی۔ سماج سرمایہ داروں اور مفلسوں کے بیچ بٹ چُکا تھا جن میں سرمایہ داروں کی تعداد بہت کم تھی اور اکثریت مُفلسوں اور لاچاروں کی ہی تھی۔ چاروں طرف معاشی غیر مساوات نے ڈراونی صورت اختیار کی تھی۔ سرمایہ دار دھن جوڑنے میں مشغول تھے اور ریاست دن بدن زوال کی طرف گامزن ہو رہی تھی۔ سب اپنے اپنے اغراض کو پورا کرنے میں لگے تھے لیکن آزاد جیسے شاعر کیلئے یہ سب دیکھ کر اپنے ہونٹ سی لینا کیسے ممکن ہوسکتا تھا۔ وہ لگاتار ان حالات کی اپنی قوت قلم سے عکاسی کرتے رہے۔

سۆد پٹُن ژھاٗرِ ژھاٗرِ کانٛہہ نہٕ دِوان کانٛسہِ واٗرِ

خانہٕ خراٗبی ژوپاٗرِ کانٛہہ نہٕ گرٕس خانہٕ دارا[1]

ان سرمایہ داروں نے بیوپار کی حالت بُری کر دی۔ گراہکوں کو سونا بتا کر پیتل بیچتے تھے۔ انکے کہنے اور کرنے میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ انسانیت کا جنازہ نکالا جا رہا تھا۔ مالدار لوگ غریبوں کا خون پینے میں مگن تھے،غریب بے چارہ غربت کا مارا بے یارو مددگار ہوکر خدا سے اِلتجا کرتا ہے۔

چھُکھ چون زُوٚیے اوت نتہٕ باقےٚ یہِ تہِ چھُکھ میٚون

بیٚیہٕ وُچھتہٕ یمِن خوش نہٕ یِوان میٚانٛہِ بجاٗیی[2]

1،2۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفہ 105، 246۔

ناداروں کی اس غربت کا بیان شاعر نے اپنی ''عید'' نام کی نظم میں یوں کیا ہے۔ ایک شخص کے پاس کھانے کیلئے قسم قسم کی ضیافتیں ہیں اور دوسرا مایوسی کی حالت میں زار زار رو رہا ہے۔

پژاران أکس رنگہٕ رنگہٕ نعمژ تہٕ ضیافژ
گرند چھس نہٕ یوان کاڑاہ کھنٕ کھینہٕ روزس گژ
غمگین بہتھ بیاکھ چھُ بیچارہ کران ہژ
روشان خوالیس تہٕ توشان قیامژ
هاران اکھاہ خوٗنِ جگر بیاکھ ماران ہنڈژ
اکھ ترٕلیش ژھاران بیاکھ چھُ ژاران دودس کنڈی[۱]

اُسے عید کے مقدس تیوہار پر بھی رونا ہی ہوتا ہے۔ وہ عمر بھر اپنی خواہشات کو پورا نہیں کر پاتا۔ اسلئے اپنے امیر پڑوسی کو پیاسی آنکھوں سے دیکھ دیکھ کر ہی اپنے آپکو مطمئن تصور کرتا ہے۔

اکھ دژاو ملِتھ مُشک وٕلتھ تاس تہٕ اطلاس
چھس عید ژلبس داغ پھلِتھ باغ دِلُک آس
ژھاین تہٕ گراین چندہ چھونٕی ہمسایہٕ وچھنہٕ دراس
اتھ نوٗرٕ ڈیکس پورٕ ملِتھ چھس یہٕ غمک ساز[۲]

آزاد کو اس بات پر بھی شُبہ ہے کہ خدا ایک ہے اور اُسکے سامنے سبھی آدم ایک ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو ایک شخص دوسرے کو اپنا نوالہ نہیں بناتا۔

۱،۲۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفحہ 177، 178۔

غرٖبن ہُنٛد جگر تہٕ دِل بُزان یم کیٛازِ سیٛخن پیٹھ
امیرن ہٕنٛدی خوداین تم تہٕ کٔرٕمتی أسی اگر پأدا ا؎

اس نا اِنسانی برتاؤ کو دیکھ کر شاعر کو دِل کے اندر کی تہہ تک درد ہوتا ہے، لیکن وہ حوصلہ نہیں کھوتا۔ اُسکی نس نس میں بدلے کی آگ بھڑک اُٹھی ہے اور انسانی خون سے ہولی کھیلنے والے انسانی شکل میں ان جانوروں کا تدارُک چاہتے ہیں۔ اُسے ان سود خوروں اور پونجی پتیوں کے نام سے ہی نفرت تھی۔ وہ اس طبقے کو ہی انسانی سماج کے زوال کی خاص وجہ مانتے تھے۔ انکے کالے کرتوتوں کو ننگا کرتے ہوئے آزاد کہہ رہے ہیں۔

دوست سأری گٔے سٕمِتھ شیطانٕسے دۆپھس ژٕ وَن
مۆدی ییٚلہِ مۆزۆر فاقہٕ کیٛاہ کرن یم سود خار
تورٕ دوپنکھ توٚہی تہِ منٛگٕتوَ اتھ جماعتس نِش نجات
یم کفن ژۆر تھاوٕنکھ قرقس انٛدر گٔری گٔری مزار ۲؎

(iv) مذہب کے نام پر ستم گری:

مذہب کی مُروجہ صورت بھی سماجی ترقی میں دیمک کا کام کر رہی تھی۔ مذہب کی اس تنگ نظری نے انسانی سماج کو اندھا بنا دیا تھا۔ چاروں طرف حسد کی آگ بھڑک رہی تھی جس میں عوامی فلاح و بہبود کے سبھی ذرایع راکھ ہو چُکے تھے۔ مذہب کی تنگ اور غیر سائنسی نظریے کی لوگوں نے اندھی پیروی

۱،۲۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفہ 239،339۔

کی اور نتیجہ سماجی یکجہتی تار تار ہو چکی تھی۔ ترک دنیا کے جذبے نے مردانہ قوت اور بہادری کو کمزور اور افسردہ بنا دیا۔ ان سب حالات نے ترقی پسند شاعر کو زبان کھولنے پر مجبور کیا اور وہ مذہب کے اس بیمار نظریے کی نکتہ چینی کرتے ہوئے چلا اُٹھے۔

ہاے گُنبر ضایہِ کوٚر پرٲنی مودرٕ فلسفن
زِنٛدٕ مرے مرد پیٹھ مورِد ڈٕلِتھ زن کنن!ا

شاعر کے مطابق مذہب کی یہ سینکڑوں سال پُرانی کہانیاں سماجی ترقی کیلئے باعث رُکاوٹ ہی نہیں بلکہ بُنیادی عنصر کو جاننے میں بھی اڑچن ڈالتی ہیں۔ دیکھنے اور سُننے میں تو یہ اچھی لگتی ہیں لیکن حقیقت میں یہ زہریلے سانپوں سے بھی خطرناک ہیں۔ مذہبی ٹھیکدار ذرا بھی جھجکتے نہیں۔ مذہب کے جال میں پھنسا ہوا آدمی ہمیشہ اسی فکر میں رہتا ہے کہ کس طرح وہ مذہبی محصول چُکانے کے قابل ہو سکے۔ یہ فکر اُسے اندر ہی اندر گیلی لکڑی کی طرح جلاتی رہتی ہے۔ وہ اپنے معصوم بچوں کا پیٹ تن کاٹ کر اِس محصول سے چھٹکارا پاتا ہے۔ کیونکہ اُسے پورا بھروسہ ہے کہ قیامت کے دِن اُسکا مولوی ضرور اُسکی مدد کریگا۔

پگاہ چھُم ہدیہِ دِیُن پیرس تھوبم کن توبہِ تقصیرس
قیامژ دوہ کرِم یارٕی بہٕ نو ذرٕ عشقہِ بیمارٕی۲

ا،۲۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفحہ 156، 277۔

آزاد مذہب کے اس ڈراونے اور غیر یقینی چہرے سے کوسوں دور چل پڑے اور عوام کو بھی اس ڈر سے بچانے کی کوشش کی۔ عوام کو خبردار کرنے کیلئے ہی وہ مذہب کے ان دُرشت مبالغوں کو پھٹکارتے ہوئے کہہ اُٹھے۔

وۄتھ پانہٕ پٔنُن سنٛز کربن پانہٕ پٔنُن رہبر
اوتارتہٕ پیغمبر یِوان اَسی پتھ کالےا

(3) دعوت انقلاب:

(i) عوامی بیداری:

بیسویں صدی کے آغاز میں پورے ملک میں عوامی بیداری نے زور پکڑ لیا اور آزادی کی مانگ دن بدن بڑنے لگی۔ دیش کی اس شمالی ریاست میں بھی اس ہل چل کا آغاز ہوا۔ فاروق قریشی کے الفاظ میں:

"The end of the nineteenth and the begining of the twentieth century was the period of national rebirth and political conscienstiousness in Kashmir as in the rest of India."2

بیداری کی نئی کرنیں پھوٹنے لگیں۔ جہاں سیاسی لیڈر لوگوں کو غلامی کے خلاف بغاوت کیلئے راغبت کر رہے تھے وہاں اس وقت کے شاعروں نے بھی اس مقصد میں اپنا تعاؤن پیش کیا۔ اس سلسلے میں مرحوم آزاد کے علاوہ پریم ناتھ پردیسی، مرحوم غلام احمد مہجور اور غلام حسن بیگ عارف کے نام کافی اہم ہیں۔

ا۔ کلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں وکشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفحہ 237۔
۲۔ دکشمیر، مئی 1958 سنگر آف کشمیرز فریڈم۔ فاروق قریشی۔ صفحہ نمبر 139۔

عوامی بیداری کی زور آور لہروں سے آزاد کی شاعری بھری پڑی ہے اور حقیقت میں یہی اُنکی شاعری کی روح بھی ہے۔ انھوں نے اپنی آواز سے لاعلمی کے اندھیرے میں مُبتلا مظلوم عوام کو بیداری کے نور سے مُنور کیا ہے۔ لوگوں کو اس گھُپ اندھیرے میں بے حس پڑے دیکھ کر آزاد ذہنی رنج کی وجہ سے گریہ کرنے لگتا ہے۔

نۄنٛدر رِہتیو گژھ بیدار گژھتہٕ بیدار ہاے ہاے
وٲتۍ قافلہٕ مٔنزلس کیاہ ژٕ کران کیاہ ژٕے پاےٚ[۱]

عوام کی کاہلی اور مستی کی وجہ سے ظُلم کا پہیہ تیز رفتار پکڑ چُکا تھا اور شاعر بھی اسے دیکھ کر خوف زدہ ہوتے ہوئے عوام کو خبردار کرنے لگا تاکہ انکے گھروں کو بھی کہیں اُجاڑ نہ دیا جائے۔

گژھتہٕ بیدار سُل چھےٚ وُنے
اتھ کُلِس تہٕ کرٕنےٚ گنے
اول چون ما گژھِ ہرِ ہرےٚ[۲]

اسلئے آزاد اپنے ہم وطنوں کے اندر قوت اور ہمت کا جذبہ بیدار کرتے ہوئے انھیں خبردار رہنے کی تلقین کر رہے ہیں۔

ژھتہٕ کیاز گوٚے غارتگ ناروہو گژھتہٕ بیدار ہا وطن دارو ہو
چھُکھ دیبوُمت خوفچہٕ ربہٕ اندر بُمہٕ سِنہٕ ہندی پٲڑھی چھےٚ تژ آوٕمژ لر
لُہر ماران نیر شہمارو ہو گژھتہٕ بیدار ہا وطن دارو ہو[۳]

۱،۲،۳۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفحہ 91، 143، 46۔

شخصی راج کی غلامی سے لوگ پریشان تھے اور اب انھیں اپنا ہی وطن پرایا دِکھنے لگا تھا۔ زندگی کی اس بے رُخی سے تنگ آچکے تھے۔ لیکن آزاد نے ان شدید حالات میں بھی لوگوں کے دلوں میں اُمید کی کرنیں بھر دیں۔ شاعر نے بالواسط طور پر لوگوں کی رہنمائی سنبھالی۔ انھیں اس بات کی یقین دہانی کرائی کہ یہ ملک اُن ہی کا ہے اور وہی اس کے مالک ہیں۔ وہی اسکی حفاظت کے بھی ذمہ دار ہیں۔ یہ سیاسی چالباز لوگوں کو عارضی خوشی کے ساز و سامان سے مست اور مدہوش بنا رہے ہیں۔ اُنکا اپنے نصب العین یعنی آزادی کے مقصد سے دھیان ہٹا رہے ہیں۔

ژٕری باغوان چانٕی گُل تہٕ گُلزار　　ژٕری مائلِک چھُنے گرٕ تہٕ بار
گرٕھتہٕ بیدار ہا وطندارو ہو　　ہأکی موبن ہا مُلک دارو ہو
سازوسنطور مدھم ترٕ اُتھ نأکی　　وارٕ ساوان چھِی ژٕے وُزٕ ناون وأکی
گرٕھتہٕ بیدار ہا وطندارو ہو[1]　　مارٕ سپنٕکھ امہٕ خمارو ہو

شاعر کے مطابق لوگوں کی انکساری اور بُردباری ہی انھیں زک پہنچا رہی ہے۔ اس حقیقت کو وہ بڑے ہی با اثر طریقے سے پیش کرتے ہوئے کہہ اُٹھے۔

چھُن عیال کیاہ کران فاقہٕ وتن پتھ مران
چھُن جکھن راوٕران چانٕی ژھوپہٕ تہٕ چانٕی ماے[2]

مظلوم عوام میں بغاوت کی آگ کو ہوا دینے اور غلامی کی زنجیروں کو توڑنے کیلیے شاعر سماج کے ہر طبقے کو مقابلے کی دعوت دے رہا ہے۔ مزدور طبقے کے

۱،۲۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفحہ 47، 92۔

نِکمے پن پر آٹھ آٹھ آنسو روتے ہوئے اُن میں شُجاعت کا جذبہ جگاتے ہوئے کہہ رہا ہے۔

پننہٕ نِس سونس میٚژ پانہٕ کران چھُکھ ژٕ بران چاو
غم چوٚن کمُس باوٕ ژےٚ گُس کھارِ موٚزورو[1]

اور

شانٛد تھاوِتھ غاںٛرنے ہٕنزٕ بڑانٛدٕ کنہِ چھُکھ کیٛاہ چھِوان
غاںٛرتس نیلام گرٕی گرٕی نام پوٗتھ تی پَزیا
بنگہٕ تےَ اُفین مِلہٕ وِتھ چووُکھ مس پیٛالہٕ پوٗرٕ
دوٗرِ کبن بیگانٕے ہُنٛد تِکیہ تھوٗتھ تی پَزیا[2]

بیرونی حکمرانوں کے سہارے جینا شاعر کو ذرا بھی برداشت نہیں ہوتا۔ ہمت چھوڑ کر اور عزت گنوا کر زندہ رہنا اِنسان کو کیا جانور کو بھی زیب نہیں دیتا ہے۔ شاعر عزم اور خودا عتمادی کا مجمہ ہے اسلئے ظلم کے خلاف بغاوت ظاہر کرتے ہوئے وہ لوگوں کے دلوں میں اِسی جذبے کو ابھارنا چاہتے ہے۔

بُلبُلن چانٛبن ہا کوٚر پانٛژٔ اُلی کاوٕ اُلی ناش
لول یمہٕ نٕے لولہٕ رٕتین بٲ گروٗتھ تی پَزیا[3]

جوان پیڑی کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کیلئے شاعر للکار رہا ہے اور اُس میں خود اعتمادی اور جوش بھرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہہ رہا ہے۔

کمر گُنٛڈ قدم تُل یہِ دم چھُے غنیمت   سفر زیوٗٹھ چھُے ووتھ سکھر نو جوانو
ژٕ ووتھ روز اِستادٕ پننہٕ نمن کوٗھبن پیٛٹھ   پَتُن نیٛاے پانٕے اُنزر نو جوانو[4]

۱،۲،۳،۴۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفحہ 184، 329، 227۔

(ii) شجاعت کی للکار:

عوام ایک طرف غربت کی تاریکی میں سانسیں لے رہی تھی تو دوسری طرف حکمرانی تشدد نے اُنکی کمر توڑ کے رکھ دی تھی۔ عام لوگوں کو لگاتار ظلم و ستم کا سامنا کرنا پڑا رہا تھا۔ پیٹ کی آگ اُسکے لئے ایک پیچیدہ مسئلہ بن گئی تھی۔ ان سبھی وجوہات کی بنا پر عام لوگوں میں شجاعت اور ولولے کا جذبہ موت کی گہری نیند سو چُکا تھا۔ عزت و آبرو کی لوگوں کو کوئی سُدھ بُدھ ہی نہیں تھی ان کو ایک ہی فکر کھائے جا رہی تھی کہ پیٹ کی دھکتی آگ کو کیسے بُجھایا جائے۔ ماضی کی اقبال مندی اور افتخار کی بلندیوں کو وہ پوری طرح سے بھول چُکے تھے۔ اسلئے ایسے حالات میں آزاد جیسے شاعر کیلئے یہ اشد ضروری تھا کہ وہ اس کھوئی ہوئی عزت و آبرو کے احساس کو دوبارہ لوگوں میں جگا دے۔ وہ فکر مند ہو اُٹھتا ہے کیونکہ اُس کو لگ رہا تھا کہ شیر گیڈر بن گئے ہیں اور شیروں کو بندگی میں رہنا ستم ظریفی نہیں تو اور کیا ہے۔ پُکار اُٹھتا ہے کہ

وُچھتہٕ ژٕنے کُس حال گوٚوُے کیاز ٕ ہس شال گوٚوُے
وائے یہِ کُس وٕہمہٕ پیوٚک وائے دوپُے کُمٕ یہِ وائے[۱]

اور

وائے مجبوری، غلامی، بندگی بیقرأری، بے کسی، شرمندگی
دِل پریشان، عقٕل حأران، زُوخراب، بندگی منٛز زِندٕ روزُن بوٚڈ عذاب[۲]

۱،۲۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفحہ 91، 162۔

آزاد نے ہر حال میں ان آفتوں سے دو دو ہاتھ ہونے کیلیئے لوگوں کی حوصلہ افضائی کی ہے کیونکہ غلامی کی ان زنجیروں کو توڑے بنا اُسے چین نہیں ملتا۔ اُس کے مطابق مالک اور نوکر کا جو طبقاتی بٹوارا ہُوا ہے، اصل میں اِنسانی سماج میں تپ دِق کی وبا سے بھی خطرناک ہے۔ اسلیئے شاعر اسی نوکر کو مالک بننے کی ترغیب دے رہا ہے۔

غاٗرتھ ژٕ کرکھ باج سوزی لا مکانک راج
دامن ژٕے گُن محتاجہِ ہٕندی پاٗٹھی دارِ موٗزورٕ
یتھ زیادٕ لاگکھ نرم روزکھ سادٕ رٕگین منٛز
تِیُتھ زیادٕ پکُن چھُے ووہے بیگارِ موٗزوروراؔ

اوروں کے سامنے ہاتھ پھیلانا شاعر کو بالکل پسند نہیں تھا اسلیئے اپنی قوت اور محنت سے اِنسان کو اپنی خامیوں اور کمیوں کو دور کرنا ہوگا، چاہے اُسمیں کتنی ہی مصیبت اور تکلیف کیوں نہ اٹھانی پڑے۔ محنت کو چھوڑ کر نفسانی خوشی میں مشغول رہنا آدمی کو افسردہ اور بُز دِل بنا دیتا ہے۔

یہِ عاٗش و عشرت چھُ بوٗڈ مصیبت آرام تہٕ راحت چھُ محنتس منٛز
کوٗرُتھ ژٕے رُت کیاہ، لوٗبُتھ نہٕ رُت پھل، گوٗمُت بڈِتھ چھُکھ ندامتس منٛز
دژٕہن پلن بارٕ سنگرن منٛز چیٛے خوٗن جگر تہٕ بن جواٗہر
تھوی ژٕے راجاہ ہمیشہِ تاجس ژٕ مان یِی چھُے ژٕے قسمتس منٛز۲

۱،۲۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں وکشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفہ 184، 330۔

اِنسان کے اندر خودی کے جذبے کو اُبھارنے کیلئے شاعر ہمیشہ کوشش میں رہا ہے۔ لاعلم عوام اپنی ان مصیبتوں کیلئے جس قسمت کو اسکے لئے ذمہ دار ٹھہراتی ہے، قسمت کے اُس نام سے آزاد کو نفرت تھی۔ اُسکے مطابق اس جدید دور میں اِنسان کو خود اپنے اعتماد کے بل بوتے پر اپنی قسمت کی تعمیر کرنی ہوگی۔

ژٕ پنہٕ نے نصیبُک قلم پانہٕ گرتو چھُ تقدیر تقدیرٕ والین مُبارک
طِلسمات یٖمہٕ آسمانٕکی پھُٹرتواِ گرِتھ دورٕ دوراہ مَژہٕ زورٕ پنہٕ نے

(iii) احساس وحدت:

کسی ملک کو غلامی سے نجات پانے کے لئے یہ اشد ضروری ہے کہ وہاں کے سب لوگ ایک ہی جھنڈے کے نیچے صف آرا ہو جائیں تبھی ایسے دُشوار منصوبوں میں کامیابی کی اُمید کی جا سکتی ہے۔ جہاں بھی وحدت میں کمی رونُما ہوئی وہیں اُس دیش کے لئے آزادی کی اُمید آسمان کے تارے توڑنے کے برابر ہو چُکی ہے۔ حقیقت میں حصول آزادی کا سب سے بڑا ہتھیار اور راز اُس قوم کی یکجہتی میں چھُپا ہے اور آزاد جیسے حساس شاعر بھی اس بات سے باخبر تھے۔ انھوں نے اپنی قوم پرست شاعری کے سبھی نگینوں کو یکجہتی کے اِسی دھاگے میں پرو دیا ہے۔ یہ انکے قلب وسیع اور دور اندیشی کا ہی ثبوت ہے اور یہی ایک بڑی وجہ ہے کہ کشمیری قوم پرست شاعروں کی صف میں آزاد کا نام سب سے آگے آتا ہے۔

ا۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفہ 328۔

جس طرح برٹش سامراج وادیوں نے دلیش میں پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو کی پالیسی کو اپنایا تھا، اسی طرح جموں وکشمیر ریاست میں بھی اُسی پالیسی کو بروے کار لایا جا رہا تھا۔ حسد اور اِمتیاز کے جراثیم عوام کے خون میں گھُس چکے تھے اور چاروں طرف بدامنی پھیل چکی تھی۔

آزاد یہ سب دیکھ کر کراہ اُٹھے اور عام لوگوں کو یکجہتی کے دھاگے میں باندھنے کی کوشش کرتے رہے۔ ''وتھ'' نام کی نظم اُنکی ایک بہت ہی مشہور نظم ہے جسمیں آزاد نے اسی یکجہتی کے دھاگے کو مضبوط کرتے ہوئے کہا ہے

ہیچھ ناوتکھ کو ہرِک سوٗز دوٕ گنیارن مارِ کاشرِ یے
سونٛدری یے بوٗزی میانٛی زارا! ہم تہٕ گرٕ شھن تارٕ ترٕی ٹرٕ یے

اور

محبتُک لول دِلبری ہُنٛد دِتکھ ژٕ توفیق برادری ہُنٛد
دِلس ژٕ ترٛاوتکھ پزٕ یک امارا[۲] دِلاہ بخش تکھ دِلاوری ہُنٛد

اپنی پُر زور آواز سے عوام کو ایک دوسرے کے قریب لانے میں آزاد کو خاص کامیابی حاصل ہوئی۔ اُنکی آواز جوش اور پُر اثر وصفوں سے بھرپور تھی اور ایک عوامی لیڈر کی طرح وہ لوگوں کو ترقی کی راہ پر گامزن ہونے کی تلقین کرتے رہے۔ مذہبی نظریے میں کشمیر ہمیشہ سے یکجہتی کی مثال پیش کرتا آیا ہے۔ اسکے لئے ایک پُر زور اور با اثر وجہ یہاں کے شاعروں اور قلمکاروں کا وسیع اور انسانیت پرور نظریہ رہا ہے۔ جنھوں نے وقتاً فوقتاً عوامی جذبات کو بھڑکنے اور

۱،۲۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں وکشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفحہ 59، 136۔

مجروع ہونے سے روک لیا۔ انسانیت کے علمبردار شاعر آزاد اپنی تخلیقوں میں فرقہ پرستی کے اس زہریلے پیڑ کی جڑوں پر ہمیشہ اپنی تبر مارتے رہے۔ اُنکے سامنے ہندو اور مسلمانوں میں کوئی امتیاز ہے ہی نہیں، بلکہ سب برابر ہیں۔ اِسی خیال کا اظہار یوں کیا ہے۔

ژٕ زاکھ اِنسان بڈیوکھ اِنسان کتے ہیُند کتے مُسلمان
چھُ چون مذہب گنبر تہٕ یکسان ژٕ اکھ بہٕ اکھ گنزرن روا چھا[۱]

اور

چھُ سارِنے گُنےٚ خودا سُمتھ کرو گُنےٚ صدا
منگوس نہٕ زانہہ پتُن مُدا الگ الگ جُدا جُدا[۲]

ہندو اور مسلمان کے آپسی میل مِلاپ کو بڑھاوا دیتے ہوئے شاعر کہتے ہیں۔

ییٚمہِ یکسانہٕ کہِ ہالہِ مأدانےٚ کُس پتُن کُس چھُ بیگانےٚ میٚون
یُتھ میٚہ نِش ہیوٚند تہٕ تیُتھ مُسلمانےٚ گوش تھاو بوز افسانےٚ میٚون[۳]

کلکتہ سے فرقہ وارانہ دنگوں کے بارے میں سُنکر آزاد کے دل کو بہت بڑا صدمہ ہوا۔ اُنکا انسانیت پرست دل کراہ اُٹھا اور اِنسان کی اس حیوانی صورت کی بے حد نکتہ چینی کی۔ لاعلمی کے اندھیرے میں اِنسان آپسی رِشتے کو بھول گیا ہے، تبھی وہ اس نا اِنسانی اور وحشیانہ کاروائی پر اُتر آیا ہے۔ لاعلمی کے اسی پردے کو پھاڑنے کیلئے شاعر اِنسان سے مخاطب ہو کر کہہ اُٹھا۔

۱،۲،۳۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں وکشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفہ 333، 37، 67۔

کُنئ عالم کُنئ آدم نمس ءتی ماز مازس نم
یہِ کُمِی تژوُوی دِلس اندر دوِیی ہُند نار اِنسانو
پزِیا دِیُن سپنہِ اِنسانس تتھس دینس تہِ ایمانس
کران کُنزرس تہِ یکسانس چھُ یُس دوٗ گِنیار اِنسانو [1]

اس طرح شاعر نے سماجی، سیاسی اور مذہبی غرض کہ ہر میدان میں عوام کو ایک ہونے کی سیکھ دی۔ انھیں عوامی یکجہتی میں پورا بھروسہ تھا اور اسکے بکھراو میں پورے ملک کا زوال دِکھائی دیتا تھا۔ جس طرح چھوٹی چھوٹی ندیاں ایک ساتھ مِل کر ایک بڑے دریا کی صورت اختیار کر لیتی ہیں اُسی طرح عام لوگ بھی ایک دوسرے کے قریب آ کر آپس میں ہاتھ مِلا کر بہت بڑی قوت بن سکتے ہیں۔

(iv) اِنقلاب کی خوش آمدید:

اِنقلاب کی آمد چاہے عدم تشدُد سے یا تشدُد سے ہو، اگر اُس سے عام لوگوں کو بھلائی و پایر جائی حاصل ہو تو شاعر کو ایسے تشدُد کی حمایت کرنے سے بھی کوئی گُریز نہیں۔ حال کی بدحالی اور حقارت آمیز حالات کو بدلنے کے لئے وہ کھلے دِل سے انقلاب کو خوش آمدید کرتے ہیں۔ روس کے انقلاب سے وُہ خاص طور سے مُتاثر تھے۔

۱۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفہ 230۔

زندگی ہنڈی ولولن ییلہِ دِیُت ظہوٗر خواجہ پیٚو برخاک تختس کھوٚت موٗزوٗر
کاٗفری منٛز دزاو دِہِنگ آفتاب، نوٗر تمۍ سُند وحدتُچ کُنزِ رٕچ کتاب
اختیارٔک تاج مجبورن دِتُن، افسری ہُنٛد شان موٗزورن دیٖتُن ا

نتیجے کے طور پر اپنے ملک کی حالت سدھارنے کیلئے شاعر کے دل و دماغ میں اِنقلابی احساس اور زور پکڑ گیا۔ تشدُد سے آئے ہوئے انقلاب میں شاعر نے دیکھا کہ اس میں کافی قوت ہے تو انکی جازبیت اُس طرف بڑھنے لگی۔ اب انھیں بھارتی عدم تشدُد کی انقلابی جدوجہد کمزور دِکھائی دینے لگی۔ روسی انقلاب نے ان میں جوش بھر دیا تھا، اسلیئے وہ اپنے وطن کی آزادی کیلیئے بے صبر ہو اُٹھے۔ آزاد کو گاندھی جی کی عدم تشدُد کی پالیسی پر شک ہونے لگا، کہ کیا اس راستے پر چلتے آزادی کا حصول ہوسکتا ہے؟ ملک کی اس کمزور اور ناخواستہ پالیسی پر طنز کرتے ہوئے شاعر کہہ رہے ہیں

نہٕ پوشبس کانٛہہ نہ پوٗریس کانٛہہ بلایا
نہٕ روزِیس کانٛسہِ ہتی جھگڑاہ تہٕ نیایاہ
چھُ پانس سُم سبٹھاہ ہندوستانس
کتُن کیٚت ینٛدراہ کھیٚون رکیٚت خودایا ۲

آزاد نے جہاں سیاسی لیڈروں کی نکتہ چینی کی وہیں انھوں نے عام لوگوں کو بھی نہیں بخشا۔ وہ عوام میں برابر خود اعتمادی کا جذبہ بیدار کرتے رہے اور انقلاب کیلیئے جس جوش اور ولولے کی ضرورت ہوتی ہے، اُسے بھی بڑی

۱،۲۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفحہ 210،212۔

ہوشیاری اور کامیابی سے جگاتے رہے۔

بڑ وُٹھمس پتہٕ پتہٕ پکہٕ وِنہٕ تیرے پانہٕ تہٕ بڑ وُنٹھ کُن نظراہ کر

کھیٚہٕ منز ماگرِتھکھ نِیہٕ ہنز ویرے پرٕ شمشیرے رِگنڈ ناہ کر

وَلہٕ وِیر ہلہٕ وِزِ پتھ نو پھیرے ولولہٕ تمُے سُند ٹلہٕ محشر

ہہِہٕ گرٛیزِ شال بیہہٕ ژوٗرِتل ہیرے پرٕ شمشیرے رِگنڈ ناہ کر[۱]

دیش کے نوجوانوں میں انقلابی آگ کو ہوا دیتے ہوئے شاعر نے کئی جگہوں پر سامراجیوں کی بنیادیں ہلا دی ہیں۔ اشاروں اشاروں میں اُنکے یہ ضرب بہت ہی با اثر ثابت ہوئے ہیں۔

رہتہٕ کول وأتن مؤلہٕ مونجہٕ وسرن ٹلہٕ کترِ چہٕ منڈ ورٕ

شیٚنہٕ کبن بالن چھلہٕ چھلہٕ والن سوٗنت کالچہٕ گگرایے[۲]

مادر وطن کی حفاظت کی ذمہ واری ہر فرد پر ہے اور اِسکے لئے مر مٹنا اِنسان کیلئے فخر اور عظمت کی نشانی ہے۔ آزاد اپنے دیش کے لوگوں میں اسی جذبے کو بیدار کرتے ہوئے سادگی چھوڑ کر ڈپلومیسی سے کام لینے کی تلقین کر رہے ہیں۔

تن دار وطن دارٕ پٔژن وعدٕ وفا کر

ٹُل لولہٕ قدم شوقہٕ وتن پان فِدا کر

سیوٗد روزٕ کمان یوٚد تہٕ لکیا تیر نِشانس

کُنہٕ ساتہٕ یہ سیوٗد پان پٔژن ہوٗل تہٕ ذرا کر[۳]

۱،۲،۳۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفہ 228،243،266۔

قانون قدرت کے مطابق سکھ اور دُکھ دونوں کا آپسی رِشتہ ہے۔ ایک کے جانے پر دوسرے کا آنا یقینی ہوتا ہے اور آزاد کا بھی اس سچائی پر پورا یقین تھا۔ حقیقت میں دُکھ کی انتہا میں ہی سکھ کے بیج چھپے رہتے ہیں۔ غلامی کی اس خوفناک رات کا خاتمہ یقینی ہے اور آزادی کا سورج طلوع ہونے کو ہے۔ شاعر اس بشارت کو اپنے نوجواں طبقے تک پہچاتے ہیں اور انھیں قیامت برپا کرنے کے لئے حوصلہ دے رہے ہیں۔

قیامت وحدتک گنبزُک زمانہٕ　　نہَ روزن ٹھرِ نہٕ یم وہم وگمانہٕ
الن جنگل پھٹن سنگر ژٹن بال　　قیامت بن قیامت تُل جوانہٕ[۱]

چونکہ انقلاب کے بغیر استحصال کے گناونے چُنگل سے گلانہیں چھڑیا جا سکتا ہے بلکہ انقلاب کے بعد ہی مکر وفریب کے سبھی خول پھٹ جائینگے اور خوشحالی کا میٹھا سنگیت عوام کے دلوں میں بج اُٹھے گا۔ شاعر ان ہی تصورات کو عملانے کے لئے عوام کو جگاے رہے ہیں۔

سوزِ جگر مارِ جوش ساز دِلن ہٕندی وَزَن
درد نیَن پھیرِ ہوش پرِ فریبکی دَزن
پرِ ژٹان بڑونٹھ پکھ تڑاو قدم تُل حجاب
انقلاب ان انقلاب انقلاب ان انقلاب[۲]

شاعر کا کہنا ہے کہ راہ میں جو بھی رُکاوٹ پیدا ہو اُسے اُکھاڑ پھینک کر آگے بڑھنا ہوگا اور اپنے مقصد کو حاصل کرنا ہوگا یکجہتی اور جوش کے ساتھ اپنے

۱،۲۔ کُلیاتِ آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں وکشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفہ 215،164۔

حقوق پانے کے لیئے آگے بڑھتے چلو اور انکی حفاظت کیلیئے اپنی قربانی دینے سے مت ڈرو۔ آزاد اپنی زوردار آواز میں اعلان کر رہے ہیں کہ اگر تمہارے ساتھ نا انصافی ہو رہی ہے تو تم اُودھم مچاؤ۔

بڑونٹھ پکُن زِندگی ہیرِ ژُتھ دمبدم
شانِ خودائی تہِ یوٗد پرِ نبی برمہٕ غم
پھیر مہٕ پوٗت ٹُل قدم نیر ژُتھ یم حجاب
یِی چھُ وُنان انقلاب اُٹھی چھِ وُنان انقلاب[1]

اور

آب بُتراٗژ ہُند کھال اسمانس ناساز روزی یوٗ دسمسار
ناز کر پننس تازٕ دورانس پننس پانٕس معنے ژار[2]

مختصراً آزاد کی شاعری انقلابی روح سے بھرپور ہے۔ مظلوم اور مُفلس عوام کے لئے اُنکی شاعری انھیں منزل مقصود کی طرف راغب کر سکتی ہے۔

(4) مستقبل کا پیغام:

(i) قومی سطح پر:

مرحوم آزاد ''ہوپ سسٹینز لائف'' (Hope sustains life) کے اصول کے زیادہ قریب تھے اسلیئے وہ کبھی بھی غیر فعال اور دِل ہار کر اس سے

۱،۲۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفہ 155، 335۔

دور نہیں ہوئے۔ اپنی غربت وسائل کے فقدان سے بھرپور زندگی سے جوجھتے ہوئے انھوں نے کبھی نا اُمیدی ظاہر نہیں کی۔ جدوجہد کے بعد ہی محرومیوں کی بھرپائی کرنے میں زندگی کی اصلی مسرت چھُپی رہتی ہے۔ اِسی چیز کو شاعر نے اپنی شاعری میں اہمیت دی ہے۔ جفا کشی کے کامرانی نعرے سے اُنکی تخلیقوں کی جہتیں گونج اُٹھی ہیں۔ اُمیدوں پر تکیہ کرنے والے شاعر نے جس سنہری مستقبل کا تصور کیا ہے اس تک پہنچنے کیلئے انھوں نے لوگوں کو ہردم جدوجہد میں اپنے کو راغب کرنے کی تلقین کی ہے۔ اس کے لئے انکی رہنمائی کی کڑیاں کہیں بھی ڈھیلی نہیں پڑی ہیں۔ اُنکا پیغام ہمیشہ ایک فوجی کمانڈر کی طرح جوش اور ولولے سے بھرپور رہا ہے۔

ٹلوِ قدم بہادرو گرِو ہمیشہِ جستجو
جواں جواں دِلاورو تھٔوِ ووميد تہِ آرِزو
سُمتھ وطن وطن گرِو ترانہِ وطن پرِوا

آرزوں کی حصولی میں آزاد نے آرام کو کوئی جگہ نہیں دی ہے اور نہ ہی وقت ضائع کرنے کی چھوٹ دی ہے۔ روشن مستقبل کی جانب جس اُمید کو شاعر نے لوگوں کے دلوں میں جگایا اس میں کہیں بھی دوسروں پر تکیہ کرنے کا احساس نہیں ہو رہا ہے۔ یہاں تک کہ خالی خدا کے بھروسے زندہ رہنے کو وہ اہمیت نہیں دیتے تھے۔ بلکہ خوب جدوجہد کرنا کامیابی کا پہلا زینہ سمجھتے تھے۔

ا۔ کلیاتِ آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفحہ 38۔

وۄتھ پانہٕ پٔنن سنٛز کر بن پانہٕ پٔنن رہبر
اوتار تہٕ پیٛغمبر یِوان اَسی پتھ کالےا

آدمی کو اپنی ہی قوت اور اہلیت کے بل پر حال کی بدحالی سے جوجھتے ہوئے مستقبل کو سدھارنا ہوگا۔ جوانمردی کا آتش فشاں اندر سے پھوٹتے ہوئے آزاد کو احساس ہوا کہ اب اس ظلم وستم کو جڑ سے ختم کرنے کے لئے اوتاروں اور پیغمبروں کا انتظار نہیں کرنا ہے بلکہ لوگوں کو ملکر اس کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر لینی ہوگی۔ ہزاروں سرفروشوں کو پیدا کرکے تابناک مستقبل کی تعمیر کرنی ہوگی۔

چھُ قوۄرتھ خاص انساناہ ٹلان ساسن کرورن منٛز
ژٕ وۄتھ لاگ پانہٕ آدم گرہتو منٛزٕ ساس کر پٲدا۲

تشدد کی لگاتار مار سے عوام دب نہ جائے، اس لحاظ سے شاعر نے بڑی ہوشیاری سے کام لیا ہے۔ لوگوں میں کہیں بھی جوش اور ولولے کی آتش کو بجھنے نہیں دیا ہے۔ مظلوم سماج کی آرزوں کو محفوظ رکھتے ہوئے شاعر کہہ اُٹھے ہیں۔

چھِ کر وہراَژ ہِندی کیٚمی ہرِ روزان زِنٛدٕ وۄنی روزن
ژٕبتس پیٚیہٕ تن یِمن سرمایہٕ دارن تم نواب اَخر
رِوان دِل کیٛازِ مظلوٗمس نِوان ظاۂلم چھُ رُسوأیی
بنان مظلوٗمنے ہُنٛد آہ چھُ انصافٕچ کِتاب اَخر۳

۱،۲،۳۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں وکشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفحہ 237،239،270۔

اسی جذبے کی شدت ذیل کی مثال میں بھی صاف عیاں ہے۔

وطن دزاوٕ ژ روزتن دار کتھن تھاو گوش معنی ژار

وتن چانبن پھوٚلن گلزار کتھن تھاو گوش معنی ژار[1]

اِنسانیت کے علمبردار آزاد نے کشمیری قوم کو جس مستقبل کا پیغام دیا ہے اُس میں اِنسان اولین اہمیت کا حقدار ہو گا اور لوگوں میں خوشحالی کی لہر ہر طرف دوڑتی ہو گی۔

کرُن چھُم نوبہارا پأدٕ باغا تازٕ پھوٚلہٕ راوُن

گُلن ہنٛدی پأٹھی اِنسانن پھوٚلُن تتھ گُلشنس اندر[2]

ظالم اور مظلوم کا کوئی مسلہ ہی نہیں ہو گا اور ہر ایک کو اپنے حقوق حاصل ہونگے۔ چاروں طرف سُکھ اور شانتی کی کرنیں پھیلی ہونگی۔ لوگوں میں پیار، محبت، یکجہتی اور بھائی چارے کا جذبہ ہرطرف نمودار ہوگا۔ دولت کی جگہ اِنسانی صِفتوں کی پرستش ہوگی اور ظالموں و مکاروں کو سخت سے سخت سزائیں دی جائینگی۔ ایسے ہی قوم کی تصویر ذیل کی مثال میں دِکھائی دیتی ہے۔

بہٕ منگے نہٕ موہرٕ تہٕ سون، دِتم مگر عالماہ سُہ میٚہ ہاوتم

ییٚتہٕ مول چھُ دردٕ بھودُرن نہٕ سونس تہٕ لال جواہرن

ییٚتہٕ ظألمن تہٕ سِتمگرن ننہٕ وانہٕ سَر چھِ کران جُدا[3]

آزاد نے اشتمالیت کے انداز فکر کو اپنایا تھا، اسلئے وہ آنے والے دور میں قوم کی وہ صورت دیکھنا چاہتے تھے جہاں امیر اور غریب، اونچ نیچ کا کوئی طبقائی

[1,2,3]۔ کُلیاتِ آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفحہ 44، 272، 51۔

فرق نہ ہو۔ یکجہتی اور برابری کو انھوں نے زیادہ اہم بنایا۔ دیکھے کیسے اس بات کو عام لوگوں تک پہچانے کی سعی کر رہے ہیں۔

تتہِ آسن نہ یونہِ تہِ مالہِ گُفرو دینکو کینْہہ ملالہِ
نہ امیری نہ گدا گری یے روزی دماہ پاں ژاڈریے
تژیشہِ ہتن رِکیت چون صدا شاہ سُہ اُسۍتن اُسۍتن گدا
اُسۍتن مۆزۆر یاد فترۍیے، روزی دماہ پاں ژاڈریے[1]

(ii) بین الاقوامی سطح پر:

سائینسی نظریے سے آزاد کی تخلیقات کا مطالعہ کرنے کے بعد بے دریغ کہا جا سکتا ہے کہ اُنکے سامنے قومی اور بین الاقوامی کوبی مسئلہ نہیں رہا ہے۔ اگر مختصراً کہا جائے تو قوم سے آزاد کا مطلب پورے عالم اِنسان سے ہے۔ حقیقت میں اُنکا وسیع نظریہ کشمیر کی وادی اور بھارت کی سرحدوں تک ہی محدود نہیں رہ سکا ہے۔ قومی حدوں کو پار کر کے انھوں نے بین الاقوامی اُفق کو چھونے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ لیکن جہاں تک اُنکی قوم پرست شاعری کا سوال ہے اس میں آزاد نے زیادہ تر وادی کشمیر اور بھارت ورش کا ہی ذکر کیا ہے گرچہ اُنکا فِکری نظریہ سبھی سرحدوں سے پرے رہا۔ پھر بھی اُنکی شاعری میں بین الاقوامی تصویر بہت کم ملتی ہے۔ اِسکی اہم وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ انھیں بیرونی ممالک کی جانکاری بہت کم تھی اور بدلے میں وادی کشمیر اور دیش کی

۱۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفہ 57۔

درد ناک حالت زار اور لوگوں کی افرتفری دیکھتے ہوئے وہ انھی کے غم میں شامل ہوئے۔ جہاں شاعر نے اپنی تخلیقات قومی کنواس پر منعکس کی ہیں، وہاں اُنکا طرز فکر کہیں بھی بین الاقوامی سطح اور سوچ سے نہیں ہٹا ہے۔ اصل میں قومی زمین پر سفر کرتے کرتے وہ بین الاقوامی سرحدوں کو پار کر گئے ہیں۔

آزاد مانتے تھے کہ ساری کائنات ایک گلستان ہے اور لوگ اس گُلستان کے پھول ہیں۔ جسطرح مالی اپنے گلستان کے پھولوں کو یکسان طور پر چاہتا ہے، اُسی طرح شاعر بھی پورے عالم اِنسان کو برابری کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اُنھیں کوئی پرایا نہیں دِکھتا تھا۔

کُنی رِ کس باغس پھۆلم گل چھُس وُچھان لولُک بہار
کُس مَیہ دُشمن دوست وَنہٕ کس کُس پٔنن بیگانہٕ مٔیون!

لوگوں میں عالمی بھائی چارہ بڑھانے کے لئے انھوں نے با اثر کوشش کی۔ بین الاقوامی طور پر شاعر لوگوں کو محبت، یکجہتی اور برابری کی راہ دِکھاتے رہے۔ وہ مُلکوں کی الگ الگ سرحدوں سے ناخوش تھے اور اس الگاؤ سے ہی بیزار تھے۔

شکھ تہٕ یقین کُفر و دین چھُن خیال چأنی راے
ہند، عرب، روم، چین، چأنی قصہٕ چأنی نیاے!٢

عالمی بھائی چارے کی تبلیغ کرنے والے شاعر نے جب یہ سُنا کہ بیرون ملک میں اُسکے دیش والوں کے ساتھ وحشیانہ برتاؤ کیا جاتا ہے تو اُنکا دل زار زار رو

١،٢۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفہ 91،234۔

اُٹھا۔ باپو جی جیسی عظیم شخصیت کو ہندوستانی ہونے کے ناطے ظلم سہنے پڑے تھے، یہ خیال دل میں آتے ہی آزاد کے رونگٹھے کھڑے ہو جاتے تھے رنگ و نسل کے بھید بھاو کی وجہ سے ایک آدمی دوسرے آدمی کے خون کا پیاسا ہو جائے، یہ بات شاعر کی برداشت سے باہر تھی۔ اُنکے سامنے لوگوں کے بیچ فرق کی کوئی گنجائش نہیں تھی اور ایسا کرنے والے تنگ دِل لوگوں کی، آنکھیں کھولتے ہوئے کہہ اُٹھے۔

اِنسان وُچھم لول بَران شکلِہ تہٕ رنگس

انسانٔژ تیس نِشہِ عرب کیاہ تہٕ عجم کیاہ!

اس طرح آزاد نے بین الاقوامی سطح پر اپنا وسیع اور فراق دِلانہ نظریہ پیش کرکے انسانی سماج کو بیدار کیا ہے۔ اُنکا یہی نظریہ حال کی دردناک حالت زار سے نجات دِلانے اور ایک سنہری مستقبل کی تعمیر کیلئے پُر اثر اور طاقتور پیغام دیتا ہے۔ انسانی فلاح و بہبود کیلئے شاعر کا یہ پیغام غیر معمولی اہمیت کا نمونہ ہے۔

حصہ ہفتم

آزاد کی شاعری میں مناظر قدرت کی عکاسی:

لامحدود حُسن سے بھرپور قدرتی مناظر کا شاعری کے فن میں ایک اہم مقام رہا ہے۔ اپنی تخلیقوں کا حُسن و جمال بڑھانے میں شاعروں نے ہر وقت قدرت کے مناظر کا سہارا لیا ہے۔ اور اُسکی حسین اور خوفناک، دونوں صورتوں

ا۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفحہ 253۔

کی عکاسی کی ہے۔ اپنے جبلی حُسن کی وجہ سے قدرت نے قدیم زمانے سے شعرا کو اپنی طرف راغب کر رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شعرا خاص طور پر قدرتی مناظر کے بیچ رہ کر روحانی نشاط محسوس کرتے رہے ہیں۔ قدرت کی ہر شئے میں حُسن تلاشتے ہوئے شاعر کی اسکے لئے کشش بڑھتی گئی۔ اسی لئے انگریزی کے ایک عظیم شاعر ''لارڈ بائرن'' کو کہنا پڑا:

"I love not men the least but nature more."

قدرت کے لئے اپنی شفقت کو ظاہر کرنے کے لئے اصلیت میں نظم (Verse) کا ذریعہ ہی سب سے اہم اور کامیاب ذریعہ مانا جاسکتا ہے اور یہی اِنسان اور قدرت کے بیچ آپسی ہم آہنگی کا سرچشمہ ہے۔ ہر فرد کا نظریہ الگ ہونے کی وجہ سے اُسکا انداز فِکر بھی الگ ہوتا ہے۔ جو چیز ایک آدمی کو خوبصورت دِکھتی ہے وہی دوسرے کو بدصورت دِکھ سکتی ہے۔ حقیقت میں چیز ایک ہی ہے لیکن دیکھنے والی نظریں الگ ہیں۔ حُسنِ قدرت کے بارے میں بھی شاعروں کا یہی حال رہا ہے۔ انھوں نے مختلف ہیتوں میں اس حُسن کو اپنی تخلیقوں میں سجایا ہے۔ ماحول اور حالات کے مطابق اِسکی عکاسی بدلتی رہی اور شعرا نے اپنے من مُوافق اور آزادانہ طور پر انھیں اپنی نظموں میں نظمایا ہے۔

آزادؔ کی نظموں میں ہمیں قدرت کے حسین مناظر کی تصویر جگہ جگہ دیکھنے کو ملتی ہے۔ اُنکی شاعری میں قدرت (Nature) کا حقیقی اور وسیع بیان ہے۔ قدرت کے ساتھ خاص اُلفت رکھنے والے شاعر کی پوری زندگی جنگلوں اور پہاڑی علاقوں میں ہی گذری اس طرح آزادؔ قدرت کی قربت میں رہ کر

اُسکا مطالعہ کرتے رہے۔ اسطرح اُنکی نظموں میں ہمیں ہر جگہ قدرتی مناظر کے ہو بہو عکس دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ان کے تخیل کی اُڑان بالکل لامحدود ہے۔

سبزار فرشِ مخمل وتھرن شہلِ گلبن تل

مرگن نیَن تہٕ ڈارن وار بن وَنن مُبارک[۱]

جنگل میں چیڑ کا درخت بہت ہی عالی شان اور خوبصورت ہوتا ہے۔ اسکے بہت سے سگے سمبندھی ہیں۔ سارے فلک پر اتنے سگے سمبندھی اور کسی کے نہیں ہیں۔ ندیاں، جھرنے، سنگیت بجانے والے سازندر سبھی اُسکا آو بھگت کرتے ہیں۔ جنگل میں پیڑوں کے نیچے کی ساری زمین سبزاروں اور پھولوں سے سجی دھجی ہے۔

چانہٕ بڈٕ کرٕانچٕ ناماوٲری شمشاد سرو دیودٲری یے

نَیہِ منٛز بیٚیہٕ کس یژھ قبیلہٕ دٲری سگ دِتٕے کٔمۍ وٕنچٕ یٲری یے

آرٕ پانژادرٕ کولہٕ راد جٲری چھِی کران ناز بردٲری یے

سوزٕ وٲلی سازندر تہٕ سیتٲری سگ دِتٕے کٔمۍ وٕنچٕ یٲری یے[۲]

اور

پوشہٕ وَن پانٛس کران گلکٲری رنگہٕ رنگہٕ پوش ژٲری ژٲری یے

چانٛژہِ سائِس تل ہہتھ سائِرے سگ دِتٕے کٔمۍ وٕنچٕ یٲری یے[۳]

ندی کو دیکھ کر سورج چاند تارے سبھی للچاتے ہیں۔ وہ اسکی خوبصورتی پر گرویدہ ہوئے ہیں اور کسی بھی طرح اُسکی قربت میں رہنا چاہتے ہیں۔ لیکن

۱،۲،۳۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفہ 39، 70، 71۔

اتنی خوش قسمتی انکی کہاں؟ کبھی گاہے بے گاہے ایک آدھ بار وہ ندی کے پانی میں جھانک کر اپنا منہ دیکھ سکتے ہیں۔

چھِ کرٔیشان زٕون تارکھ آفتابہٕ تہٕ آسمان دُورے
وُچھان آینہٕ میانے مَنز پٔنن بُتھ گاہ بے گاہ ژُورے
سُہ تے تمہِ ساتہٕ ییلہِ وُچھنم سرن مَنز یا ڈلن اندر
یِوان چھُم زندگی ہُند سوز سفرن مَنزلن اندر۱

بہار کی آمد پر چاروں طرف لال رنگ گُلِ لالہ کھلے ہیں۔ زمین کا حُسن نِکھر اُٹھا ہے اور اِسے دیکھنے کیلیٔے آسمان بیقرار ہو اُٹھا ہے۔

بہارٕچ سورخرو و لشکر کران گتھ مارٕ کن اندر
گولابن جنڈٕ دِیُت خوشبو ہواون لٔہرٕ ناوُن ہیوٚت
ہلم بٔری بٔری چھکٔنی دُردانہٕ ہیٚتی اوٚبرن تہٕ بارانن
جہانن سأنی عالم آسمانک تنبہٕ لاوُن ہیوٚت۲

شاعر بہار کی آمد کا سواگت کرتے ہوئے پیڑ پودوں میں نئی زندگی دیکھ کر اور پرندوں کی چہچہاہٹ سُن کر دِلی سکون اور مسرت محسوس کرتے ہیں۔ قدرت کی ہر شئے میں نئی ہل چل دھوم دھام اور تراوت دِکھائی دے رہی ہے۔ روحوں کو تروتازہ کرنے والی پھولوں کی خوشبو سے کائنات سج دھج رہی ہے اور چاروں طرف مٹھاس بکھیر رہی ہے۔

۱،۲۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفحہ 75، 84۔

گُلن ہنٛدی کاروانن خمہٕ دِیُت باغن بیابانن
پٕنٛن دامانہٕ سبزاروتہٕ کٔڈی کٔڈی واش تھاوُن ہیوٚت
أدٕری وٕتھرٕنی کران گلزار مخمل سائبانن تل
اَتھن کبتھ پیالہٕ ہتھ پوشوٚ موٚدُر مَس بأ گراوُن ہیوٚت ۱؎

حُسنِ قدرت سے اپنی نظموں کو سجانے میں آزاد کو غیر معمولی کامیابی حاصل ہے۔ احساسات کو جگانے اور جوش سے بھرنے والی قدرت کی فطری قوت کا شاعر نے بڑی ذہانت سے استعمال کیا ہے۔ آرائشی شاعری میں وصل اور فراق کی دونوں صورتوں کو آراستہ کرنے میں انھوں نے کھُلے دِل سے اس قدرتی سرمائے کو لوٹا ہے۔ معشوقہ باغ میں جاکر پھولوں اور پرندوں کو وصل کی حالت میں دیکھ کر خود عاشق کے وصل کی طلبگار دِکھتی ہے۔

قُمر کستور جل بُلبُل تھربن پٹھ اَز چھوان بلگُل
گُلو تہٕ مسولو دِتی چاک دامنن گریبانن ۲؎

وصل کے جام لبریز سے مدہوش معشوقہ ہر سمت میں پھولوں کی خوشبودار رونق دیکھ کر کھِل اُٹھتی ہے اور اپنی سہیلی سے بہار کے اس پُرکشش منظر کے بارے میں کہتی ہے۔

آیہِ پھٔلی پوشہٕ وٕنہٕ پوشہِ وارے دزایہِ چھاوان لچھِ بٕزٕ أچھ دارے
جایہِ جایہِ پھیر مُشکٕنی دار ویسی یے نیری چھاونہِ گُل تہٕ گُلزار ویسی یے ۳؎

۱،۲،۳۔ کُلیاتِ آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں وکشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفہ 84،249،280۔

محبوب وصل کی تپش میں بیقرار ہو چکا ہے اور محبوبہ ہے کہ عارضی غرور کرتے ہوئے اس سے فاصلہ رکھتی ہے اور اُسکے ہر اشارے کو ٹالتی رہتی ہے۔ بیچارہ عاشق ہر لمحہ دیوانگی کی آگ میں جھلستے ہوئے بڑی عاجزی سے کہہ رہا ہے۔

کتھا بوز سوزِ دِل میٚون ژٕ مے راوٕ راولتیٚیے
یمبرزل چشمہٕ تھۄدٕتُل میٚہ مے ویٚہہ کھیاوُتیٚیے[1]

عاشق اپنی محبوبہ کو ہر وقت نئی سج دھج میں دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ اُسکے پیکر حُسن کو انکھوں کے جام میں بھر کر نوش کرنا چاہتا ہے اور قدرت بھی اِس میں اُسے بھر پور تعاوُن دیتی ہے۔

شاہ یندرازٕنی تازٕ پٔریے دِل چھُ تمبلاوان چون خُمار
چھےٚ ژٕ مَس چومُت شیشہِ بٔری بٔریے ساز کٔری کٔریے ہاوِ روخسار
اوٚ دٕرے وَتھرٕن شبنمن کوٚریے تراوان مخمل فرش سبزار
چمنوٚ تھاوی پیالہٕ بٔری بٔریے، ساز کٔری کٔریے ہاوِ روخسار[2]

معشوقہ نے اپنا باغیچہ قسم قسم کے پھولوں سے سجا کر رکھا ہے۔ ماحول کو عطر اور دیگر خوشبوؤں سے مہکانے کا سارا سامان میسر ہے اور وہ اپنے عاشق کو دعوت دے رہی ہے کہ وہ آکر اس گلستان کے حُسن کو کھُل کر لوٹ لے۔

باغ میٚون سُندٕ بون ساز کٔری کٔری کستوٗری نافہٕ ستیٚ گوڈ بٔری بٔری
لوٚہتیٚ سُنبل پھولہٕ وٕنی پوٚش پوٚشہٕ متہٕ لالو چھاو اچھ پوٚش[3]

۱،۲،۳۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفحہ 295، 13-212، 445۔

وصل کی صورت میں جہاں معشوقہ کو قدرت کی پر کشش ہنسی اور کھیل دِلی سکون عطا کر کے تروتازہ کرتے ہیں وہیں فرقت میں یہی نظارے اُسے ذہنی عذاب دیکر پریشان اور خوفزدہ کرتے ہیں۔ قدرت کے ان حسین نظاروں کو دیکھ کر اُسے اپنا درد وغم نا قابل برداشت ہو جاتا ہے۔

برجستہٕ پھٲلے اُجٕ دردہ گُلن از روشہِ ہُن جانانہٕ شۆبیا

روپوش ہِتھ یتھ پوشہِ ڈلس تاہراج کرُن ننہِ وانہٕ شۆبیا[1]

محبوب کے فراق نے اُسکی جسمانی نشونما کو بھی لاغر بنا دیا ہے، لگتا ہے کہ جیسے اس سے اُسکا حُسن و جمال ہی چھین لیا ہو۔ خوشی سے جومتے ہوئے چاو بھر رہی تھی کہ وہ اپنے شباب کی مدماتی گھڑیاں محبوب کی باہوں میں گذارے گی، لیکن ایسی خوش نصیب نہ بن سکی۔ سبھی اُمیدیں ادھوری ہی رہ گئیں اور جوانی ڈھلتی گئی۔

ٲسس چھوان بہارس یاوُن بہٕ ہاوٕ یارس

ٹوکہٕ سۄر لوکچارس گوم لولہٕ نارٕ چانے

یۆمبرو بچھس بہٕ مستور یمہٕ ٹٲرِ چھم کران رٕگیۆر

وٲنجہِ مَنز ٕ ژہتھ ویۆر تھاویۆم امارٕ چانے[2]

محبوبہ کو بہارِنو کے گلستان میں قدم رکھتے ہی مسرتوں کا احساس ہوتا ہے اور گُلوں کی خوشبو سے جیسے اُسکا بدن بھی کِھل اُٹھتا ہے۔ اِسی خوشی کے مارے وہ اپنے محبوب کو رنگ برنگے پھولوں کے دستے تحفے میں بھیجنا چاہتی ہے۔

۱،۲۔ کُلیاتِ آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفحہ 263،293۔

پھُلیٔاہ اُنجِز مولولہٕ بادٕمنے لالہٕ کوسمنے کرٕیو کڑاو

پوشہٕ گوٚنڈی سوزے ونتہٕ اتھِ کمہٕ نے لالہٕ کوسمنے کرٕیو کڑاو[۱]

اپنی نظموں کو خوبصورتی سے آراستہ کرنے کیلئے شاعر نے قدرت کے انمول خزانے سے بہت کچھ لیکر اپنی تخلیقوں کو دِلکش اور سدا بہار بنایا ہے۔ اپنی نظموں میں انھوں نے عاشق اور معشوقہٕ کی خوبصورتی کا تذکرہ کرتے ہوئے قدرت کے وسیع میدان سے بہت سارے استعارات، تشبیہات اور کنائے جُٹائے ہیں۔ عاشق کے لئے بومبُر اور معشوقہ کیلئے نرگس کا ایسا ہی تجربہ دیکھتے ہی بنتا ہے۔

بومبرو یمبرزل گرِی تھس ضایے دِل رتھ لوٚگتھم دیوانہٕ

کھسہٕ وُن لوکچار کوٚرتھم ہایے مایے چھسیو وَنہٕ وانہٕ[۲]

ایسا ہی ایک اور تجربہ پیش ہے جسمیں تشبیہ کے طور پر آفتاب اور برفیلی چٹان کا خوبصورتی کے ساتھ ذِکر ہے۔

وارٕ وارٕ شینہٕ مأنی گاٹجی تھس بو پیرٕ آرن تہٕ جوین وأجِ تھسیو

عار وِ انصاف چھے نہٕ اکتابولو یتہٕ لأ رگتھ شیرِ گولابولو[۳]

شاعر نے بہت ہی سنجیدگی اور مہارت کے ساتھ کائنات پر بشری جذبات کی مطابقت کی تصویریں پیش کی ہیں۔ کائنات کے مختلف پہلوؤں کو انھوں نے انسانی صورت میں اپنایا ہے۔ اُنکی تخلیقوں میں ہمیں یہاں وہاں اِنسانی احساسوں سے بھرپور صورتوں سے سامنا ہوتا ہے۔ اپنی وادی کی سرزمین کو

۱،۲،۳۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفحہ 379،347،429۔

ماں کی حیثیت دے کر کہہ رہے ہیں۔

اولاد بڈ شہس ہیوٗر وُچھمت چھ تیمی کو چھے مَنز

بوچھِ ستی مران وتن پیٹھ تہندے عیال آسیا[1]

وِتستا (جہلم) پیرپنچال کے دامن میں واقع ویری ناگ کے چشمے سے رواں ہو کر راستے میں اُسکے ساتھ چھوٹی چھوٹی ندیاں مل جاتی ہیں۔ شہر سرینگر آتے آتے وہ ایک بڑے دریا کی صورت لیتی ہے۔ اِسی وتستا کو شاعر نے کس خوبصورتی کے ساتھ لافانی زندگی عطا کی ہے اور کہا ہے۔

ویرناگچ ماری منزی پُریے	سوندری یے بوزی میأنی زار
یندرازٕنی مہا سوندریے	چون مالِیُن تل پاتال
ہیٚنٛدٕ ریٚنٛدٕ چأنی ناماوٗریے	سوندری یے بوزی میأنی زار[2]

برفانی چوٹی کی تشبیہ دیکھئے، شاعر یوں عکاسی کر رہے ہیں۔

تھزرن پیٹھ ہِہتھ چھکھ مہارأنی گُنبرُک ساز وایأنٕی یے

لولِہ منٛز سٔدرُک سوز للہٕ وأنی، شینہٕ مأنی شِلہٕ پدمأنی یے[3]

بادلوں کے اندر سے کڑھکتی بجلی کی تشبیہ دیکھنے کے قابل ہے۔ اُسے حور جیسی ایک پرشباب حسینہ کی صورت عطا کر کے ہمیں آزاد کی ذہانت اور غیر معمولی صلاحیت کا احساس ہوتا ہے۔

نوان کمہٕ ژھالہٕ چھکھ پدمأنی	پری زن چھکھ وُڑان اسمأنی
شُبان کیٛاہ چھے زری پأراو	کران چھکھ وُزٕ مٔلی یے واو[4]

۱،۲،۳،۴۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفحہ 31،65،59،43۔

آزاد نے اپنی تخلیقوں میں کہیں کہیں قدرت کو ناصح کے طور پر بھی نظم کیا ہے۔ لیکن قدرت کے اس ناصح کردار پر ان کا قلم زیادہ دیر تک ٹِک نہیں سکا۔ اسطرح کچھ ہی جگہوں پر ہمیں ایسی مصوری دیکھنے کو مِلتی ہے۔ اس ضمن میں شاعر کی 'دریا' نام کی بہت مشہور اور قابل ستائش نظم میں قدرت کے ناصح کردار کی عکاسی یوں مِلتی ہے۔

مہ وُچھ لہٕرن ہنٛدٕ بن قہٕرن تنازن لایہِ لاین گُن
گنٛبر آسِتھ کونہٕ میٛون وُچھ مہ وُچھ جھگڑن تہٕ نیاین گُن[1]

لوگوں کی پریشانی کو محسوس کرانے اور احساس غیر کو جگانے کی کوشش بڑے ہی حوصلے کے ساتھ یوں کی ہے۔

پٔنُن پان آیتن چھُم تھوومُت سارِس جہانس رٔیِت
پٔنُن زُو پیشکش تھووُم زمینس تہٕ زمانس رٔیِت[2]

درد اور بے چینی کے احساس کے ساتھ ساتھ استحکام اور جوانمردی کے جذبے کو جگانے کیلئے آزاد نے مسلسل کوشش کی ہے۔ اُنکے مُطابق نزاکت یا نرمی ہی آدمی کیلئے کافی نہیں ہے، بلکہ اُسکا سخت گیر ہونا بھی اشد ضروری ہے۔ اس لئے شاعر دریا کی زبانی کہلواتے ہیں۔

ڈران ییٛتہِ قہرِ میانے لہرِ مارن وقتہٕ بٔڈۍ وَلہ ویر
تتے پوشے تھرٕ بن چھُس روشہ چاوان دایہِ ہنٛدی پاٹھی شیر[3]

۱،۲،۳۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں وکشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفحہ 76، 78، 81۔

موت کے بعد اِنسان کو جنت نصیب ہوتی ہے یا جہنم ، جینے اور مرنے کی ان الجھنوں سے شاعر نے انسان کو آزادی دِلانے کی بھرپور کوشش کی ہے اور انکے مطابق یہ سب باتیں بے معنی ہیں۔

یِنگ گرِ ژھنُگ زینگ مرنُگ نہ چھُم پرواہ نہٕ چھُم کانٛہہ غم
نہٕ چھُس حأران واتن کم ، نہٕ چھُم پھیران گے کم سٕے ا

ایسا لگتا ہے کہ آزاد کی شاعری میں فطرت کی مصوری بالکل فطری ہے جس سے اسکے دِلکش حُسن میں چار چاند لگے ہیں۔ اُنکی غزلیں اور نظمیں گلوں کی مہک و بونروں کی گنجن اور پرندوں کی چہچہاہٹ سے گونج اُٹھی ہے۔ اسطرح آزاد کی تخلیقوں میں مناظر قدرت کی جو عکاسی ہوئی ہے اُس میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ انھوں نے مختلف کوششوں کو بڑی کامیابی کے ساتھ بروے کار لاکر اپنی ذہانت اور عِلمیت کا ثبوت دیا ہے۔

آزاد کی شاعری میں کچھ مزید موضوع اور احساسات پر تذکرہ:

آزاد کی شاعری میں ہمیں کئی جگہوں پر کچھ اور نئے موضوعات اور احساسات سے سامنا ہوتا ہے جنکا ذکر اب مختصر طور پر پیش کرینگے۔ آزاد نے مختلف موضوعات کا ذکر کر کے انکے بارے میں اپنے نظریے کو بے باک

ا۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفہ 79۔

طریقے پر پیش کیا ہے اور اپنے حقوق کا استعمال پوری اِستقامت سے کیا ہے۔ اپنی ایک مشہور نظم 'عقل اور عشق' میں انھوں نے ڈرامائی صورت میں عقل اور عشق کی وضاحت کی ہے۔ دونوں اپنی گفتگو میں ایک دوسرے پر فاتح ہونا چاہتے ہیں۔ کبھی عقل فاتح ہو کر عشق کو حقیر سمجھتی ہے تو کبھی عشق فاتح ہو کر عقل کو حقیر سمجھنے لگتا ہے۔ آپسی حملوں سے دونوں اپنے اظہار رائے کو مستحکم کرنے کی تگ و دو میں نظر آتے ہیں۔ حقیقت میں اس جوابی حملے کے پیچھے شاعر کے اس احساس کی ایک خوبصورت تشریح دیکھنے کو ملتی ہے۔ عقل عشق پر اپنا زور دار حملہ کرتے ہوئے کہتی ہے:

عقل چھِ بیدارٕ ریا، عقل چھِ ہُشیارٕ ریا
عُشق چھُ بیمارٕ ریا، یتھ نٕہ علاجس تہٕ وارا[۱]

عشق اپنی رُسوائی کو برداشت کرنے کی قوت کہاں سے لاتا؟ اسلئے جواباً عقل پر وار کرتے ہوئے کہہ اُٹھتا ہے۔

عشق سراپا یقین عشق نٕہ مذہب تہٕ دین
عقلِ دوٗیکھ گُرتہٕ زین لولہِ جنون شاہسوار[۲]

عقل پھر سے اپنی فتح کی علم پھہراتے ہوئے چوٹ کرتی ہے۔

عقل کران زِنٛدٕ دین ژوٗر چھِ کران دوٗر یقین
لول، محبت، زمین، عقلہِ دوٗیکھ کا شِکار[۳]

۱،۲،۳۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفحہ 101، 102، 102۔

'جوانی اور بڑھاپا' کے عنوان سے لکھی گئی نظم میں شاعر نے زندگی کے دوپہر اور شام کے واقع کی تشریح کی ہے۔ جوانی اور بڑھاپے کو مختلف تشبیہوں کے ذریعے اپنے سنجیدہ غور وفکر اور علم کا مظاہرہ کیا ہے۔ کہیں جوانی کو موسم گرما کی تپش کہا ہے تو کہیں باد بہار۔ کہیں جوانی کو پھولوں سے بھرپور درختوں اور کہیں پھولوں کے متوالے انسان سے تشبیہ دی ہے۔ اسی طرح بڑھاپے کے لئے موزون تشبیہات استعمال میں لائے ہیں۔ کہیں موسم سرما کی ٹھنڈ تو کہیں سنگیت کے ٹوٹے ہوئے تاروں کی بے سُری آواز کے ساتھ بڑھاپے کا موازنہ کیا ہے۔ اپنی اس تخلیق کے ذریع آزاد نے زندگی کی اِن دونوں صورتوں کا نفسیاتی تجزیہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس ضمن میں ذیل کی مثال قابل دید ہے۔

چھُ یاوُن نار لولُک سوز درِدُک جوش امارُک
بُجر سوراہ چھُ تمہِ نارُک تمِن شعلن ینگارن ہُنْد

چھُ یاوُن زندگی ہُنْد باغ چھاوُن عاشقن رِندن
بُجر کیاہ بُستیِو نِشہِ دوُر غاراہ دپن دارن ہُنْد

چھُ یاوُن تازٕ خوناہ زِندگی ہٕڑن رگن اندر
بُجر أندرُ دوُدُر تقدیر والبن اہلکارن ہُنْد

چھُ سوٗدرُک آوُلن یاوُن پوٚتُس پتھ گتھ کران پانس
بُجر گرداہ غباراہ ہوٚکھیٔمتبن نالن تہٕ آرن ہُنْد[1]

۱۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں وکشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفحہ 183۔

خدا کے بارے میں آزاد کا نظریہ اُلجھنوں میں پھنسا ہُوا دِکھائی پڑتا ہے۔ شری مکھن لال محو کے الفاظ میں ''جہاں دِل کی گہرائیوں میں وہ اس وجود کو ماننے کیلئے تیار نہیں تھے وہیں انھوں نے ایک آدھ جگہ پر اِسے قبول بھی کیا ہے۔ لیکن اس اُلجھن کو دور کرنے کیلئے غیر جانبدارنہ طور پر کہہ سکتے ہیں کہ آزاد نے خدا اور مذہب کی حقیقت کو قبول نہیں کیا ہے۔ اُنکے سامنے نہ خدا کوئی قوت تھی اور نہ مذہب کوئی بندِش۔ اگر انھوں نے خدا کی بارگاہ میں کہیں سر ہلایا بھی ہے تو وہ سماجی دباؤ کی وجہ سے ہی ہوا ہے۔ اُنھیں کئی بار سماج اور مذہب کے ٹھیکیداروں کی خفگی کا شِکار بھی ہونا پڑا۔''[۱] ان حالات میں اگرچہ انھوں نے اپنی خواہشوں کو دبایا بھی ہے تو وہ اُنکے نظریے کو سمجھنے کیلئے کوئی مظبوط بنیاد نہیں بن سکتی ہے۔ ایسی کوئی بھی کوشش بے بنیاد اور غیر حقیقی ہی ثابت ہوگئی۔ اس بارے میں شاعر کے خیالات کیا تھے؟ مرحوم پریم ناتھ بزاز یوں لکھتے ہیں:

"Azad has put his views about religion in the mouth of satan. It is a challange and frank denial of conception of God. I bow only blind people believed in your existance."2

'خوداہ' نام کی اپنی تخلیق میں آزاد اپنے نظریے کو یوں عیاں کرتے ہیں۔

ساد مضموٗ ناچھِ یتھ ساری پران　　زیادِ یُس پرِ لس نہٕ زانہہ فِکرے تران

زانہٕ نے آسُن تُسند زانُن پٕوان　　گاٹہٕ جارچہِ اُچھِ وُٹھ مانُن پٕوان[۳]

۱۔ سرینگر میں 18 ماہ فروری 1968ء کے دن شری مکھن لال محو کے ساتھ بات چیت کے دوران۔

2. Histroy of struggle for freedom in Kashmir, by Late P.N. Bazaz, Edition 2003, P.No. 298.

۳۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں وکشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفہ 207۔

مذہب کے ہی موضوع پر آزاد نے کئی نظمیں لکھی ہیں اور ہر جگہ اِسے آڑے ہاتھوں لیا ہے۔ مذہب کے ہر بندھن کو وہم و گماں مان کر اِسکی طرف کبھی راغب نہیں ہوئے۔ اِسی احساس کو ذیل کے شعر میں دیکھئے:

جنت جہنم یم روبہٕ دابہٕ بُتخانہ کعبہ دفتر کتابہ
خاباہ خیالاہ وہما گُماناہ۱ میٲنہِ خیالہِ میٲنہِ حسابہٕ

مذہبی خول ان ہی لوگوں کو ڈھک سکتا ہے جو لاعلمی کی تاریکی میں مُبتلا ہوں۔ جنکی دماغی وسعت کم ہو اور وہی مذہب کی پناہ لینے پر مجبور ہیں۔

اِنکار کُم سُند دِینس تہٕ دھرمَس
کمزور چشمہ چھِ محتاج سورمَس۲

قسمت کے موضوع پر بھی آزاد نے اپنا زور قلم آزمایا ہے۔ انھوں نے کہیں بھی قسمت کے سہارے جینے کی ترغیب نہیں دی ہے۔ اُنکے مطابق لفظ قسمت ہی غلط ہے اور اسے اپنے ذہن سے مٹا دینا چاہئے۔ انسان سے مخاطب ہو کر شاعر زوردار الفاظ میں کہہ رہے ہیں۔

چھُکھ بنیومُت کیاز تقدٖرُک شِکار
ووتھ پٔنٕ تقدیر پانے کر تیار۳

قسمت کے بھروسے جینے والے کتنے ہی شیر جال میں پھنس گئے۔ کتنے ہی طاقتور جواں مرد ہار کر بیٹھے۔ اصل میں۔ یہ اِنسان کی بُزدلی ہی ہے کہ قسمت کے تابع ہو کر بیٹھتا ہے۔ ایسے لوگوں کو خبردار کرنے کی غرض سے آزاد کہہ اُٹھے۔

۱،۲،۳۔ کُلیاتِ آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفحہ 139، 147، 195۔

نصیبس چھُکھ ودان نادانہٕ لاگان ہانژھ تقدیرس
یہِ جنت تےَ جہنم چھےٚ ژےٚیےٚ پنہٕ نبن کارنےٚ ہُنٛد پھلا[۱]

آزاد نے خاندانی حدود کی بھی کافی مذمت کی ہے۔ 'خاندان' عنوان سے لکھی نظم میں انھوں نے لکھا ہے کہ اعلیٰ خاندانی لوگ دوسروں کے ساتھ بُرا برتاؤ کرنے میں ذرا بھی نہیں شرماتے۔ اونچے خاندان میں پیدا ہو کر یہ لوگ اپنا کام کاج اوروں سے کروانا اپنا پیدائشی حق سمجھتے ہیں۔ لیکن انسانیت کے محافظ آزاد جیسے شاعر کا قلم ایسے لوگوں پر وار کرنے اور سیدھے سادھے لوگوں کو بیدار کئے بغیر کیسے رہ سکتا، یہاں تک کہ اِنسانیت اور انصاف کے ان قاتلوں کو جانور کہنے میں بھی گُریز نہیں کیا۔

بُڈِ بَبن ہُنٛد دین مالین ہُنٛد یقین
قاطرن وۄنٛٹن، گُربن لاکم تہِ زین
اُچھ وُٹھتھ بڑوٚنہہ کُن پکان یُس نوجوان
بڑوشمٕنن تیربن پتہٕ تیوراہ دوان[۲]

آزاد کی سوچ میں جب اِنسان کو صحیح علم حاصل ہو تو وہ خود ان بے سود خاندانی پردوں کو تار تار کر کے چھوڑ دیگا۔ یہ سبھی ڈھکوسلے ترقی کی راہ پر روڑے اٹکانے والے اسباب ہیں۔ وسیع اور بے داغ نظریے سے خاندان کا سائنسی تجزیہ کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں۔

۱،۲۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفحہ 341،198۔

خانداں اِنسانہٕ ہنٛز اِنسانیت

پٕز یقین پٕز دین پٕزٕ روحانیت[۱]

چونکہ آزاد کی پوری زندگی غربت میں گذری، اسلئے انھوں نے اس تلخ موضوع کا اپنے قلم سے بھرپور تجزیہ کیا ہے۔ غریبی کے سائے میں رہنے کی وجہ سے آزاد نے اس کی وہ عکاسی کی ہے جو حقیقی ہے اور دلوں کو ایک دم چھو لیتی ہے۔

اَمہِ نارٕ دزُن زانہِ تسٔند پان یُسےٚ دوٚد

چھِ وارٕ آتشخانہ گرٛیکہٕ وِنٕ کرٛاے غریبی

نِوان کوٹھبن ہوش تہٕ چشمن نَہ تھوان گاش

گاشس چھِ کران گٹہٕ تاپس ژھائے غریبی[۲]

غلامی کی زندگی کے ساتھ آزاد نے کبھی بھی مفاہمت کرنے کی ترغیب نہیں دی۔ بلکہ غلامی کی ان بیڑیوں کو توڑنے کیلئے لوگوں میں نئی جان پھونکنے کیلئے ہر ممکن طریقے سے کوشاں رہے۔ انھیں پورا یقین تھا کہ ایک دن اس غلامی کا خاتمہ ضرور ہوگا اور یہی بات انھوں نے بڑے وثوق کے ساتھ یوں کہی ہے۔

ولیکن چھُ ییٚلہِ وقت واتان برابر پٔنٛز ناو پانے ڈباوان غولامی

کُنبر تےٚ یقین پاٗدٕ سپنتھ غولامن بڈبن منزلن واتناوان غولامی

غولامی چھِ پنہٕ نےٚ نَہ زانُن نَہ واتُن ژٕ ناحق چھُھن منڈٕ چھاوان غولامی[۳]

۱،۲،۳۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفحہ 198، 220، 269۔

'گرٖیسی نامہٕ' عنوان سے لکھی ایک نظم میں آزاد نے سیدھے سادھے کسان کی جدوجہد بھری زندگی کی حقیقی تصویر پیش کی ہے۔ محرومیوں بھری زندگی جیتے ہوئے کسان کے اندر قوتِ برداشت اور سادگی کی تصویر شاعر نے بڑی صفائی اور خوبصورتی سے پیش کی ہے۔

وَنےٚ کوتاہ تھوٚکھ کیٛاہ یاد بوزکھ ءکتھ افسانےٕ
پٮ۪نٛزٕ مُشکِل کہاوٗنی یاد سرتاپا زباوٗنٛزٕ چھم
گٔمتٕ سوراخ سپٔنس چھم تہٕ نیٚبہٕ ہٕنٛدرٕ پاٗٹھی نالان چھُس
نہٕ چھُس نوزُکھ طبیعت نےٚ تگان نوزُکھ بیاوٗنی چھم[1]

جہاں آزاد نے کسان کے کردار میں سادگی کو ناداری کی بُنیاد قرار دِیا ہے۔ وہاں اُسمیں خود اعتمادی اور عظمت کی آمیزش بھی کی ہے۔

فقیری ناتواوٗنی مٔنٛز غریبی کم زباوٗنی مٔنٛز
ویٚپان کتہٕ کاوٗنسہٕ ہٕنٛز زورآوری یا پہلواوٗنی چھم[2]

1940ء میں کشمیر میں تعلیم بالغان کی ایک تحریک چلائی گئی اور بالغوں کی تعلیم پر توجہ دی جانے لگی۔ مہجور کے اصرار پر آزاد نے اس ضمن میں ایک نظم 'ووتھ عٔلِم پرٕ' کے عنوان سے لکھی[3]۔ اِسمیں انھوں نے بالغوں کو تعلیم کی طرف راغب کرنے کی کامیاب کوشش کی۔ ناخواندہ اور لاعلم لوگوں کو علم کے نور سے مُنور کرنے کیلئے علم کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

۱،۲۔ کلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفہ 191،191۔

۳۔ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو کے ساتھ اُنکے دولت خانہ پر 2 مارچ 1968ء کی سیدھی مُلاقات سے معلوم ہوا۔

علمہٕ کِس گنجس زوالُک چھُے نہٕ ڈر یِوٚت خرچاو کھ تہٕ تیِوٚت سَپدِ بس ہُر بر

جلوٕ علمہٕ کہِ آفتابس کاس گژون دوٗر تامتھ واتہٕ اِد نورانہٕ چون

علمہٕ کِس باغس دوہے آسان بہار علمہٕ کِنہٕ پوشن اندر چھِنہٕ کنٛڈۍ تہٕ خارا[1]

آزاد نے ایک نظم 'بٹہٕ کوٗرۍ' نام سے بھی تخلیق کی ہے جسمیں ہندو لڑکی کے اعلیٰ اور تابناک اخلاق پر موزوں روشنی ڈالی ہے۔ سُپردگی اور ایثار اُنکے اخلاق کی ایک اہم خاصیت ہے۔ سادہ فطرت اور حیا کے زیوروں سے وہ آراستہ رہتی ہے۔

دَرم پھولرووتھن شرٕم گرۍ گرۍ یے بٹہٕ کوٗرۍ مأرۍ منٛز سوندرۍ یے

نرمی بخشنےٚ پرمیشور یے بٹہٕ کوٗرۍ مأرۍ منٛز سوندرۍ یے[2]

آزاد نے مستورات کی خوبصورتی کیلئے زیور اور آرائش کو خاص اہمیت نہیں دی ہے۔ اُنکا ماننا تھا کہ باہری ساز و سامان کے بغیر بھی عورت خوبصورت ہو سکتی ہے۔ اُسکا اصلی حُسن ہمیشہ اُسکے اندر موجود رہتا ہے۔ اسطرح وہ باہری ساز سجاوٹ کو حقیر مانتے تھے۔

گوڈٕ گرۍ مژھ بند بِیہٕ ڈیجہٕ ہٕرۍ یے اطلاس کِیم خاب زٕرۍ یے

ناپأیداری تہٕ بأزۍ گرۍ یے بٹہٕ کوٗرۍ مأرۍ منٛز سوندرۍ یے[3]

شاعر نے ''پہلی کوٗرۍ'' نام سے بھی ایک نظم لکھی ہے۔ قدرت کی وسیع خوبصورتی میں پلنے والی ایک سیدھی سادی لڑکی کا حُسن بھی لاجواب ہے۔ شہر کے شور

۱،۲،۳۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفہ 317,319190۔

شرابے کی زندگی سے دور وہ جنگلوں کی نہایت دِلکش گود میں ہی زندگی کا دُلار پا رہی ہے۔ زمانے کے نقلی برتاؤ کو دیکھ کر اُسکے دِل میں اُکتاہٹ آ چکی ہے اور اب وہ دور کے جنگلوں اور کوہساروں میں گومتی ہے جیسے کشمکش کی اس زندگی سے ہار چُکی ہو۔

دود کیاہ گُدریوے ییمہِ سمسأری　　　پتھ وَن بیٹھکی ہأری ہأری یے

جود ما کوٚرنے کأنسہِ جودگأری　　　پہلی کوٚری لولہِ وَن ہأری یے[1]

جوانی کے نشے میں بھرپور متوالی گڈھرے کی بیٹی کا حُسن دیکھتے ہی بنتا ہے۔ ساز و سنگار کے سامان کے بغیر وہ چاند سی دِکھتی ہے۔ دیکھنے والا خود ہی کھو جاتا ہے کہ کہیں وہ کسی خواب گاہ میں تو نہیں گھوم رہا ہے۔ قدرت نے اپنے بیش قیمت حُسن کی دولت اُسکے دامن میں فراخدالی سے بھر دی ہے اور اپنی قدرت کا ایک کرشمہ دِکھایا ہے۔

کارِ پٹہٕ یأری تے ییہِ دیودأری　　　چھِی ژٕرے نرِ آلوان سأری یے

پوشہِ وُن چھِی کران پیالہِ بردأری　　　پہلی کوٚری لولہِ وَن ہأری یے

صورتس چأنس معنہ ژأری ژأری　　　دِل میوٚن بیوٚٹھ ہأری ہأری یے

پتھِ پأٹھی ہأرِتھ چھہِ بیہان زأری　　　پہلی کوٚری لولہِ وَن ہأری یے[2]

گاندھی جی پر آزاد نے اپنے قلم کا زور آزمایا ہے اور باپو کی عدم تشدد کی پالیسی کو بہت کمزور بتایا ہے۔ بیرونی حکمرانوں کے خلاف بمبئی میں مِل مزدوروں نے جو ہڑتال کی اُسکا باپو نے نہ ساتھ دیا اور نہ حمایت کی۔ شاعر کو

۱،۲۔ کُلیاتِ آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفحہ 320،322۔

انکا یہ رویہ اطمینان بخش نہیں لگا اور تبھی کہنا پڑا:

غنیمت کوٚنہٕ چھُکھ بوزان ہا دیوانہٕ پنہٕ نُے سوز

بنان لولس چھُ شورٕ تہٕ گولہٕ ظاٗلم گاٹہٕ جارس منٛز[1]

شاعر کے مطابق عوام کی آواز دب نہیں سکتی۔ وہ کبھی نہ کبھی اپنا رنگ لاکر ہی رہتی ہے۔ یہی بات وہ باپو جی سے بھی کہنا چاہتے ہیں:

فریَبو ءستۍ چھا روزان دردُک سوز پردن تل

سۍتن سئدرَن ترِتھ بارَو دِتن شورس تہٕ نارس منٛز[2]

آزاد سبھاش چندر بوس کے خاص طور پر مداح تھے۔ بوس کی بہادری اور قوت شجاعت کے وہ بڑی آسانی سے فریفتہ ہوئے اور مرید بھی ہو گئے تھے۔ بوس جیسے بہادُر سپوتوں کے ذریعے ہی ملک کا فلاح ہوسکتا ہے، اسمیں شاعر کو کافی بھروسہ ہے۔ لیکن بوس کے اس انداز فکر سے کہ جاپانیوں کی مدد سے ملک کو آزاد کیا جا سکتا ہے، آزاد اُنکے اس خیال سے اتفاق نہیں رکھتے تھے۔ آزاد نے جاپانیوں کو کبھی اپنا خیر اندیش نہیں مانا۔ ملک کی فلاح و بہبود کیلئے بوس کی رہنمائی کرتے ہوئے آزاد کہہ رہے ہیں:

بے دردس لول موبأ گرتمن ہُند قول خاٗرس شر

سَرُف لاٗگتھ اژن بہتر یمن ڈٕترنے گنن اندر[3]

چوری چھپے حملہ کرنے میں کوئی بہادری نہیں ہے۔ دشمن پر آمنے سامنے وار کرنا ہی دلیروں کا قول ہے۔ شاعر کے مطابق بوس کو آزادی کیلئے ترک وطن نہیں

۱،۲،۳۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفحہ 113،115،115۔

کرنا چاہئے تھا کیونکہ اس سے انکے مقصد سے دوری اور بڑھ گئی۔ اُنکی اپنی اہمیت بھی بیروں ملک میں کم ہوگئی۔ اصلیت میں ہر چیز کی اہمیت اپنی جگہ پر ہی ہوتی ہے۔ اس حقیقت کو آزاد نے بڑی صناعی کے ساتھ پیش کیا ہے:

چھُ توشان پوشہٕ موّت بُلبُل تہٕ بولان گُلشنن اندر

دلاور شیر نر شوٗبن نین اندر وَنَن اندر[1]

ذی ہوش اور ترقی پسند کلاکار آزاد کو اپنی زندہ گانی میں ہی ملک کی بڑھتی ہوئی آبادی کا خوفناک مسئلہ پریشان کن لگا تھا۔ لگاتار بڑھتی ہوئی آبادی کا ایک غریب اور پچھڑے ملک پر کیا اثر پڑ سکتا ہے، یہ بات آزاد سے چھپی نہیں تھی۔ ملک کی آزادی کے بعد انکا دھیان اس مسئلے کی طرف بھی مرکوز ہوا تھا اور اپنی قوت قلم سے مسئلے کو سلجھانے کا قابل تعریف قدم بھی اُٹھایا تھا۔ لیکن بد قسمتی سے آزادی کے حصول کے چندماہ بعد ہی انکی زندگی کا سفر انجام کو پہنچا اور اس میدان میں ہم انکے اشتراک سے محروم ہوئے جسکی اُن سے اُمید کی جا سکتی تھی۔ بے خبر اور لاعلم عوام پر نوکیلے طنز کستے ہوئے شاعر انھیں جگانے کی کوشش کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں۔

بُنتھ یَس آو سُے زانان چھُ اولاد دود کیاہ طوفان

فِدا ژٕنے پتھ بہٕ کرٕ ہا پان شیٚہ سَتھ شُری چھِم گرے بومبرو[2]

ایک اور جگہ پر آزاد نے سیاسی، سماجی اور مذہبی غیر مساوات پر دِل کی گہرائیوں تک چوٹ کرنے والا طنز اس طرح کسا ہے:

1،2۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفہ 113، 274۔

جو ہیچھ میانہٖ موکھہٖ قونۄن خوجۆ زول چایہٖ کھوتن نۄن
جس گرٛھ گرٛھی تہٖ میۆنٔے خۄن کران گتھ تتھ لرے بومبرو[۱]

آزاد کی تخلیقوں میں مختلف موضوعوں اور احساسوں کا مختصر تذکرہ کرنے کے بعد ہم اعتماد کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ کشمیری شاعری کی تاریخ میں انکا نام سُنہرے الفاظ میں لکھا جانا چاہئے کیونکہ کشمیری شاعروں کی رہنمائی میں وہ ایک روشن قندیل ہیں۔

حصہ ہشتم

آزاد کا فنِ کلام:

آزاد کی تخلیقی فنکاری:

کشمیری ادب میں آزاد کی آمد ایک غیر معمولی واقعہ ہے۔ ادب کے میدان میں انکی قدم آوری اُس وقت ہوئی جبکہ ادیب کشمیری زبان کے بارے میں اُداسی اختیار کرنے لگے تھے۔ ادبی خدمات کے مقدس کام کیلئے انھیں اپنی مادری زبان کمزور اور ادنےٰ نظر آتی تھی۔ لیکن یہ ایک بہانہ ہی تھا کیونکہ اس سے پہلے بھی کشمیری زبان میں ممتاز اور اہم ادبی خدمات انجام دی گئی ہیں۔ حقیقت اصل میں یہ ہے کہ اُس وقت ادیبوں کو اردو فارسی وغیرہ زبانوں کی طرف زیادہ رغبت تھی اور نتیجے کے طور پر اِن ہی زبانوں میں اپنی تخلیقات کو جنم دیا۔ فارسی زبان کا تو زیادہ ہی بول بالا رہا۔ ایسے حالات میں جبکہ کشمیری

۱۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفحہ 274۔

زبان کسمپرسی کی حالت میں اپنی ٹوٹنے والی امیدوں کا سہارا لئے ہوئے تھی، آزاد جیسے جاہ و جلال والے شاعر کا آنا مطلوب ہی نہیں بلکہ اشد ضروری تھا۔ ایک طرف جہاں آزاد مادری زبان کے اس رسیلے سوتے کو مسلسل روانی دینے لگے وہیں دوسری طرف مہجور بھی اس بہاؤ کو تیزی دیتے رہے۔ بیسویں صدی کے شروعاتی برسوں میں دونوں شاعروں نے کشمیری ادب کو خاص طور پر اپنی بیش قیمتی خدمات پیش کیں۔

شاعری کے اثاثہ اور فن دونوں میں آزاد نے انقلابی تبدیلی لائی ۔ اگرچہ انھوں نے شروعاتی دور میں اپنے ہم عصر شاعر مہجور کے نقش قدم پر چلتے ہوئے عاشقانہ اور آرائشی تخلیقات کو ہی اہمیت دی لیکن یہ رُجحان زیادہ دیر کیلئے ان کے اندر نہیں رہا۔ انھوں نے بیک وقت اس جانب سے منہ موڑ کر فلاح عام اور عوامی بیداری کو اپنا مقصد بنانے کا اعلان کر دیا۔

مرحوم پرتھوی ناتھ کول بامزی کے الفاظ میں:۔

"His early compositions are tipical of those produced by Mahjur. But as he gained maturaty he enuniciated ways and means of attaining freedom from want and misery. Mahjur was a Nationalist but Azad longed for a socialistic pattern of society, for a new era of equality. The one looked to the past, the other to the future."1

اسطرح فنکاری کے میدان میں جہاں ابھی تک نازک ترین لفاظیت سے ہی نظم خوانی ہوا کرتی تھی وہاں اب آزاد نے سخت اور زوردار الفاظ کو تخلیقوں

1. History of freedom in Kashmir. By P.N. Koul Bamzai, Page 839.

میں جگہ دی۔ پروفیسر رحمان راہی صاحب کے مطابق زبان کی یہ کرخت کشمیری نظم کو آزاد کی ہی دین ہے۔ اس سے قبل کسی شاعر نے اپنی تخلیقوں میں ایسا تجربہ کرنے کی جرائت نہیں کی۔[1] آزاد کی تخلیقی فنکاری کا تفصیلی جائزہ پیش کرنے کیلئے یہ لازمی بن جاتا ہے کہ ہم مختلف نکتوں سے اس پر نظر ڈالیں۔ اسلئے سب سے پہلے آزاد کے کلام کی ہیتوں پر دھیان دینا واجب ہوگا۔

ادبی میدان کے اس کامل کھلاڑی نے اپنی ادبی زندگی کے بیس پچیس برسوں میں کشمیری ادب کے خزانے کو اپنی دین سے مالا مال کیا۔ اپنے جدید اور بنیادی خیالات سے اس میں نیا جوش اور ولولہ بھر دیا۔ قوم پرستی کے نظریے کو وسیع اور سائنسی ہیت دیکر شاعری کے میدان میں انقلابی تبدیلی لانے کا سہرہ بلا مبالغہ آزاد کے سر باندھا جا سکتا ہے۔ مرحوم پریم ناتھ بزاز کے الفاظ میں:

"The greatest poet of modern Kashmir is Abdul Ahad Azad. He deserves to be called a revolutionary and a Master of cultural renaissance."2

آزاد نے شاعری کی اس نازک بدن دُلہن کو رومانی فلک سے اُتار کر حقیقی زمین پر بٹھا دیا۔ بے سود ہوائی تخیل اُنکے اندر کے شاعر کو زیادہ دیر تک اپنی طرف راغب نہیں کر سکا اور نتیجے کے طور پر انکا قلم ٹھوس خیالات کی راہ پر

۱۔ پروفیسر رحمان راہی کے ساتھ 10 دسمبر 1968ء کی سیدھی بات چیت سے معلوم۔

2. Histroy of struggle for freedom in Kashmir, P.N. Bazaz, Page 295.

گامزن رہا۔ آزاد نے یہ اعلان کیا کہ انسان ہی انکا مقصد ہے اور اُسی کے فلاح و بہبود کیلئے ادبی تخلیقوں کا مقدس کام سنبھال لیا۔

آزاد کی پوری شاعرانہ تخلیقیں خاص طور پر وطن پرستی اور آرائشی دو بہاؤں کا سنگم ہے جسمیں وطن پرستی کے بہاو میں زیادہ زور اور روانی ہے۔ قوم پرستی کے اس بہاؤ نے شاعر کو لافانی بنا دیا ہے۔ اپنے سوزِ دِل کو انھوں نے دو طریقوں سے اظہار کیا ہے، ایک طویل سلسلہ وار نظم اور دوسری آزاد نظم۔ سلسلہ وار نظم کے بارے میں ہم صاف کر چکے ہیں کہ شاعر نے اس میں صرف دو تخلیقیں کی ہیں۔ ایک کا نام ''ژندرٕ بدن و میار'' اور دوسری کا نام ''قمرالزمان'' ہے۔ دونوں تخلیقیں دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے حالت مایوس کُن ہے۔ شری موتی لال جیلخانی سے بات چیت کے دوران صرف اِتنا معلوم ہو سکا ہے کہ انکی پہلی تخلیق ایک عشقیہ واقعہ سے متعلق ہے۔[1]

جہاں تک شاعر کی آزاد نظم کا تعلق ہے، اسکا یہ میدان بہت وسیع اور بے کران ہے اور یہی انکی شہرت اور شاعرانہ کامرانی کا ایک واحد ذریعہ ہے۔ آزاد کے اس پورے تخلیقی خزانے میں ہمیں تین طرح کے رُجحان نظر آتے ہیں۔ پہلا آرائشی یا عشقیہ رجحان، دوسرا قدرت سے وابستگی اور تیسرا وطن پرستی کا رجحان ۔ مرحوم پریم ناتھ بزاز کا بھی اس ضمن میں بیاں یوں ہے۔

"The poetry of Abdul ahad can be divided into three parts. In the begining he composed love lyrics and devotional songs. In these poems the influence of Urdu and Persian poets is clear. In 1936 A.D. he met Mahjur

---

۱۔ دہلی میں شری موتی لال جیلخانی سے ہوئی ملاقات سے معلوم۔

and was fasinated by his verses on nature. Getting inspiration from those he produced poems describing nature as a philosopher. This was second period. The last and the best phase came when he became a materialist, an conoclast, a reble and the standard bearer of social revolution and complete freedom of Kashmir."1

ان سبھی رُجحانوں کا آزاد نے خاص طور پر غزلوں اور گیتوں میں اظہار کیا ہے۔ غزل فارسی غزل کے زیرِ اثر لکھی گئی ہے۔ چونکہ یہ ریاست بھی بہت مدت تک بیرونی تسلط میں رہی، اسلئے مسلمانوں کے دور حکومت میں یہاں بھی عربی اور فارسی جیسی اسلامی زبانوں کا بول بالا رہا۔ سیاسی غلامی کے ساتھ ساتھ ادب کے میدان میں بھی غلامی کو قبول کرنا پڑا۔ نتیجے کے طور پر کشمیری زبان کو پیچھے دھکیل کر فارسی زبان نے اپنا اقتدار قائم کیا۔ بیرونی حکمرانوں کی یہ پالیسی تھی کہ وہ اپنے مذہب کے ساتھ اپنی زبان کو بھی فروغ دیتے تھے۔ کہیں لالچ دیکر تو کہیں سزا دیکر انھوں نے ادیبوں کو اپنی زبان اپنانے پر مجبور کیا۔ آبرو کی حفاظت اور روزی کی حصول یابی کیلئے سنسکرت کے عظیم عالموں نے بھی فارسی زبان کو اپنایا۔ اسطرح ایسے شدید حالات میں ادب پر غیر ملکی چھاپ پڑنا فطری تھا۔ آزاد کی تخلیق بھی اس رنگ میں ڈوب کر منظر عام پر آگئی۔

1. Histroy of struggle for freedom in Kashmir - P.N. Bazaz, Edition 2003, Page 297.

غزل فارسی شاعری کی ہر دِل عزیز صنِف ہے اور یہیں سے اسکی آمد کشمیری ادب میں ہوئی ہے۔ غزل کے لفظی معنی مستورات سے باتیں کرنا ہے۔ اِسکا موضوع آرائشی اور عاشقانہ ہوا کرتا ہے۔ غزلیات مختلف بحروں میں لکھے جاتے ہیں۔ شعروں کی تعداد کی بھی کوئی بندِش نہیں ہے۔ اکثر سات سے لیکر پندرہ بیس شعروں تک کی ایک غزل بنتی ہے۔ اسمیں قافیہ اور ردیف کا خاص دھیان رکھا جاتا ہے۔ اسکی تخلیق میں میٹر کا بھی خاص خیال رکھنا پڑتا ہے۔ جدید شاعروں نے غزل کو عشق و محبت اور آرائشی موضوع تک ہی محدود نہیں رکھا ہے بلکہ اِنسانی زندگی سے متعلق کسی بھی موضوع پر غزل لکھی جا سکتی ہے۔[1] غزل کہیں بھی زنجیروں میں جکڑی نہیں رہتی ہے لیکن پڑھتے وقت اس میں سلسلہ وار نظم کا اندازہ ہوتا ہے جو حقیقت میں نہیں ہوتا ہے۔ اسکا ہر شعر الگ سے پڑھا جا سکتا ہے اور کہیں بھی معنی سمجھنے میں رُکاوٹ نہیں آتی۔ ایک اچھی غزل میں الگ الگ موضوعات کو لیا جا سکتا ہے اور ایک اچھی غزل کی یہ خاصیت مانی جاتی ہے۔[2] اسکے علاوہ فارسی غزل کی ایک خاصیت یہ ہے کہ اسمیں محبوب اور محبوبہ دونوں بشر ہوتے ہیں۔ کہیں لفظ عاشق محبوب کیلئے تو کہیں معشوقہ کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے فارسی کے شعرا محبوب اور

۱۔ پروفیسر رحمان راہی کے ساتھ جموں کشمیر، یونیورسٹی کے احاطے میں 10 دسمبر 1968ء کی سیدھی بات چیت سے معلوم ہوا۔

۲۔ پروفیسر رحمان راہی کے ساتھ جموں کشمیر، یونیورسٹی کے احاطے میں 10 دسمبر 1968ء کی سیدھی بات چیت سے معلوم ہوا۔

محبوبہ کو مخاطب کرنے میں کسی ضابطے کے تابع نہیں رہے ہیں۔ ایسی غزلوں کا مطالعہ کرتے وقت آدمی آسانی کے ساتھ اس اُلجھن میں پڑتا ہے کہ کس کو عاشق اور کسے معشوقہ کہا جائے۔ عالم اگرچہ اس چیز کو فارسی غزل کی ایک خاصیت مانتے ہیں مگر سیدھے طور پر دیکھتے ہوئے مجھے اس میں یہ ایک نقص ہی دِکھائی دیتا ہے۔ کشمیری غزل بھی کہیں کہیں اسکے زیر اثر آئی ہے مگر خصوصیت کے ساتھ کشمیری غزل ہندوستانی شاعرانہ روایت کے زیادہ نزدیک ہے۔ اس روایت میں فارسی غزل کی وہ الجھن نہیں ملتی ہے جہاں عاشق اور معشوقہ کی جنسی فرق جاننے میں کوئی دِقت آتی ہو۔ بھارتی شاعری میں عاشق مرد (نر) اور معشوقہ عورت (مادہ) کیلئے استعمال میں آتا ہے۔ یہی رواج کشمیری غزل میں بھی مروجہ ہے اگرچہ کہیں کہیں فارسی کی یہ بے ضابطگی بھی اس ضمن میں نظر آتی ہے۔

اپنے سے قبل شعرا کی طرح ہی آزاد نے بھی غزل سے ہی اپنی شاعری کا آغاز کیا۔ مہجور کی پگڈنڈی پر چلتے ہوئے شاعر نے شروع میں شرنگار رس سے بھری غزلیں لکھی ہیں۔ لیکن اسکے فوراً بعد انھوں نے غزل کو اس تنگ گھیرے سے نکال کر وسیع صورت میں اپنایا۔ آرائش کے علاوہ انھوں نے اپنی غزلوں میں سیاسی سماجی وغیرہ سبھی موضوعوں کو جگہ دیدی۔ کشمیری نظم کو فرسودہ رسموں سے آزاد کرنے کی انھوں نے کامیاب کوشش کی۔ وہ کشمیری زبان کو باقی زبانوں کے برابر شاعری کے اونچے مقام تک لے جانا چاہتے تھے۔[1]

ا۔ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو کے ساتھ 2 مارچ 1968ء کے دِن سیدھی بات چیت کے دوران معلوم ہوا۔

غزل کو صرف گل وبُلبُل، شمع پروانہ تک ہی محدود نہ رکھ کر اُسے فلسفہ حیات اور مناظر قدرت کی عکاسی کیلئے بھی استعمال کیا۔ ان سب تبدیلیوں کی وجہ سے انکی غزل میں فنکاری کو کوئی ضرب نہ لگی۔ فنی حُسن اور سبھی خوبیاں اُنکی غزل میں موجود ہیں۔ آزاد کی شروعاتی غزل آرائشی دائرے میں بندھی ہوئی ہے۔ ایک رومانی غزل گو کی حیثیت سے انھیں اس عکاسی میں بے مثال کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ نرگس بونورے سے شکوہ کرتے ہوئے کہہ رہی ہے۔

پوشہِ مَتہِ ہوشہِ وۄنۍسہِ رأوتھَس بال بۆ مبرو ییٛمبرزل ئینۍدر ؤزنأوتھس

یاونِکہِ مَسہ چھِہ رأوتھَس بال؎۱ دوہ تارِ ؤزملہِ واوکرِنأوتھس

سنگدل عاشق معشوقہ کو چھوڑ کر چلا جاتا ہے اور فراق میں جل رہی مشعوقہ اپنی سہیلی کے سامنے ماتم کرتے ہوئے کہتی ہے۔

تھۆونم للہِ ؤن نار ہے وۄنۍسی یے کس وَنہِ ژۆلُم بالہِ یار ہے وۄنۍسی یے

چشمن سخت خُمار ہے وۄنۍسی یے؎۲ ابرو چأرِتھ مِژِ تیر دأرِتھ

ہجر میں دن گذارنے والی محبوبہ کو آج مسرت اور جوش و جنون کا احساس ہو رہا ہے، کیونکہ خواب میں اُسے محبوب کا دیدار نصیب ہوا ہے۔ اسلئے آج وہ وصل کی خواہش کرتی ہے اور محبوب کو دعوت دینے کے لئے سہلیوں سے کہہ رہی ہے:

ؤنی توس ہیہِ ناسائِکی یے ازچھم دِلس خوش حأکی یے

ؤنی توس ہیہِ ناسائِکی یے؎۳ ہیہِ پان بہ وَتھرس بأکی یے

۱،۲،۳۔ کُلیاتِ آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفہ 448،460،373۔

آرائشی کنواس پر آواز کا قلم زیادہ دیر تک نہ ٹِک سکا۔ سیاسی اور سماجی غیر اخلاقی پالیسوں کی کسک انکے دل کو زیادہ ہو رہی تھی۔ اسلیئے وہ اپنے قلم کو آرائش کے سمندر میں زیادہ دیر تک غوطہ زن کہاں ہونے دیتے؟ نتیجہ اس دائرے سے نکل کر آزاد نے فلاح عام کے جذبات، احساسات اور خیالات کو اپنی نظموں میں اُجاگر کیا۔ شاعری میں انھوں نے غزل کو ہی زیادہ موزون سمجھا اور اس سِمت میں ایک انقلابی تبدیلی لا کھڑی کر دی۔ ابھی تک غزل صرف عشقیہ واقعات تک ہی محدود رہی تھی لیکن اب انسانی زندگی کے دوسرے موضوعوں تک اِسے پھیلایا گیا۔ اِنسان کی طرف شاعر کی دِلچسپی لاگاتار بڑھتی گئی۔ نوجوانوں میں خود اعتمادیت پیدا کرنے کی غرض سے شاعر کہہ رہے ہیں:

ژٕ کر پأدِ پنہٕ نُے جِگر نوجوانو | شکایت لُگن ہنٛزِ مہَ کر نوجوانو

ژٕ اتھ ژھایہِ پنہٕ نُے مہَ ڈر نوجوانو[ا] | ژنٛے چھُے وہمہٕ بیوٗمُت یہِ تارٕم ہُہ ماریم

اپنی غزل میں آزاد نے سیاسی غلامی کی دھجیاں اُڑائی ہیں۔ غیر ملکی حکمرانوں کی نا انصافی اور ظلم تشدُد کو انھوں نے بڑے ہی فنکارانہ ڈھنگ سے عوام کے سامنے پیش کیا ہے۔ خیالات کے مطابق الفاظ کے انتخاب سے انکی غزل میں احساس کی لہر دوڑ پڑی ہے۔ چاروں طرف دھوکہ اور چور بازاری کا ننگا ناچ دیکھکر شاعر کا خون کھول اُٹھتا ہے۔ بیرون ملک سے آئے ہوئے مال کی کھپت دیکھ کر اُنکے دِل میں آگ دہکتی ہے جسکا اشارہ ذیل کی سطور میں عیاں ہے:

ا۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفہ 227۔

نپہ نپہ کرِ وُن مال کوٗت کال پکہِ   دروگہِ موٗلہِ اَپزِ کہِ وانہِ
سَرتلہِ کھٗوچہِ پٹھ یلہِ کھالن   موٗلہِ تلہِ وَسہِ موٗلہِ ماے!

فن کے نظریے سے ان سبھی غزلوں میں آزاد نے میٹر، قافیہ، ردیف وغیرہ کا دھیان رکھا ہے۔ اس لحاظ سے انکی غزلیں کہیں بھی ہلکی نہیں پڑی ہیں۔ سنگیت کی جھنجھناہٹ کے ساتھ ساتھ ان میں انسانی دِل کی دھڑکنیں بھی جھنجھنا اُٹھی ہیں۔ خوبصورت محاوروں اور عام فہم الفاظ کے استعمال سے انکی مٹھاس میں اور بھی اضافہ ہوا ہے۔ لگ بھگ اُنکی سبھی غزلوں میں ان کی دل دھڑکن تیز ہوا ٹھی ہے۔ اظہار کی تیزی کی وجہ سے ان کی روشن طبع صفتوں سے بھرپور غزلیں نہایت ہی ممتاز ہیں۔ مختصراً کہا جاسکتا ہے کہ آزاد کی غزلوں میں وہ سبھی خاصیتیں موجود ہیں جو ایک عظیم شاعر کی غزلوں میں ہوسکتی ہیں۔

شعریات کی فرض ادائیگی:

اُردو شاعری میں شعریات (poetics) کی آمد عربی اور فارسی کی روایت سے ہوئی ہے۔ لیکن جب ہم کشمیری شاعری کی بات کریں تو اُسمیں عربی فارسی کے ساتھ ساتھ سنسکرت شعریات کی روشِ صاف نظر آتی ہے۔ وجہ عیاں ہے کہ کشمیری زبان سنسکرت کے بہت زیادہ قریب ہے۔ اسکا بیشتر

لفظیاتی سرمایہ سنسکرت زبان سے ہی بر آمد ہوا ہے۔ اسلئے کشمیری شاعری میں بھی سنسکرت شعریات کی کئی اقسام کا بہت حد تک شعرا نے استعمال کیا ہے اور آزاد جیسے مفکر اور زیرک شاعر بھی اس سے مثتنا نہیں ہیں، بلکہ یہ کہنا زیادہ موزوں ہوگا کہ اُنکی شاعری میں اس اثر کو کثرت سے دیکھا جا سکتا ہے۔ اپنی تخلیقوں میں سنسکرت شعریات کے مطابق علم صنعت (النکار)، اوصاف (گُن)، بحر (چھند)، قوت الفاظ (شبدھ شکھتی) محاورے وغیرہ کے وافر تعداد سے آزاد نے اپنے تفکر اور باریک بینی کا اظہار کیا ہے۔ انکی نظموں میں سنسکرت کے غیر منقلب الفاظ بھی کثیر تعداد میں ملتے ہیں۔ ان سب باتوں پر غور کرتے ہوئے اب ہم انکا تفصیلی مطالعہ پیش کرینگے۔

(1) علم ضعت ۔ ضائع / بدائع (النکار):

اپنی تخلیقوں کو پُرکشش بنانے کیلئے شاعر النکاروں کی مدد لیتا ہے۔ الفاظ کے انتخاب اور زیبائش کو دھیان میں رکھتے ہوئے انکا شعر میں استعمال کیا جاتا ہے جس سے شعر کے حُسن میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ قاری کو بھی تخلیق پُر اثر اور مِٹھاس سے بھر پور لگتی ہے۔ آزاد نے بھی اپنے فن میں النکاروں کا بھر پور استعمال کیا ہے اور اپنی تخلیقوں کو سجا کر دِلکش بنا دیا ہے۔ کم تعلیم یافتہ ہوتے ہوئے بھی آزاد نے اس سمت میں جس ذہانت اور شعور کا اظہار کیا ہے۔ اسکی اُن سے اُمید بھی نہیں کی جا سکتی تھی۔ حقیقت میں آزاد نے کشمیری شاعری کے کنواس کو اپنی حکمت عملی اور تجربے سے تابناک کر دیا ہے۔ شاعری

کی کچھ ممتاز تخلیقوں کو دیکھنے پر کہ کِس قابلیت اور کاریگری سے انھوں نے علم صنعت کو بڑی صفائی کے ساتھ برتاؤ میں لایا ہے، واقعی میں انکی فنی صلاحیت کا بے جوڑ نمونہ ہے۔ انجان آدمی کو یہ گماں بھی نہیں ہوسکتا ہے کہ شاعر ایک کم تعلیم یافتہ شخص ہوسکتا ہے۔

آزاد کی تخلیقوں میں اِستعارہ (روپک النکار) کا بہت ہی خوبصورت استعمال ہوا ہے۔ فراق کی آگ میں جھلستی معشوقہ وصل کیلئے چھٹپٹاتی ہے اور دِن رات اسی غم میں گزارتے ہوئے اُسکی جسمانی رونق بھی گھٹ چکی ہے۔ آہ وزاری میں ہی وقت گذرتا ہے۔ شاعر نے یہاں پر مشعوقہ کو یاسمین پھولوں کی بیل کہہ کر اِستعارہ کی ایک بہترین مثال پیش کی ہے:

یوسمن تھُر بہٕ اٲس چاٲنۍ فِراقن زاٲجس
چھُم یوہے نار پیوُمت یارٕ میٛہ موٗرے!۱

ہجر کی آتِش میں پریشان محبوبہ اپنے محبوب سے ملنے کی خواہش جتاتے ہوئے کہہ رہی ہے۔

اَز چھُم دِلس خوشحاٲلی یے — وٕنی توس ییِہ ناساٲلی یے
ہیِہ پان بہٕ وَتھرس باٲلی یے — وٕنی توس ییِہ ناساٲلی یے!۲

یہاں پر محبوبہ کو (ہی) سفید یا زرد رنگ کا پھول جو کشمیر میں ہی پایا جاتا ہے، کا پھول کہہ کر استعارہ کی دِلکش تصویر سامنے رکھی ہے۔

۱،۲۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفہ 282، 373۔

شاعرانہ خیال آمیزی (اُتپر یکھشا النکار) کی مثالیں بھی آزاد کی غزلوں میں جگہ جگہ دیکھنے کو ملتی ہیں۔ ذیل کی کچھ مثالیں قابل دید ہیں۔

تاریتھ لولہٕ سہلابَس ژھاران سوندر مال ژھنڈٕ رییَس
نُنڈٕ بون یاوٗن پوشہِ پھوٚت زَن اتھ منٛزٕ پیوم مےٚ ہاے[1]

پہاڑی جھرنے کا حُسن بیان کرتے ہوئے شاعر کہہ رہے ہیں۔

نورٕ ژادر زَن بر ہوا   دوٚرِ ڈیوٹھُم چون پرتوا
روزی دماہ پاں ژاڈٕ رے[2]   موختہِ جالرن چونہِ جُری جُری یے

پہلی نظیر میں یاوٗن کو پھولوں کی ٹوکری جیسا مان کر اور دوسری میں پہاڑی جھرنے کو روشنی کی چادر مان کر شاعرانہ خیال آمیزی کی ایک عمدہ تصویر کھینچ لی ہے۔ تشبیہ (اُپما النکار) کا بھی انکی غزلوں میں بھرپور استعمال ہوا ہے۔ فطری اور دِلکش مُشبہ بہ ڈھونڈنے میں انھیں کمال حاصل ہے اور اِسی سے اُنکی غزلوں کی رونق اُبھر کر آئی ہے۔ چند شعر یوں بیان ہیں:

کمہِ بوشہٕ ہرٕنہِ ژھالہٕ نِیتھ پوشہِ باغن منٛز
پھٔلی پوشہٕ چمن وِلہِ وِلے دوٚرٕ پھلے لو[3]

اور

کتھ لنجہِ بیوٗٹھُکھ بُلبُل روٗٹھکھ
بُلبُل روٗٹھکھ شِلہِ پدمانے[4]

۱،۲،۳،۴۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفہ 437، 55، 383، 301۔

یہاں پر محبوب کی تشبیہ ہرن اور بُلبُل کے ساتھ کی گئی ہے۔ غیر تشبیہی تضاد (ویتہِ ریک النکار) کا بہترین استعمال بھی ذیل کے شعر میں دیکھتے ہی بنتا ہے۔ یہاں پر مشبہ (اُپمے) 'شینہ مائٔز' برف کے تودے کو مشبہ بہ (اُپمان) شیشے سے زیادہ تابناک مانا گیا ہے۔

عأنکی پأٹھی چھکھ ژ تہِ پربز لأنی   عأنک پریزلُن عأنزیے

عأنہِ چون ازلے اوس پریز لأنی   شینہِ مأنز شِلہِ پد مأنزیے[1]

آزاد نے غیر ملکی حکمرانوں کے خلاف ہر جگہ اپنے اُپھان کو ظاہر کیا ہے۔ اُنکی آمد پر ہی شاعر نے اپنا اضطراب دکھایا ہے۔ انھوں نے بیرونی حاکموں کیلئے 'گوٹِل' پرندے کا مشبہ بہ ڈھونڈا ہے جبکہ وطن کیلئے گلستان اور ہم وطنوں کیلئے مالی کو مشبہ بہ ٹھہرایا ہے۔ اسطرح غیر حاضر کے ذریعے حاضر کا اِدراک کراتے ہوئے آزاد نے بڑی ہی کامیابی کے ساتھ انیوکتھِ النکار کا استعمال ذیل کے شعر میں کیا ہے:

ژاے گوٹِل یتھ گُلستانس ہائے کُس ونہِ تَس باغوانس

تُسی چھُ یہِ دودسُے چاڑ کرے گُلِ خوشبو چھاو سُلہِ گرے[2]

اس النکار کا استعمال آزاد کی شاعری میں ہمیں کئی مقام پر دیکھنے کو ملتا ہے۔ ذیل کے شعر میں بھی غیر حاضر کی وساطت سے حاضر کی طرف اشارہ صاف جھلکتا ہے۔

سہہ پکان بے وایہ بڑ ونہہ کُن شال وُچھان پھیرِ پھیرِ

مؤمتبن پٹھ مورِد لاگن زِنْدِ اِنسانن پرِنْیا[3]

۱،۲،۳۔ کُلیاتِ آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفحہ 65،143،252۔

اور

زِندگی رِکیت زہرِ قاتِل بندگی شرمندگی
ارکھلِس دِین سگ برن گوڈ منز گلستانس پرزنیا[1]

حُسن و شباب کی سنجیدگی سے تشریح کرتے ہوئے تذکرہ (اُلیکھ النکار) کی تصویریوں پیش کی ہے۔

ڈوٹھ کھوتہٕ کرٕ یوٚٹھ پیوس ہرڈن واو یاوُن میوٚن اوس ببرے ڈوراہ
نارٕ وُزملہٕ نے خارٕ تھاوان یاوُن میوٚن اوس نارٕ تندوٗراہ
حالہٕ اکہِ چمنن ڈالہٕ ماران یاوُن میوٚن اوس لولہٕ بوٚمبوٗراہ
نازنین پانس گرایہِ ماران[2] یاوُن میوٚن اوس سونہٕ کنہٕ دوٗراہ

عقل کی وضاحت کرتے ہوئے بھی اسی النکار کا ایک اور تجربہ پیش ہے۔

عقل چھِ ہُشیأری یاہ عقل چھِ بیدأری یاہ
عقل چھِ لوح و قلم[3] عقل چھِ نوٗرٕچ علم

خاندانوں کے کھوکھلے رسم و ریواج پر چوٹ کرتے ہوئے آزاد نظیر (اداہرن النکار) کا عکس بڑی خوبی کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

قاطرن وٚنٹن گرٕبن لاکم تہٕ زین بُڈی بَبن ہُند دِین مالین ہُند یقین
تیرن پتہٕ تیوٚراہ دوان[4] أچھ وٕٹھ بڑوٚنہہ کُن پکان یُس نوجوان بڑو ٹھُمبن

۱،۲،۳،۴۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفہ 251، 175،101،198۔

تضاد (ورودھا بھاس النکار) کے چند تجربے بھی قابلِ دید ہیں:

سیکہِ ماّدانن پوشہِ وِنی پوش پھوّلی یمہِ دژشنہِ کے جوشےا

اور

وارِ ساوان چھی ژبے وُزِ ناوَن واُلی ساز وسنطور مدھم تزاُ وِتھ ناُلی
مارِ سپنگھ امہِ خُمارو ہوگژھ تہِ بیدار وطن دارو ہوٗ۲

غلامی عنوان کی نظم میں آزاد نے بہت سے النکاروں کا استعمال کیاہے جن سے اس نظم کا حُسن دُوبالا ہو گیا ہے۔ مبالغہ (اَتہِ شیوکتھِ النکار) کا ایک خوبصورت منظر یوں بیان کیا ہے:

چھِ آبر پھلبن سنگرن ستی اُخر
پٹُن وقت وأتتھ لڑاوان غولاٗمی۳

آزاد کی تخلیقوں میں شُبہ آمیز (سندیہہ النکار) کی بھی بخوبی آمد ہوئی ہے۔
چند مثالیں پیش ہیں:

ہَرنہِ چشمن سورمہِ لاُ رِتھ نیون زاُ رِتھ میون دِل
یمبرزل چھا کھاُسی چھامَس پیالہِ چھا بادام چھا۴

اور

حاُرتن کورنس چاُنی خماُری خاب چھا کِنہِ بیداُری یے
مُستی چھا کِنہ یہ چھِ ہُشیاُری پہلی کوٗرِ لولہِ ون ہاُری یے۵

۱،۲،۳،۴،۵۔ کُلیاتِ آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفہ 244،47،269،345،301۔

مثال (ورشٹانت النکار) کا حسن بھی دیکھتے ہی بنتا ہے۔

خطا کیاہ چھے ژے اے ظالم بہ چھس پانے پنن قاتل
وُژان ییلہِ جانوارن دون یِوان وَتھ تیر اندازس[۱]

اور

اِنکار کُو سُند دِینس تہٕ دھرمس
کمزور چشمہِ چھِ محتاج سورمَس[۲]

دومعنی (شیلش النکار) کی یہ مثال بھی دیکھتے ہی بنتی ہے:

گاٹلہِ امہِ کھوتہٕ موے وال پھاسو تمہِ مَنز گاٹہٕ روس نیری کیا یے
دولہٕ یمہِ ظلمکی کوہ تہٕ بال ٹھاسو پانہٕ وأنی کاسو پننی نیا یے[۳]

تجنیس (انوپراس النکار) کی یہ چند نظیرے قابلِ دید ہیں:

دۄرِ دۄرِ وو تھم بُمہٕ چأرِ چأری پیٔرکس پیالہٕ بردآری یے
کُنہِ وِزِ یِزِہے چِھےٚ زِ ہے سأری تزأ وِتھ کہنا وأری یے[۴]

اور

گرِ گرِلرِ پان ساوے مدنو پوشہِ تھرِ نرِ آلہٕ ناوے مدنو
تھاوے ژأری ژأری ألہٕ تہٕ سپأری رنگہٕ رنگہٕ پان منگہٕ ناوے مدنو[۵]

۱،۲،۳،۴،۵۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفحہ 248، 147، 265، 404، 406۔

اسطرح علم صنعت کے اس مختصر مطالعہ کے بعد بلا خوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ کشمیری ادب میں آزاد نے سنسکرت شعریات کے طرز پر علم صنعت کا بخوبی استعمال کر کے اپنی تخلیقوں کے حُسن میں چار چاند لگائے ہیں۔ اُس دور کا شاید ہی کوئی کشمیری شاعر اس ضمن میں آزاد کے سامنے کھڑا ہونے کے اہل ہو گا۔

(2) اوصاف (گُن) :

شیرینی، جوش اور فصاحت (ماؤھریہ، اوج اور پرساد) تینوں اوصاف کا ادائے فرض آزاد کی تخلیقوں میں صاف روشن ہے۔ شیرینی اور جوش تو اِن تخلیقوں میں کثرت کے ساتھ دیکھنے کو ملتا ہے، لیکن فصاحت کا وصف بھی کم اہمیت کا نہیں ہے۔ آزاد نے اپنے ایام شاعری کے پہلے نصف میں جتنی بھی تخلیق کی ہے ان میں خاص طور پر شیرنی اور فصاحت کے اوصاف کو دِل کھول کر جگہ دی ہے۔ جبکہ دوسرے نصف میں لگ بگ سبھی تخلیقات میں جوش اور آہ و فغان کی آواز ہی سُنائی پڑتی ہے۔ شاعر کی جمالیاتی تخلیقات وصف شیرنی کی رنگارنگ جاذبیت سے بھری پڑی ہیں جس سے اِنکا حُسن نکھر اُٹھا ہے۔ ذیل کے شعر اس ضمن میں قابل دید ہیں:

یہ چون اندازِ کوتاہ مئوٹھ   اَکی نظرے کران چھُکھ لؤٹھ
حبہٕ وبہٕ رأوتھس نازَل   مَسہٕ ژل پان مار یوا[1]

ا۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفہ 376۔

اس شعر میں 'انداز'، 'مِیُوٹھ'، 'نظر'، 'لوٹھ'، 'حبسہٕ وبسہٕ رأوتھس'، 'نازل' وغیرہ سبھی الفاظ جیسے شیرینی کی برسات کر رہے ہیں۔

کمن محفلن بُلبُلن مسولن منز ... أچھن تل چھِہم خوش ادا سونٛدری لو

وُچھِم کم مدن گلبدن آفت جان ... اثر چانہِ حُسنک جُدا سونٛدری لوا

ان سطور میں بھی 'محفل'، 'بُلبُل'، 'مسَول'، 'سونٛدری'، 'گُلبدن'، 'حُسن' وغیرہ الفاظ شیرینی کی وصف سے بھرپور ہیں۔

جوش کے اظہار میں آزاد نے جوشیلے اور سخت الفاظ کا ہی استعمال کیا ہے۔ قاری کے اندر خود بخود بے حسی ختم ہو کر جوش اور ولولے کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ ظلم اور نا انصافی کے خلاف لڑنے کیلئے وہ دیوانہ ہو اٹھتا ہے۔ شاعر کی قومی اور انقلابی تخلیقات اس نظریے سے قابل ذکر ہیں اور وصف جوش ہی انکی روح ہے۔ مثال کے طور پر چند شعر یوں پیش ہیں:

قیامتھ وحدتُک گُنزرُک زمانہٕ ... نہَ روزن ٹھُری نہٕ یم وُہمہِ گُمانہٕ

اَلن جنگل پھٹن سنگرٕ ٹٕن بال ... قیامتھ بَن قیامتھ تُل جوانہٕ۲

اور

یِہی شیرتہٕ بزور لاَ رِگتھ یہ وَسواس ... ثُلتھ ہمتُک نیزٕ تس ریزٕ کرتو۳

ان شعروں میں 'قیامت'، 'الن جنگل'، 'پھٹن سنگر'، 'ٹٕن بال'، 'ہمتُک نیزٕ' اور 'ریزٕ' وغیرہ الفاظ میں شجاعت اور غضبناک جذبہ پھوٹ پڑتا ہے۔ جوش کے وصف کیلئے یہ دونوں مثالیں کافی اہم ہیں۔

۱،۲،۳۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفحہ 421، 215، 328۔

آسان اور عام فہم الفاظ میں آزاد نے فصاحت کے وصف کی عکاسی کی ہے۔ ایک بار کے پڑھنے سے ہی مطلب ذہن میں آ جاتا ہے جوکہ ان تخلیقوں کی خاصیت ہے۔ ایک مثال پیش ہے:

وٗلو رِنٛدو چھُ مَس بٔری بٔری خمن شیشن تہٕ پیمانٕن
پیا پے . اُلفتُک مَس چیتھ گٔرو گتھ لولہٕ میخانٕن
چھُ اَز جانانہٕ ساقی پانہٕ لولُک مَس بران کھاسبن
گٔرِتھ پأراو نأوِتھ پان ترٛاوِتھ زُلفِ پیچانٕن ا

(3) بحر (چھند):

شاعری کے لوازمات کو مدنظر رکھ کر بحر کا پورا پورا حساب رکھنے میں آزاد ناکام ہی رہے ہیں۔ کیونکہ علم بحر (چھند شاستر) سے اُنکی غیر واقفیت تو تھی ہی اور ممکن ہے کہ اسکی طرف انکا دھیان نہ دینا اس کی اوباری طبیعت ہو سکتی ہے۔ اسکی بڑی وجہ یہ ہے کہ کشمیری شاعری اردو اور فارسی کے اسلوب شاعری سے زیادہ متاثر رہی ہے۔ دور جدید میں بھی کشمیری شاعری ان دونوں کے اثر و رسوخ میں مبتلا ہے۔ نتیجتاً بحر کے لحاظ سے کشمیری شاعری زیادہ تر غزل اور گیت کے اسلوب تک محدود ہے اور آزاد بھی اس سے مستثنیٰ نہ ہو سکے۔ حالانکہ اب شاعری اس پُرانے لباس کو اُتار پھینک کر آزادانہ طور پر لکھی جانے لگی ہے، جہاں قافیہ، ردیف اور لئے کی کوئی قید نہیں۔ اسلئے ہم بحر سے

ا۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفحہ 249۔

متعلق 'لئے' اور 'قافیہ' کو دھیان میں رکھتے ہوئے آزاد کی تخلیقات پر روشنی ڈالیں گے۔

آزاد کی سبھی شاعرانہ تخلیقات میں 'لئے' عنصر کی بہت ہی حسین آمیزش ہوئی ہے۔ انکے شعروں کو گنگناتے ہی سنگیت کے تار خود بخود جھنجھنا اُٹھتے ہیں۔ جمالیاتی اور مناظر قدرت سے متعلق تخلیقیں اس ضمن میں قابل ذکر ہیں۔ ان سبھی غزلوں میں سنگیت کی فطری کشش اور مٹھاس کوٹ کوٹ کر بھری پڑی ہے۔ 'لئے' عنصر کی کڑیاں کہیں بھی کمزور یا ڈھیلی نہیں پڑی ہیں اور حقیقت میں یہی شاعر کی ایک اہم خاصیت ہے۔ سنگیت کی ان راگ راگنیوں کے ساتھ ساتھ حُسنِ صوت کی آمیزش سے کئی تخلیقوں کا حُسن نکھر اُٹھا ہے۔ چند شعر یوں پیش ہیں:

شرٛونٛی شرٛونٛی کران رونہِ دامانن وِگنہِ ونوان منٛز پرستانن
روزی دماہ پاں ژائری ییے آرِ گنٛڈی گنٛڈی تہٕ ڈٕری گری گری ییے[۱]

اور

بوشہِ ستی ہوشہِ وائلی گے پھلواہ گٹہٕ کار یاونگ ترٛٹہٕ زن ترٛاوان
ووندٕ میون یار سنبلاون کیاہ[۲] وُزِ ملہٕ حُسنچہِ فِتنہِ وُزِ ناوان

ان شعروں میں 'شرٛونٛی شرٛونٛی'، 'گٹہٕ کار' اور 'ترٛٹہٕ' جیسے الفاظ کا استعمال کر کے آزاد نے حُسن صوت کی لاثانی مثال پیش کی ہے۔

۱،۲۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفحہ 57، 367۔

آزاد کا پورا کلام قافیے کی حدوں میں بندھا ہوا ہے۔ پروفیسر رحمان راہی کے الفاظ میں ''انھوں نے کہیں بھی قافیے کی خلاف ورزی نہیں کی ہے۔ شاعری میں اس قسم کے قانون و قوائد کا آزاد نے برابر احترام کیا ہے۔''[1] قافیے کی اس فرض ادائی سے اُنکے کلام کی جاذبیت شدید ہو گئی ہے۔ انکی شاعری میں ہمیں بنا قافیے کی کوئی تخلیق نظر نہیں آتی ہے۔ اسکے لئے وجہ یہی ہے کہ کشمیری شعرا اپنی شاعرانہ تخلیقات کو سنگیت کاروں کے ذریعے گائے جانے کے مقصد سے لکھتے تھے۔ طباعت کی سہولیت نہ ہونے کی وجہ سے یہ تخلیقیں گانے کے ذریعے ہی عام لوگوں تک پہنچ سکتی تھیں۔ اسلیئے شعرا اپنے کلام کو سنگیت کی تاروں میں پرونے کے لئے بڑی ہوشیاری سے کام لیتے تھے۔ اکثر غزل کے شروع میں ہی گلوکاروں کیلیئے اُسکا طرز بھی بتا دیتے تھے کہ کس گانے کی دُھن یا طرز پر اس گانے کو گایا جانا ہے۔ اسلیئے شاعری کو سنگیت کے اور نزدیک لانے کیلیئے شعرا نے قافیے اور ردیف سے ملبوس کلام کی ہی آبیاری کی۔ جدید دور میں بھی سبھی کشمیری شعرا چند جدید شاعروں کو چھوڑ کر، قافیے اور ردیف کی پیروی کے ساتھ ہی شعر لکھتے ہیں۔ آزاد نے بھی فن شاعری کے لحاظ سے روایت کی تعمیل کی ہے۔ چند نقوش قابل دید ہیں:

باغِ نسیم کے گُلو   باشہِ کران کران وولو

ساز کران کران وولو   ناز کران کران وولو[2]

ا۔ پروفیسر رحمان راہی کے ساتھ 10 دسمبر 1968ء کے دن یونیورسٹی کے احاطے میں دوران انٹرویو سے معلوم۔

۲۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفحہ 404۔

اور

قدمن ہا چشمہٕ وتھراوے مَدٕنو　　　لالن ہا مالہٕ کرٕ ناوے مدٕنو

گرِ گرِ لرِ پان ساوے مدٕنو　　　پوشہٕ تھرٕ نرِ آلہٕ ناوے مدٕنو[۱]

ان شعروں میں 'گلو'، 'وولو'، 'مدٕنو' الفاظ کے ذریعے ردیف اور 'کران'، 'وتھرائے'، 'ناوئے'، 'ساوئے' کے ذریعے قافیے کی بہترین فرض ادائی ہوئی ہے۔

(4) تصویر کشی (چترا تمکتا) :

عظیم شاعر آزاد کی نظموں میں فنِ مُصوری کا بھی اپنا اہم مقام ہے۔ شاعری کی زبان پر غیر معمولی اِختیار کی وجہ سے انکی منظر نگاری جاندار اور دِلکش بن پڑی ہے۔ مُناسب الفاظ کے استعمال سے یہ عکاسی پُر قوت اور حقیقی دِکھائی دیتی ہے۔ قدرت کی دَلکش گود میں پوری زندگی پلنے کی وجہ سے آزاد نے مناظر قدرت کے بہت ہی پُر کشش عکس اُتارے ہیں۔ انکے شعروں کو گنگناتے ہوئے قاری کچھ ایک لمحوں کیلئے بھول جاتا ہے کہ وہ شعر گنگنا رہا ہے، بلکہ اُسے لگ رہا ہے کہ وہ قدرت کے حسین مناظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ اپنے مادرِ وطن کی خوبصورتی بیان کرتے ہوئے آزاد کی منظر کشی کا یہ شاندار نمونہ دیکھنے کو ملتا ہے۔

شبنم چھکان جواہر پوشن چھُ روشہ روشے

کوچن وتن چھکان پوش مُشک ختُن مُبارک

۱۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفہ 406۔

کتھ سرحدس چھِ تتھی گوش کتھ وارِ منز چھِ تتھی پوش
پھٔلی پھٔلی یِوان دِوان جوش بٔری بٔری چمن مُبارک
پژتھ طرفہِ جویہِ لاران آرِ کتین چھِ ژھاران
پژتھ جایہِ ناگ پژاران تریشہِ ہتین مُبارک[۱]

'وتھ' عنوان کی نظم میں بھی قدرتی مناظر کی خوبصورت منظر کشی دیکھنے کو ملتی ہے۔

روپہ ؤنجِر نۄرِ ژاڈ رٔ یے زۄنہِ کیٔاہ چھکھ گاہ تژاوان
نیلہٕ گوٹہِ چھِی چونہِ جُری جُری یے سوندری یے بوزی میٔانی زار[۲]

جمالیاتی یا عشقیہ کلام میں بھی شاعر نے اپنی اس ہُنر کو خوبصورتی سے پیش کیا ہے۔ ہجر میں جھُلستی محبوبہ بہار کے آنے پر اُسکی سہیلی اُسے اِصرار کے ساتھ گُلستان کی بہار دیکھنے کیلیئے لے جاتی ہے جہاں قدرت کو اٹکھیلیوں اور تفریح میں مَست دیکھ کر اُس کی جھلن اور بڑھ جاتی ہے۔ شاعر کے اس بیان کی عکاسی دیکھتے ہی بنی ہے۔

اَتھِن کیتھ پیالہ ہیتھ پژاران کمہِ تان حالہٕ یٔمبرزل
چھِوبر لۄگمُت چھُ اچھِ پوشن بنفشن عشقہٕ پیچانن
قُمرِ کستۄرِ جل بُلبُل تھربن پیٹھ از چھوان بلگل
گلوتے مَسولۄ دِتی چاک دامنن گریبانن[۳]

۱،۲،۳۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفہ 40،60،249۔

شاعری کے میدان میں مشکل سے مشکل ڈگر پر ہر وقت گامزن رہنا آزاد کا عقیدہ تھا۔ جہاں وہ حصول آزادی کیلئے نوجوانوں کو للکارتے اور حوصلہ افزائی کرتے رہے وہاں انھوں نے محبت کی اصلی اور حقیقی ہیت کو پانے کیلئے بھی عاشقوں کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ اس جذبے کی ایک خوشنما تصویر یوں پیش ہے:

عذابکہِ تیز طوٗفانہٕ ڈران چھا لولہٕ دیوانہ
مٔتِس زنجیرٕ زولانہٕ چھِ شوٗبان تارٕ زن سازس!ا

(5) قوت الفاظ (شبدھ شکھتی):

آزاد کی تخلیقوں میں سنجیدہ معنی اور جوہر بھرے الفاظ کا استعمال کشمیری شاعری میں ایک انمول سرمایہ ہے۔ معنی کے لحاظ سے انھوں نے الفاظ کو چُن چُن کر اپنایا ہے۔ جس طرح ایک جوہری پتھروں میں سے ہیرے جواہر چُن سکتا ہے اسی طرح آزاد بھی ایک حرف شناس کی طرح لفظوں کی روح پہچان سکتے تھے۔ انکی تخلیقوں میں ہمیں الفاظ کی تینوں قوتوں یعنی قوت لفظی (ابھدِا شکھتی)، قوت معنوی (لکھشنا شکھتی) اور قوت مجازی (ویجنا شکھتی) کا خوبصورت مرکب نظر آتا ہے۔ کئی تخلیق قوت لفظی کی حیثیت سے ہی افضل بن پڑی ہیں۔ آسان مگر ایک مخصوص جذبے سے بھرپور الفاظ میں قوت لفظی کا حُسن قابل دید ہے۔

ا۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفہ 247۔

کُڈُر پیٹھِ پانسے تس خانہ ارس   گرس دودرِ یمتس تھوِ یُس ڈکھن پٹھ

بُنلو گژایا پِیس پانس ہیٚنس جان   کھسن تس خوٗن باژن ہندی نکھن پٹھ[1]

اس شعر میں ہر ایک لفظ ایک مخصوص جذبے سے بھرپور اور اپنے صحیح مقام پر متمکن ہے۔ سبھی الفاظ اپنی قوت لفظی۔ سے حُسن شاعری کا تعارف کراتے ہیں۔ اس ضمن میں ایک اور نظیر یوں پیش ہے:

لدٕ و پژون مَس کیٚازِ بانن نوین منٛز   بَروخون بجرُک جوانن نوہن منٛز

خیالی قلایاہ لدُن منٛز ہواوس   یہ مضمون چھُنہٕ امتحانن نوین منٛز[2]

قوتِ معنوی (لکھشا شکھتی) کا استعمال بھی آزاد کی غزلوں میں ملتا ہے۔ لیکن اس سمت میں انکا علامتی استعمال زیادہ اہم ہے۔ انکی یہ علامتیں قومی اور عاشقانہ دونوں اقسام کی تخلیقوں میں ملتی ہیں۔ اصل میں ان علامتوں کے اندر انکی قوت معنوی ہی موجود ہے۔ قوم پرست تخلیقوں میں جہاں انھوں نے بیرونی حکمرانوں کے لئے پہاڑی کوا ''پائژٲلی کاو''، 'گٹیٖل' وغیرہ علامتوں کو اپنایا ہے، وہیں پر ہم وطنوں کے لئے بُلبُل پوشنوٗل وغیرہ کا علامتوں کے طور پر استعمال کیا ہے۔ کہیں ہم وطنوں کے لئے 'شیر' اور غیر مُلکیوں کے لئے 'گیدڑ' کا استعمال بھی کیا ہے۔ ذیل کا یہ شعر بھی قابل دید ہے۔

یِٔت کال مےٚ یم پنجرِ تہٕ زولانہٕ ژٔتھ ترٲوی

سہہ پان اُستھ پوٗ ژھِ لاوبن سپنہٕ دارُن پیوم[3]

۱،۲،۳۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفحہ 214، 212، 217۔

اس شعر میں علامت کے سہارے پنجرے اور شکنجے توڑنے کا مطلب یا معنی حصول آزادی اور گیدڑ سے مطلب بیرونی ظالم حکمران سے ہے۔ پیکر شعر میں ہم وطنوں کے جاہ و جلال اور شجاعت کا جذبہ موجود ہے۔ قوت معنوی کا آزاد نے کافی سہارا لیا ہے۔ سماجی، سیاسی اور مذہبی، غرض کہ ہر میدان میں انھوں نے اِنسان کی بد فطرت اور بد اطواروں کو اپنے طنزیہ تیروں سے شگاف کر ڈالے ہیں۔ مکاروں اور ظالموں پر سخت چوٹ کرنے میں انھوں نے کہیں بھی نرمی سے کام نہیں لیا ہے۔ اگرچہ اُنھیں کئی بار سیاسی صاحب اقتدار اور مذہبی ٹھیکیداروں کی خفگی کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ لیکن اسکے باوجود آزاد ایک بہادر جنگجو سپاہی اور عوامی لیڈر کی طرح اپنے ادبی تیر و نشتر کی وساطت سے سماج میں موجود غلط حکمت عملی پر طنز کے زہریلے تیروں کی بوچھار برابر کرتے رہے۔ انسانیت کے پجاری اس شاعر نے انسانی بہبود کے راہ کی ہر رُکاوٹ کو توڑ ڈالا۔ کھوکھلی انسانیت کا راگ الاپنے والے تنگ دِل لوگوں پر یہ طنز دیکھتے ہی بنتا ہے۔

سیاہ سفید یا پٹن پرُد　　　　پڑِ ناوُنے چھایہِ آدمیت
یہِ گُرگُبن تام چھُنا پچھانتھ ہبکان　　　　پٹن کیاہ تہِ اجنبی کیاہ[1]

فرسودہ رسم و رواج کی زنجیروں میں آج کا انسان بُری طرح جکڑا ہوا ہے۔ عیش و نشاط میں مست رہنے کی وجہ سے سوچنے سمجھنے کی دماغی قوت اُسمیں قریب قریب ختم ہوتی جارہی ہے۔ زندگی اور سماج کیلئے اپنی ذمے داریوں کو

۱۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفہ 144۔

بھول کر وہ ہوس کا غلام بنا ہے۔ عیاشی میں غرق اور فضول کے بدھنوں میں جکڑے انسان پر شاعر نے کیسے چابک برسائے ہیں، یوں پیش ہے۔

بڑوٹھمس پتہٕ پتہٕ پکہٕ وِنہِ تیرے   پانہٕ تہٕ بڑوٹھکُن نظراہ کر

کھیہِ مَنز ما گرِھکھ رنیہِ ہنزِ ویرے   پرٔ شمشیرے رِگنڈُ ناہ کرا[1]

گاندھی جی کی شانتی اور اہنسا کی پالیسی پر آزاد کو کوئی اعتماد نہیں تھا اسلئے انکی اس پالیسی کو بھی آڑے ہاتھوں لیا:

نہٕ پوشیش کانْہہ نہٕ پوریس کانْہہ بلایا

نہٕ روزبس کانْسہِ ستی جھگڑاہ تہٕ نیایاہ

چھُ پانس سُم سبٹھاہ ہندوستانس

کتُن رِکیت ہندراہ کھیٔون رِکیت خودایاہ[2]

مذہبی میدان میں آزاد نے قوت مجازی (ویبجنا شکھتی) سے کافی مدد لی ہے۔ لاعلمی اور ناخواندگی کی وجہ سے عام آدمی مذہبی استحصال کا شکار ہو چکا ہے۔ مذہب کے درپردہ قسم قسم کی بدکرداری پنپ رہی ہے۔ لیکن آزاد نے اپنی سلجھی زبان سے ہر جگہ اسکی مخالفت کی ہے۔ مذہبی اندھے پن میں مبتلا ان لوگوں کی ہنسی یوں اڑائی گئی ہے:

پگاہ چھُم ئدیہِ دِیُن پیرس   تھوبم کن توبہٕ تقصیرس

قیامُت دوہ کربم یأری   یہٕ نو ذٔرِ عشقہٕ بیمأری[3]

۱،۲،۳۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفحہ 228،212،277۔

(6) محاوروں کا استعمال:

آزاد کی شاعری میں محاوروں کا استعمال بھی بہت اہم ہے۔ کشمیری زبان کے مُروجہ اور لوگوں کے من پسند محاوروں کو اپنا کر شاعر نے اپنی تخلیقوں میں چار چاند لگا دئے ہیں۔ محاوروں کے استعمال سے اِن میں ایک سجاوٹ آ گئی ہے۔ ایک ماہر فنکار کی طرح آزاد نے محاوروں کو ڈھونڈا اور ہر جگہ یہ استعمال احساسات کے عین مطابق ہُوا ہے۔ ذیل کی کچھ مثالیں اِس حقیقت پر روشنی ڈالنے کیلئے کافی ہیں۔

قسم دژِ ہیتھ دِتُم تس کأفرس دِل   خبر چھنہٕ آسہِ کیاہ انجام اُتیٖ ۱

'قسم دژِ' کشمیری زبان میں ایک ہر دِل عزیز عام محاورہ ہے۔ خُدا کو حاضر ناظر جان کر کسی لین دین یا اہم کام جیسے شادی بیاہ کا رشتہ جوڑنے سے پہلے فریقین آپسی یقین دہانی اور رضامندی دِکھاتے ہوئے حلف اُٹھاتے ہیں کہ وہ اپنے قول سے نہیں مُکرینگے۔ دوسری مِثال یوں پیش ہے۔

وُنتھ تھأوِمژ گاٹلوٕ رٕژ مِثالاہ کمالس زوالاہ زوالس کمالاہ

ڈکھوٕ ستی کوٗت کال اِستادٕ روزن پتھر پیون چھُ پژانن گرن وارٕ وارٕ ۲

ایک اور مثال بھی دیکھی جاسکتی ہے۔

اوس کُس فوق البشر خیرالبشر

خاندانس ستی یَس آمت ہشر ۳

۱،۲،۳۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفہ 395،186،198۔

اسکے علاوہ کئی اور جگہوں پر خوبصورتی کے ساتھ محاوروں کا استعمال ہوا ہے۔ ہائج باؤن، نلکن نلن وغیرہ ایسے ہی کچھ تجربے ہیں۔

(7) زبان کا استعمال:

آزاد کی شاعری پر نظر ڈالتے ہی صاف ہو جاتا ہے کہ انھیں الفاظ کی شناخت میں پوری طرح سے کامیابی نصیب ہوئی ہے۔ اپنی قابلیت، سوجھ بوجھ اور بیباک آواز کے ذریعے انھوں نے کشمیری زبان کو ادبی صورت عطا کر کے اُسکی عظمت بڑھا دی ہے فارسی زبان کے بے جا تسلُط نے کشمیری زبان کی کمر ہی توڑ کر رکھ دی تھی۔ ادب کے میدان میں بلا شرکت غیرے فارسی کا ہی راج تھا۔ اسکے علاوہ سنسکرت عربی اور اُردو وغیرہ زبانوں نے بھی کشمیری زبان کو پنپنے کیلئے صحت مند ماحول نہیں دِیا اور یہ حالت دورِ جدید تک برابر بنی رہی۔

بیسویں صدی کے آغاز میں آزاد جیسے عظیم شاعر کی قدم آوری ہوئی، جنھوں نے کشمیری زبان کے ساتھ ہو رہے اس ظُلم کے خلاف آواز اٹھائی اور اپنے قلم کی بیباک قوت سے اپنی مادری زبان کے عروج کا ذمہ سنبھالا۔ اس سمت میں آزاد کے ہم زمانہ شاعر مہجور کا بھی تعاون قابل ستائش ہے۔ فارسی وغیرہ غیر ملکی زبانوں کو خیر باد کر کے آزاد نے کشمیری زبان میں تخلیق کرنے کا کام ہاتھوں میں لے لیا۔ اپنے کلام کو ہر دِل عزیز بنانے کیلئے انھوں نے عام لوگوں کی زبان کو اپنایا۔ رس بھرے اور عام فہم الفاظ کے استعمال سے انھوں

نے عوام کے دلوں کی کشش اپنی طرف بڑھا دی۔ اپنی نظموں کو عوام کے قابل قبول اور قابل ترسیل بنانے کیلیئے شاعر نے بڑی تگ و دو سے کام لیا ہے۔ انکی نظموں میں ہمیں غیر منقلب (تتسم جو سیدھے سنسکرت زبان سے آئے ہیں)، منقلب (تدبھو جو ہندی زبان سے کشمیری زبان میں بدلاؤ کے ساتھ آئے ہیں) اور غیر ملکی اور ملکی الفاظ کا وافر مقدار میں استعمال نظر آتا ہے۔ یہ بات غور کرنے کی ہے کہ ایسے تجربے کہیں پر بھی بناوٹی یا اتفاقیہ نہیں لگتے ہیں بلکہ انکی فطری چمک سے نظموں کا حُسن جلوہ افروز ہُوا ہے۔

(i) غیر منقلب الفاظ:

غیر منقلب الفاظ کی چند مثالیں یوں پیش ہیں جن میں غیر منقلب الفاظ کی باڑھ دیکھتے ہی بنتی ہے:

پرُ زنج چھے ژے یاؤریے کرمن ہنز بھوئریے
یہ زنم دِتنئے اِدِ اپشوریے بٹہ کوٗرئ ماری منز سوندریے[1]

☆

ئنہِ راونے آیوس گُنبر چون رگنرس منز
ششترن تہِ میٗترن زہر کھوتہِ ٹیوٹھ لوٗگ یہِ شکر میٗون[2]

☆

۱،۲۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفہ 317،226۔

یندرازٕنی مہا سوندری یے   چون مالٕین تل پاتال
ہێندٕ ریندٕ چانٛی ناماوٕری یے   سوندری یے بوز میانٛی زار[1]

☆

کانٛہہ   ونان   چھُس   آتما   پرماتما
کانٛسہِ   ہُنٛد   یزدان   کینژن   ہُنٛد   خودا[2]

☆

مرٕنکی تہٕ زٕمکو قصہٕ زانِن پھِر تے درویش
آزادٕ بن آزاد مرُن کیاہ تہٕ زنم کیاہ[3]

☆

چھِ   اتھ   ظُلمچے   ناوِ   یتھ   بو   سرس   منٛز
چلاوان   غولامی   ڈُباوان   غولامی[4]

اسکے علاوہ بھی غیر منقلب الفاظ کا استعمال آزاد کی تخلیقوں میں کثرت سے ملتا ہے۔ سورگ، درشن، گیان، مہارانی، سنسار، بَل، منُش، دھرم، شاپ، سنیاس، مندر، ادھرم، ریشوتو، وید، براھمن، سادھو، کام دیو، سمےٗ، شانتی، انیہِ، گیتا، اوتار، پرمیشور، نمسکار وغیرہ ایسے ہی کامیاب تجربے ہیں۔

۱،۲،۳،۴۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفحہ 269،254،207،59۔

(ii) منقلب الفاظ:

منقلب الفاظ کے چند نمونے ذیل میں دیکھے جا سکتے ہیں:

منہٕ کے یارِ بلہٕ تن ناوأنی — پپٹھ وٕنن چھکھ ژٕ دُردأنی یے
چھرٕ بلہٕ چھانزتام گیہٕ ہوگ چأنی — شپنہٕ مأنی شِلہٕ پدمأنی یے[1]

☆

گنجیم پاں ژادرَن ہٕندِ رباب سازِ ننن تارِ
سُہ شود بۄزِتھ مشان عأشہٕ متین سنطورِ سیتارِ

☆

گِہے جوئین کولن گاہ سربندن نلکن نلن اندر
یوان چھُم زندگی ہُند سوز سفرن منزِلن اندر[2]

☆

بِہ — پان — پانےٚ — سنبھالِہ — ہانےٚ
گُنےٚ — تھوٗوتھم — نہٕ — کانٛہہ — ٹھِکانا[3]

☆

میٚہ نِش راجاہ نواباہ سأیلا اکھ سأیلن اندر
یوان چھُم زندگی ہُند سوز سفرن منزِلن اندر[4]

۱،۲،۳،۴۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفحہ 65، 82، 119، 77۔

(iii) غیر ملکی الفاظ:

غیر منقلب الفاظ کی طرح ہی آزاد نے غیر ملکی الفاظ کا بھی خوب استعمال کیا ہے۔ فارسی اور عربی کا استعمال اس ضمن میں کافی اہم ہے۔ لیکن آزؔاد نے اِنکا استعمال اپنی تخلیق میں کِسی فریفتگی کی وجہ سے نہیں کیا ہے، بلکہ غیر ملکی زبانوں کا چلن زوروں پر تھا، اسلئے فطری طور پر ایسے الفاظ شاعر کے کلام میں سما گئے۔ فارسی کے کچھ الفاظ قابلِ دید ہیں۔

چھِ کرٛیشان زوٗن تارکھ آفتابہٕ تہٕ آسمان وۄزرے
وُچھان آئینہ میانے منٛزٕ پٔنُن بُتھ گاہ بیگاہ ژۄرے[1]

☆

پٔنُن پان آیتن چھُم تھوٚوُمت سأرِس جہانس رٔیت
پٔنُن زو پیشکش تھووُم زمینس تہٕ زمانس رٔیت[2]

☆

بہٕ چوونس زندگی ہُند مٕے بہارن ستی تھأونم لے
وزان چھُم دردٕ سوزٕچ نٔے چوان چھُس پیالہٕ پے درپے[3]

عربی زبان کے بھی کچھ الفاظ کا ماحول اور نفسیات کے عین مطابق استعمال دیکھا جا سکتا ہے۔

ژلان چھُم شر حُبابن اِضطرابن وِلولن اندر
یِوان چھُم زندگی ہُند سوز سفرن منٛزلن اندر[4]

۱،۲،۳،۴۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفحہ 75، 78، 83، 74۔

حسین بزونٛتھ کُن یمہ سینہٕ دأرِتھ چھم نہٕ حاأرأنی

تمن حاأرِتھ تہٕ حسرتھ کیاہ یمن غاأرتھ کلن اندرا[1]

☆

نہٕ چھس محتاج شاباشن نہٕ چھس مُشتاق رِگنہٕ باشن[2]

انکے علاوہ آزاد نے عربی اور فارسی کے اور بھی بہت سارے الفاظ اپنی تخلیق پاروں میں خوش اسلوبی کے ساتھ پروئے ہیں۔ جیسے خار (کانٹا)، حُسن، پائیداری، خوش، سنگین، آتش، عمل، شادی، محبت، محنت، آبادی، جاہل، قہر، شیر (دودھ)، غمگین، کارواں، دامن، سبزار، گلزار، دیدار، بخت وغیرہ۔ انگریزی الفاظ کا بھی کہیں کہیں دخل نظر آتا ہے۔ چند نمونے یوں پیش ہیں:

ییٚتہٕ شورٕ گولہٕ، مشینہٕ گن نہٕ چھِ یم بہانہٕ تہٕ مکروفن

ییٚتہٕ سارِے چھُ کُنۍ وطن ییٚتہٕ سارِنے چھُ کُنے خوداہ[3]

☆

بہٕ نوکر چھس نہٕ کانٛہہ افسر لیکھم ناقابلن اندر[4]

☆

گوڈٕنی اُس وارٕ گاٹھ خرٕچ پزٕ اُنس گریٹ وارس منزٕ[5]

☆

نہٕ ڈیوٹھُک توپ نےٚ بندوق نےٚ بم

چھُ سامس تہٕ نریمانس مُبارک[6]

۱،۲،۳،۴،۵،۶۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفحہ 75،74،52،74،115،331۔

(iv) مادری زبان کے الفاظ کا استعمال:

مادری زبان کے الفاظ کا استعمال تو آزاد نے کھُل کر کیا ہے۔ خالص کشمیری الفاظ کے استعمال سے انکا کلام دِلکش اور حُسن و جمال سے بھر پور دِکھائی دیتا ہے۔ شاعری کی ہُنر کو دیکھتے ہوئے بِلا شک یہ کہا جا سکتا ہے کہ آزاد کو کشمیری زبان کی لغت پر غیر معمولی دسترس حاصل تھا۔ چند شعر یوں پیش ہیں:

منٛس مٔنٛز لولہٕ گرٛمی چھس نہٕ شیٛنٛچ سینہٕ صأفی کٔیاہ
بہارن گاٹلٕبن یارن آویوٗل راز باوٕن ہیوٚت[1]

☆

آیٔ اُنکھ ژھأری ژھأری جان زبر ژأری ژأری
یِم نہٕ کران کاثِہ وِچار تم چھِ یِہنٛدِی دوست دار[2]

☆

خیالن ہٕنٛز بُلندی چھا ویٛپان کمزٕور لفظن مٔنٛز
چھُ ژوشبہٕ مٔتی لال نادانا ہ بران آمٕن پٕنن اندر[3]

اور بھی بہت سارے ایسے ہی لفظوں سے اُنکی تخلیقیں حُسنِ فن کی نظر سے لاثانی بن گئی ہیں۔ جیسے ژھیٛپل (چھپنے والا)، آرِ پل (ندی یا نالے میں بڑا پتھر)، شیٛنہٕ مأنٛز (برف کا تودہ)، ژونگ (چراغ)، شال (گیدڑ)، مسوٗل

۱،۲،۳۔ کُلیات آزاد۔ مرتبہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اشاعت دوم۔ صفحہ 85، 106، 114۔

(حسینہ)، پمپوش (کمل)، گٹہٕ زوٗل (اندھیرا)، مُشتھ (بھول جانا)، تورکہٕ چھان (ماہر ترکھان)، لٕہرِتھ (گراکر)، لڑھ (ڈھول)، ژاڑہٕ حال (سکول)، تولسی (گلوبند)، ساعت (مہورت)، نٕرِوار (شادی شُدہ ہندو عورتیں جنکے خاوند بقید حیات ہوں اُنکے پھرن نام کے چولے کی آستین کے اگلے حصے پر لگنے والال زری یا چھینٹ کا ٹکڑا)، ڈیجٕہُر (سونے کا ایک لٹکنے والا زیور جو ہندو لڑکیاں شادی کے وقت کانوں میں پہنتی ہیں)، کھیٚل (بھیڑوں کا جھُنڈ) وغیرہ کے استعمال سے انکا کلام ہر دِل عزیز بن پڑا ہے۔ اسکے علاوہ آزاد نے کشمیری شاعری کو لطافت اور نزاکت بھرے الفاظ کے انتخاب سے بھی بھرلیا۔ ملائم الفاظ کے ساتھ ساتھ انھوں نے کٹھور اور سخت لفظوں کا بھی استعمال کیا۔ اُس سے پہلے کسی بھی کشمیری شاعر نے اس طرح کی کوئی جرأت نہیں کی۔ اسلئے اس نئی تحریک کو آزاد کی ہی دین مانا جا سکتا ہے۔ اس طرح کے کرخت، تیز اور تند لفظوں سے انکی تخلیقوں میں نئی جان، نیا جوش اور نیا حُسن پیدا ہوا ہے۔ پروفیسر رحمان راہی کے الفاظ میں: "Ruffness adds beauty to his poetry."1 ان کرخت الفاظ میں کھمبرین (ٹوٹے پتھروں کے ٹکڑے)، کھیٚن (خندق)، ژٹان (کاٹنا)، ٹھاسان (ٹکرانا)، کتران (کاٹنا)، نارٕ ترٕٹھ (بجلی)، الن (ہلینگے)، پھٹن (پھٹینگے)، نٹن (کانپیگے) وغیرہ کا استعمال قابلِ ستائش ہے۔

اسطرح ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ فن شاعری اور اُسکے لوازمات کی جس تدبُر کے ساتھ آزاد نے پیروی کی ہے وہ حقیقت میں ایک پختہ اور سنجیدہ

دِل و دماغ کا ہی کام ہو سکتا ہے۔ اس میں کہیں بھی ناتوانی اور کاہلی کا اشتباہ نہیں ملتا ہے۔ جذبات کو زبان کی پوشاک پہنانے میں آزاد کو ہر وقت غیر معمولی کامیابی نصیب ہوئی ہے۔ اُنکا ماننا تھا کہ ''فن فن کیلئے نہ ہو کر زندگی کیلئے ہونا چاہئے۔'' اپنی تخلیقوں کے ذریعے شاعر نے اپنے دور کی حقیقی اور سچی عکاسی کی ہے۔ محسوسات کے ساتھ ساتھ زبان میں بھی نئی قدروں کو قائم رکھا ہے۔ اپنے جذبات کو زبان کی وساطت سے ظاہر کرنے میں آزاد کشمیری شعرا میں یقینی طور پر لاثانی ہیں۔ فن شاعری میں انھوں نے کہیں بھی غیر ملکی فن کی اندھی پیروی نہ کرکے صرف اِسکے اثر سے مُتاثر رہے ہیں۔ کم تعلیم یافتہ ہوتے ہوئے بھی آزاد دولت علم سے مالا مال تھے۔ آنے والے نوجوان شعرا کیلئے آزاد کی شاعرانہ عظمت اور صلاحیت مشعل راہ ثابت ہوگی، اسمیں کوئی شک نہیں۔

☆☆☆

حصہ نوم

اختتامیہ:

آزاد کی ولادت کے بارے میں بہت زیادہ اختلاف رائے رہا ہے۔ لیکن اس تحقیق کے بعد یہ بات صاف اور ثابت ہو جاتی ہے کہ آزاد کی ولادت چاڈورہ تحصیل کے موضع رانگر، جو کہ سرینگر سے قریب 20 کلومیٹر دور ہے، ایک متوسط کسان گھرانے میں بکرمی سموت 1960ھ کے چیت مہینے بمطاق 1903ء میں ہوئی ہے۔ اس بات کی تصدیق کچھ ادیبوں اور آزاد کے

قریب ترین احباب نے بھی کی ہے۔ لیکن سب سے زیادہ قابل اعتماد اور مصدقہ جانکاری آزاد کے برادر اکبر خواجہ غلام علی ڈار صاحب جو آزاد کے والد کی حیثیت رکھتے تھے، کی ہی مانی جا سکتی ہے۔ اُنکے مطابق آزاد کی ولادت بکرمی سموت 1960ء کے چت مہینے میں ہوئی تھی۔ میرے یہ پوچھنے پر کہ یوم ولادت کیا تھی تو انکا کہنا تھا کہ یوم ولادت کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے ہیں اور اگر کوئی تاریخ بتا دی تو وہ غلط بیانی ہو گی اور گناہ کے مترادف ہو گا، وہ بھی خود طبیعتاً خدا دوست تھے، اسلئے ایسا کچھ نہیں کہہ سکے۔[۱]

اب آجکل کے ناقدین اور اُدبا جن میں بشر بشیر[۲]، شمشاد کرالہ واری[۳]، پریم ناتھ شاد[۴] اور عبدالغنی بیگ اطہر[۵] صاحبان قابل ذِکر ہیں، نے آزاد کی یوم ولادت 13 ماہ جون 1903ء مقرر کی ہے۔ یہ تاریخ ان صاحبان نے کس تحقیق یا کھوج کی بنا پر لکھی ہے، اسکا نہ کوئی حوالہ اور نہ کوئی صداقت ہی پیش کی ہے۔ آزاد کے برادر اکبر خواجہ غلام علی ڈار، جو پہلے بھی کہا گیا ہے کہ وہ آزاد کے والد کی حیثیت رکھتے تھے، جب وہ کوئی تاریخ نہیں بتا سکے تو ان متذکرہ بالا اُدبا نے یہ تاریخ کہاں سے لائی، وہی بہتر جانتے ہوں گے۔

۱۔ 11 ماہ مئی 1967ء کی غلام علی ڈار کے ساتھ بات چیت کے دوران معلوم۔

۲، ۳۔ شیرازہ آزاد نمبر 2002ء جموں و کشمیر اکیڈمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز سرینگر بالترتیب صفہ نمبر 117 ,138۔

۴، ۵۔ شیرازہ آزاد نمبر5-2004ء جموں و کشمیر اکیڈمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویز سرینگر بالترتیب صفہ نمبر 274 ,163۔

میری نظر میں یہ مستقبل کے محققوں ناقدین اور ادب شناسوں کے لئے ایک گمراہ کن بات ہی ہوگی۔ دوسری بات یہ ہے کہ غلام علی ڈار کے مطابق آزاد ماہ چیت میں پیدا ہوئے تھے جو انھوں نے مصدقہ طور پر بیان کیا ہے تو چیت کا مہینہ کبھی بھی انگریزی کلینڈر کے مطابق جون میں نہیں ہوسکتا ہے۔ وہ تو جیٹھ یا آشاڑھ کا مہینہ ہوسکتا ہے۔ اس بنیاد پر بھی 13 جون کی تاریخ پیدائش صحیح ثابت نہیں ہوسکتی۔ اسطرح آزاد کی یوم ولادت پر اب اور کچھ کہنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن بھی بن گیا ہے۔

ایک اور بات کی طرف معزز قارئین کا دھیان مبذول کرنا چاہوں گا کہ 'آلو' نام کے رسالے (نومبر۔دسمبر 2003ء) کے شمارے میں، جس میں گوشہ آزاد کے تحت کچھ مضامین چھاپ ہوئے ہیں، سیدرسول پونپر صاحب کا مضمون ''شاعر انسانیت۔ عبدالاحد آزاد'' عنوان سے چھپا ہے۔ اسمیں صفحہ نمبر 143 پر آزاد کے مُتبنیٰ جاوید آزاد کو اُنکا بھانجہ بتایا گیا ہے جو کہ غلط ہے اور اِسکی تصدیق شری کرشن لعل کول بھی کرتے ہیں۔ حقیقت میں غلام حسن ڈار المعروف جاوید آزاد، آزاد کا بھتیجہ تھا۔ وہ غلام علی ڈار کا دوسرا لڑکا تھا اور بڑے لڑکے کا نام محمد صدیق ڈار تھا۔ ڈار صاحب کے چھوٹے لڑکے کو ہی آزاد نے گود لیا تھا۔ اسطرح وہ آزاد کا بھانجا نہ ہوکر اُسکا بھتیجہ تھا۔ ایک اور غلط فہمی کو بھی دور کرنے کی ضرورت ہے۔ خواجہ سلطان ڈار کے دو ہی بیٹے تھے اور انکا کوئی تیسرا بیٹا نہیں تھا۔ آزاد چونکہ سلطان ڈار کا دوسرا بیٹا تھا، اسلئے آزاد کا کوئی چھوٹا بھائی بھی نہیں تھا۔ اس بات کا ذکر کرنا اسلئے ضروری جان پڑا

آزاد کے متبنیٰ غلام حسن ڈار المعروف جاوید آزاد (بائیں سے نمبر ایک)

اپنے کسی ہمدم کے ساتھ

تاریخ ۲۱ ماہ نومبر ۱۹۶۷ء دروا قع موضع رانگر، کشمیر

کیونکہ شری پریم ناتھ بزاز صاحب نے اپنی کتاب "History of strugle for freedom in Kashmir" میں صفحہ نمبر 301 پر لکھا ہے کہ آزاد کی موت پر انکا چھوٹا بھائی انکی جسد خاکی کو اپنے آبائی گاؤں رانگر لے گیا تھا، جو کہ حقیقت سے کوسوں دور ہے۔

اسی طرح آزاد کے انتقال کے بارے میں بھی محققوں میں اختلاف رائے ہے۔ کچھ اسے 5 ماہ اپریل 1948ء تو کچھ 14 ماہ اپریل 1948ء مانتے ہیں۔ محمد یوسف گنائی آزاد کی یوم وفات 5 اپریل 1946ء مانتے ہیں[1] لیکن حقیقت یہ ہے کہ آزاد کی وفات 4 ماہ اپریل 1948ء بمطابق 23 ماہ چیت سموت 2004 اتوار کے دن شام کے ساڑھے سات بجے سرینگر کے صدر ہسپتال (ایس۔ایم۔ایچ۔ایس) کے جنزل واڑ نمبر 18 کے سائڈ روم میں ہوئی۔ اس بات کی تصدیق میرے ساتھ براہ راست بات چیت کے دوران ڈاکٹر اومکار ناتھ کول (ٹھسو) کے علاوہ مکھن لال محو، غلام محمد ڈار زوہامہ اور شری کرشن لال کول کے علاوہ آزاد کے بڑے بھائی غلام علی ڈار اور خود بیوہ آزاد مسماۃ مختی نے کی ہے۔ ڈاکٹر اومکار ناتھ کول کا یہ بھی کہنا تھا کہ اُس دن چونکہ اتوار تھی اسلئے بازار سے کوئی سامان وغیرہ نہیں مل سکا جسکی وجہ سے انھیں آزاد کے جسد خاکی کو انکے گاؤں تک لے جانے میں کافی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ ڈاکٹر اومکار ناتھ صاحب مرحوم کے جسدخاکی کو سپُرد خاک کرنے تک

ا۔ عبدالاحد آزاد اور تحریک آزادی۔ محمد یوسف گنائی صفہ نمبر 402۔

آزاد کے افراد خانہ کے ساتھ برابر موجود رہے تھے۔

اس ضمن میں کرشن لعل کول کا کہنا ہے کہ وہ خود 17 سال کی عمر میں سرینگر کے صدر ہسپتال میں اُن دنوں ہڈیوں کے کسی مرض کی وجہ سے وارڈ نمبر 18 میں ہی داخل تھے۔ آزاد بھی اسی وارڈ کے سائڈ روم میں زیرِ علاج تھے۔ جیسا کہ پہلے ہی واضح کیا گیا ہے کہ کرشن لال اور آزاد کے بیچ شاگرد اور استاد کا رشتہ تھا اور دونوں رانگر گاؤں میں آپسی ہمسائیگی میں رہتے تھے، اس ناطے کرشن لال ہسپتال میں آزاد کی قربت میں رہتے ہوئے روز انھیں دیکھنے انکے کمرے میں آتے تھے۔ آزاد کے آخری سانس لینے کے وقت وہ انکے سامنے موجود تھے اور کچھ ارباب خانہ کے علاوہ غلام محمّد ڈار زوہامہ، ڈاکٹر اومکار ناتھ کول اور غلام محمد بٹ (آزاد کے بھانجے غلام نبی عارض کے بڑے بھائی) بھی موجود تھے۔[۱] اس مصدقہ اور باوثوق جانکاری کی بنا پر امین کامل صاحب کا یہ کہنا کہ آزاد کی وفات کے وقت پریم ناتھ بزاز، غلام احمد مہجور اور ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو بھی انکے سرہانے موجود تھے[۲]، کیسے صحیح مانا جاسکتا ہے۔ آزاد کی وفات کے بارے میں بھی انکا کہنا ہے کہ وہ 5 ماہ مارچ 1948ء کو رحلت کر گئے[۳]۔ اس کے لئے غلام محمد ڈار زوہامہ (کامل صاحب

۱۔ کرشن لال کول الماس کے دوران انٹرویو میں معلوم۔

۲۔ شیرازہ آزاد نمبر 2002ء جموں و کشمیر اکیڈمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز سرینگر بالترتیب صفہ نمبر 23/24۔

۳۔ شیرازہ آزاد نمبر 2002ء جموں و کشمیر اکیڈمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز سرینگر بالترتیب صفہ نمبر 19۔

مرحوم آزادؔ کے ہم پیالہ خواجہ غلام محمد ڈار زوہامہ (تصویر میں بیٹھے ہوئے)

— محقق کے ساتھ دوران انٹرویو درواقع موضع زوہامہ

تاریخ ۱۴ مئی ۱۹۶۷ء

[illegible]

کے مضمون میں غلام محمد کی جگہ غلام احمد لکھا ہے جو غلط ہے) کا حوالہ دیا ہے۔ یہاں پر میں صاف کر دینا چاہتا ہوں کہ میں بذات خود غلام محمد ڈار زوہامہ سے انکے گھر پر ملا ہوں اور انکا ایک طویل انٹرویو لیا ہے۔ لیکن آزاد کی یوم وفات انھوں نے مجھے کہیں بھی 5 مارچ 1948ء نہیں بتائی۔ یہ بات بھی میری سمجھ سے باہر ہے کہ امین کامل جیسے عالم اور مدبر جنکا میں دل سے احترام کرتا ہوں، اُن سے ایسی غلط بیانی کیسے ہو سکتی ہے اور 23 ماہ چیت سموت 2004ء کِس علم ریاضی کی بنیاد پر 5 مارچ 1948ء متعین ہو سکتی ہے۔ اس طرح سے تاریخ کا تعین کرنا یا تو جلد بازی ہے یا لاپرواہی ہی کئی جا سکتی ہے۔ اس سے بھی حیران کُن بات یہ ہے کہ 5 مارچ کی تاریخ کو وہ وثوق کے ساتھ صحیح بھی مانتے ہیں[ا]۔ اسطرح میری تحقیق کے مطابق مصدقہ طور پر آزاد کی یوم وفات 4 ماہ اپریل 1948ء بمطابق 23 ماہ چیت 2004ء اتوار کو ہی ماننا درُست ہے۔ آگے اس موضوع پر بحث کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

آزاد کی مالی حالت کی جہاں تک بات ہے، وہ ایک متوسط کسان گھرانے میں پیدا ہوئے تھے جہاں غربت کا گھپ اندھیرا تو نہیں تھا لیکن تاریکی ضرور تھی۔ میں بذات خود آزاد کے گھر گیا ہوں کیونکہ میرا اپنا آبائی گاؤں رانگر سے صرف ایک ڈیڑھ کلو میٹر دور ہے جسکا نام واگام ہے۔ اسلئے میرا رانگر گاؤں میں آنا جانا رہتا ہی تھا اور میرے وہاں پر کچھ رفقا بھی تھے۔ لیکن اپنے تحقیقی پروجیکٹ کے سلسلہ میں 1967ء میں جب بھی میں آزاد کے

ا۔ شیرازہ آزاد نمبر 2002ء جموں و کشمیر اکیڈمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز سرینگر بالترتیب صفہ نمبر 19۔

گھر گیا ہوں مجھے کہیں بھی وہاں پر اس بات کا احساس نہیں ہوا کہ آزاد ایک متمول گھرانے میں پیدا ہوئے تھے۔ جیسا کہ آجکل کے کچھ ادیب بڑی آسانی سے لکھنے لگے ہیں[۱]۔ آزاد کے کسی بھی ہمنوا نے جو انکی قربت میں رہتا تھا، میرے ساتھ انٹرویو کے دوران اس بات کا کہیں اظہار نہیں کیا کہ وہ ایک رئیس گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ ان دوستوں میں ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو، غلام محمد ڈار، ڈاکٹر اومکار ناتھ کول، مکھن لال محو اور خود زوجہ آزاد کے نام قابل ذکر ہیں۔ اُنکے مطابق آزاد ہر وقت اپنی اقتصادی حالت سے بیزار تھے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آزاد اپنی شروعاتی تخلیقوں کی اشاعت، جسکی انھیں بہت چاہت تھی، خود کر سکتے نہ کہ چند پیسوں کے عوض میں کتب فروشوں کے ہاتھ بیچ دیتے۔ عبدالغنی نمتہ ہالی صاحب جو آزاد کے گاؤں کے ساتھ ہی نمتہ ہال میں رہتے تھے میری بات سے متفق ہیں[۲]۔

رفائے عام کیلیئے جہاں شاعر نے مذہبی بندشوں کو غیر ضروری مانکر انکی سخت تنقید کی وہاں مذہب کے ٹھیکیدار آزاد کے ساتھ خفگی کا اظہار کرتے رہے اور نتیجتاً اسکے کلام کو بھی ذوق شوق کے ساتھ اپنانے سے باز رہے۔ لیکن خود دار اور بیباک شاعر اس بات کی کوئی پرواہ کیئے بغیر عوامی بہبود کیلیئے کوشاں رہے۔ زندگی کے بارے میں انکا نظریہ سائنسی اور صحت مند تھا۔ انکی ادبی

۱۔ آلو۔ مئی۔ جون 2005ء محکمہ اطلاعات جموں و کشمیر صفہ نمبر 36۔ آزادنٕ زندگی۔ کینثہہ عکس کینثہہ اہہار۔ عزیز حاجنؔی۔

۲۔ شیرازہ آزاد نمبر 2002ء جموں و کشمیر اکیڈمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز سرینگر صفہ نمبر 190۔

دین بغیر کسی فریب کے ترقی پسند اور وسیع جذبہ پر مبنی ہے۔ اُسمیں کہیں پر بھی تنگ نظری رونما نہیں ہوتی۔ اسی بنا پر لاعلمی اور تنگ دلی کی تاریکی میں گرفتار کچھ لوگوں کیلیئے آزاد کے سائنسی اور وسیع تر نظریے کو سمجھنا ٹیڑھی کھیر ثابت ہوا۔ لیکن اب بدلتے وقت کے ساتھ ساتھ لوگوں کا ذہن بھی صاف ہوتا جا رہا ہے اور آزاد کے فلسفے کو سمجھنا اور انکی قدر و قیمت کا تعین کرنا بہت حد تک لوگوں کی دانست میں آ چُکا ہے۔ مسرت کی بات ہے کہ کشمیری ادب میں اب آزاد کی اہمیت دن بہ دن بڑھتی جا رہی ہے۔ مذہبی تنگ دلی کا پردہ جوں جوں لوگوں کی نظروں سے ہٹتا جا رہا ہے اس عظیم شاعر کی عظمت کو سمجھا جا رہا ہے اور انکی عزت اور شہرت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اسطرح آزاد کی خود کی یہ پیشن گوئی بالکل سچ ثابت ہوئی کہ

عالم ہا کرِ یاد آزاد آزاد

کُنہِ ساتہٕ وُچھتہٕ یاد پاوے مدنو

☆☆☆

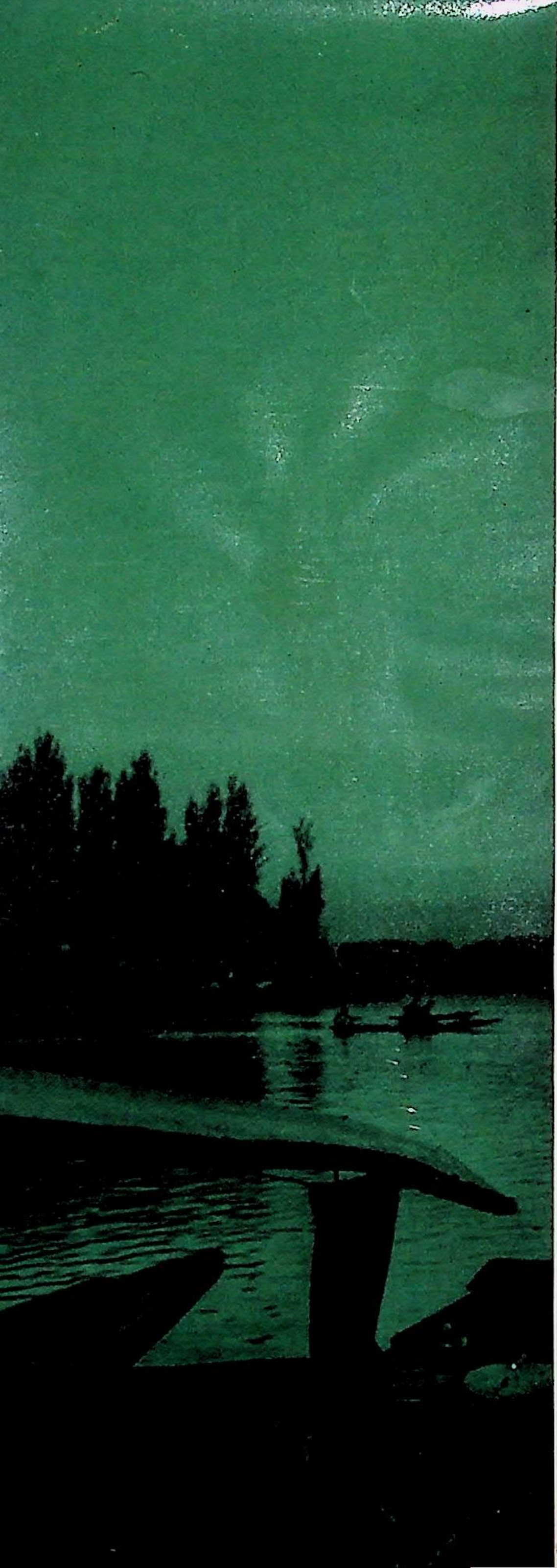

ABDUL AHAD 'AZAD'
(A Research Study)

ڈاکٹر اے۔این۔ پرشانت ادبی دُنیا میں ایک جانا پہچانا نام ہے۔ جوانی کی دہلیز پر قدم رکھنے سے قبل یعنی 1958ء میں جبکہ اِنھوں نے دسویں جماعت کا امتحان پاس کیا، اپنے جذبات اور احساسات کو زبان بخشی اور اُس کتابچے کا نام "سوبھگیو آلو" رکھا۔ اس کا پیش لفظ پدم شری مرحوم موتی لال ساقیؔ نے لکھا تھا۔ دوران طالب علمی کالج اور یونیورسٹی کے میگزینوں میں انکی ادبی کاوشوں کو جگہ ملی۔ ہندی میں اِنکے تحقیقی مضامین اور کہانیاں اِن میگزینوں، رسالوں کے علاوہ "ونیچھا"، "وِتستا"، "پالکا سماچار" وغیرہ میگزینوں میں شائع ہوئے اور قارین نے اِنکی بھرپور حوصلہ افزائی کی۔

ہندی میں ادبی خدمات کی بنا پر کشمیر یونیورسٹی کے شعبہ ہندی نے ڈاکٹر صاحب کو آچاریہ پنڈت جگن ناتھ تیواری کے نام پر دیا جانے والا ادبی تمغہ عنایت کیا اور انکی ادبی خدمات کی سراہنا کی گئی۔ اسکے ایک سال بعد اکتوبر 1970ء میں اے۔این۔ پرشانت صاحب کو کشمیر یونیورسٹی کی جانب سے ہندی میں پی ایچ۔ڈی۔ کی ڈگری سے نوازا گیا۔ وزارت داخلہ کے محکمہ سرکاری زبان میں لیکچرار کے عہدے پر سرفراز رہ کر بحیثیت اسِسٹنٹ ڈایریکٹر ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔

علم و ادب سے وابستگی اور شغف ہونے کا نتیجہ اُنکی آجکی کتاب "عبدالاحد آزادؔ تحقیقی آئینے میں" ہے۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو ادب سے حد سے زیادہ لگاؤ ہے۔ یہ کتاب مرحوم آزادؔ کے ہر گوشے کو روشن کرتی ہے۔

جگن ناتھ ساگر

04-09-2008